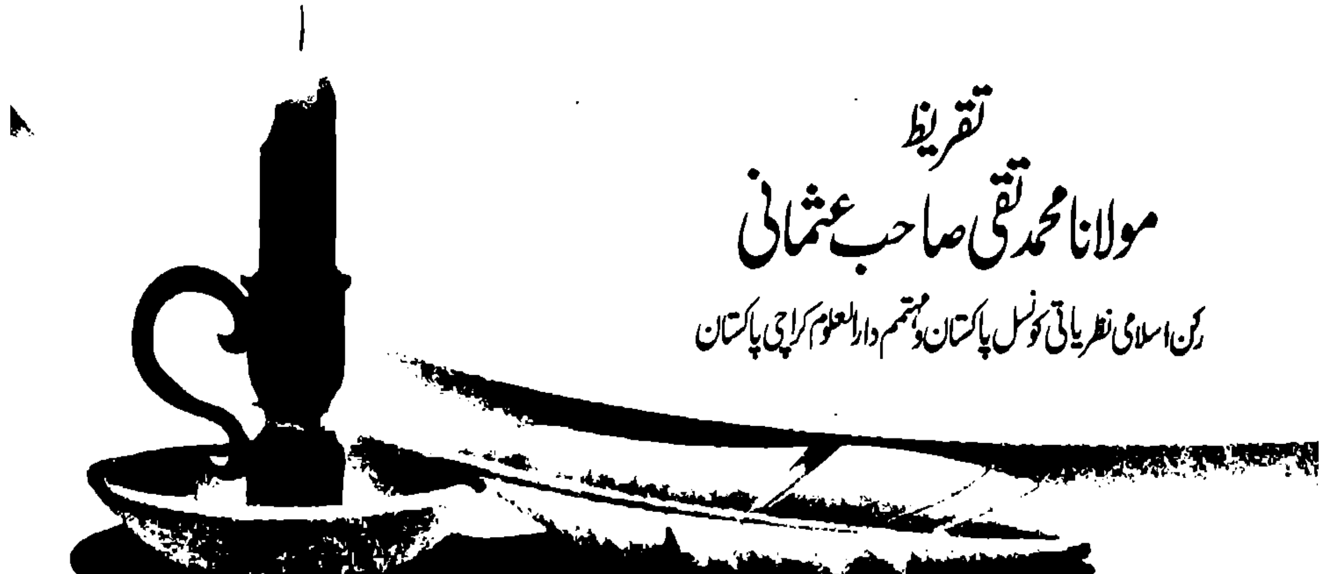
اصول الفقہ

تالیف

محمد عبید اللہ الاسعدی

استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، یوپی



تقریظ

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی

رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان و مہتمم دار العلوم کراچی پاکستان

مکتبہ احسان لکھنؤ

اُصول الفقہ

تالیف

محمد عبید اللہ الاسعدی
استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، یوپی

تقریظ

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی
رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان و مہتمم دارالعلوم کراچی پاکستان

مکتبہ احسان لکھنؤ
MAKTABA AHSAN
Lucknow-20

اُصول الفقہ

تالیف

محمد عبید اللہ الاسعدی

تقریظ

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی

باہتمام

محمد طاہر احسان و مولانا عرفان نصر ندوی

Usool-ul-Fiqh

Author:

Muhammad Ubaidullah Al-As'adi

Edition : **2015**

Pages : **296**

Price : **200/-**

ناشر

مکتبہ احسان لکھنؤ

MAKTABA AHSAN

Head Office: 504/38-1, Tagore Marg, Daliganj, Lucknow-20 (U.P.)

Ph. : 0522-3206907 M. : 9793118234, 9335982413

E-mail : maktabaahsan1@gmail.com

Branch Office: Bagh Wali Masjid, Lal Bagh, Muradabad

M : +91-9359103393, +91-8057917341, +91-8791355187

Ph : 31 12 17
Res : 31 12 16

Muhammad Taqi Usmani
Member : Council of Islamic Idiology.
Naib Muhtamim : Darul Uloom, Karachi-14

محمد تقی عثمانی
رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
نائب مہتمم دارالعلوم کراچی ۱۴

مورخہ ــــــــــــــ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادر محترم و مکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ کا ارسال فرمودہ مسودہ اصول فقہ بھی مل گیا تھا لیکن پچھلے دنوں میں کبھی اسلام آباد اور کبھی کراچی میں مقیم رہا اسلئے اسکو دیکھنے کی مہلت نہ مل سکی اور نہ آپکو اسکی وصولیابی کی اطلاع دے سکا۔ معذرت خواہ ہوں۔ بہرحال مسودہ موصول ہو گیا ہے میں نے اسکو جستہ جستہ مقامات سے دیکھا ہے ماشاء اللہ خوب ہے۔ احقر کی رائے میں آپ کی یہ تالیف دینی مدارس کے طلباء کیلئے ایک بہترین یادداشت کا کام دے سکتی ہے لیکن اس کا اصل فائدہ یہ ہوگا کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جہاں اصول فقہ کی تعلیم ہوتی ہے وہاں اسکو بطور نصاب داخل کرنا بھی مناسب ہوگا۔ آپنے بہت اچھا کیا کہ اس کتاب سے حوالوں کو ساتھ ساتھ لکھنے کا کام مکمل فرما دیا۔ چونکہ اس کا اصل فائدہ ان حضرات کیلئے ہوگا جو عربی زبان نہیں جانتے یا اسلامی عبارت نہیں دیکھتے اسلئے آخری نظر میں اب اس بات کو بھی ملحوظ رکھیں کہ تعریفات وغیرہ میں الفاظ جس قدر سہل آسکیں بہتر ہے۔ اور جہاں الفاظ کو سہل کرنا ممکن نہ ہو وہاں ایسی توضیحی عبارتیں آجائیں جن سے بات پوری طرح روشن ہو جائے اور مثالوں سے مطابقت بھی ہو جائے بہرحال آپکا یہ کام مستحق تحسین ہے اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو نافع اور مفید بنائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے والسلام

محمد تقی عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

مضامین	صفحات

مبحث دوم - احکام تکلیفیہ

نسخ

اصل دوم۔سنت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ مؤلف

الحمد للّٰه و کفی سلام علی عباده الذین اصطفی، أما بعد!

زیرِ نظر کتاب اسلامی وعربی علوم وفنون کے سلسلۂ تسہیل کی ایک کڑی ہے، اشاعت کے اعتبار سے اس سلسلہ کی چھٹی اور اس سلسلہ میں احقر کی شرکت وشمولیت کی دوسری کڑی ہے۔

بانی جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، سیدی وسندی حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مدظلہ جو اس فکر کے داعی اور سلسلہ کی اکثر کتب کے مؤلف ہیں، حضرت موصوف کو علم بلاغت اور علم اصول فقہ میں خاص طور سے اس کام کی فکر تھی اور احباب سے اس کا ذکر وتقاضا فرماتے رہتے تھے، احقر نے اس تقاضے سے تاثیر کے تحت، پہلے مرحلہ میں بلاغت پر کام کیا جو الحمدللہ ''تسہیل البلاغۃ'' کے نام سے مطبوعہ صورت میں دستیاب ہے۔

دوسرے مرحلے میں اس کام کو انجام دینے کی سعادت حاصل کی، جس کے آغاز پر چند سال کا عرصہ مکمل ہونے اور اس عرصہ میں کام کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد اب الحمدللہ اس کی طباعت اور اشاعت کی نوبت آرہی ہے، اور اس امید کے ساتھ کہ احقر نے اس کے ساتھ ساتھ ''اصول حدیث'' پر جو اسی انداز کا مجموعہ ترتیب دیا ہے، انشاء اللہ جلد اس کی اشاعت کا نمبر آجائے گا، اور پھر کیا بعید ہے کہ آخری کڑی ''اصول تفسیر'' پر بھی کچھ کاوش وکوشش کی توفیق ہوجائے اور یوں یہ سلسلہ ''و ختامه مسك'' کا مصداق قرار پائے، وما توفیقی إلا باللّٰه.

کتاب کی موجودہ صورت میں جو اشاعت پذیر ہورہی ہے، یہ اس کی تیسری تبییض کا نتیجہ ہے، اولاً معلومات ومواد جمع کرنے کے بعد تبییض کی اور استاذی مولانا محمد زکریا صاحب استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی خدمت میں پیش کیا، انھوں نے تحسین کے ساتھ کچھ مشورے دیئے، پھر دوسری مرتبہ تبییض میں لگا، اور تکمیل کے بعد مزید توفیق و اعتماد کے لیے مکرمی مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ دار العلوم دیوبند کی خدمت میں مجموعہ کو پیش کیا، انھوں نے بھی سرسری نظر سے ملاحظہ فرما کر تحسین کی، اس عرصہ میں ایک کاپی مکرمی و معظمی حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی (کراچی) کی خدمت میں پہنچی اور انھوں نے بڑی ہمت افزائی فرمائی، البتہ اس وقت تک کے کام میں یہ خامی تھی کہ مسائل کے ساتھ حوالہ جات کا اندراج نہیں تھا، کچھ خود داعیہ ہوا، کچھ بعض اکابر کی تاکید ہوئی اور اس کام کی طرف متوجہ ہونا پڑا، اور اس کے لیے از سر نو تمام مراجع کو جمع کرکے سارے مباحث کو کھنگالنا پڑا اور بالآخر بتوفیق خداوندی حوالہ جات کے ساتھ تیسری تبییض تکمیل کو پہنچی۔

اس مجموعہ میں ابتدائی مراحل سے لے کر انتہائی مراحل تک تدریس و تصنیف سب لائنوں میں عموماً جو اصول سامنے آتے رہے ہیں، ان سب کو جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے، تاکہ کتاب بہتر سے بہتر تعارف کا ذریعہ بن سکے اور اس کے مباحث صرف اصول کے بیان یعنی ان کی تعریفات، احکام، امثلہ اور اقسام وبعض ضروری توضیحات وتفصیلات پر مشتمل ہیں، نہ اختلافات کا ذکر ہے اور نہ دلائل کا، احناف کے مختلف فیہ اقوال میں سے بھی حسب رجحان یا حسب اختیار فقہاء کسی ایک کو لے لیا گیا ہے۔

اس مجموعہ کی تالیف میں ایک خاص انداز اپنایا گیا ہے، جو ایسے علوم وفنون کے حق میں زائد سے زائد سہولت پر مشتمل اور سودمند سمجھا گیا ہے، جیسے عبارت میں الجھاؤ سے بچنے کی سعی کی گئی ہے، ترتیب عبارات میں بھی اس کا خاص لحاظ رکھا گیا

ہے، جو کچھ لکھا گیا ہے اپنی طرف سے لکھنے کا کیا سوال؟ تاہم ایسے بھی مواقع آتے ہیں کہ عربی تعبیر کو اردو کا جامہ پہنانے یا تعریفات کے حق میں اختلاف کی وجہ سے جامعیت کو اختیار کرنے کے لیے بڑے غور وخوض کی ضرورت پڑی، اور پھر اپنی فکر کے مطابق کسی لفظ یا تعبیر کو اپنا لیا گیا ہے، جیسے کہ بہت سے مباحث کی ترتیب یا اقسام کی تفصیل میں ندرت موجود ہے، جس کی حواشی میں وضاحت کر دی گئی ہے، سارے مباحث کو ایک نظر میں قاری کے سامنے پیش کرنے کی غرض سے فہرست کی نہایت جامع ترتیب دی گئی ہے، مآخذ کی فہرست اخیر میں موجود ہے، جو قدیم و جدید دونوں ہیں، اور الحمد للہ دونوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے، بالخصوص ڈاکٹر دوالیبی کی ''المدخل'' اور محمد ادیب صالح کی ''تفسیر النصوص'' اور جامعہ دمشق کے مذکرۂ اصول فقہ سے جو عم محترم مولانا سید اجتباء صاحب ندوی (جنھوں نے جامعہ میں چند سال تعلیم حاصل کی ہے اور آج کل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورۃ میں استاذ ہیں) کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے، اس لیے کہ یہ کتب سابقہ کتب کا تفصیلی جائزہ اور ان کے مباحث کا خلاصہ و نچوڑ ہیں۔

احقر کی یہ کاوش طلبہ و اہل علم کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے، اس کا اصل فیصلہ تو جب ہوگا جب کتاب شائع ہو کر ان شاء اللہ عام ہوگی، تاہم اس عرصہ میں غیر مطبوعہ مجموعہ کو دیکھ کر بھی جو ہمت افزائیاں ہوتی رہی ہیں، وہ احقر کے لیے کم باعث مسرت نہیں ہیں، اگر کتاب واقعتاً مفید ثابت ہو کر مستحق تحسین قرار پائے تو اس سے بڑھ کر احقر کی کیا سعادت ہوگی۔

غلطیوں کا ضرور امکان ہے، بلکہ ان کا صدور اغلب ہے، گزارش ہے کہ ان سے مطلع کیا جائے تاکہ ان کی اصلاح کی جاسکے۔

فقط

العبد محمد عبید اللہ الاسعدی

۱۹/۶/۱۴۰۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ.

أما بعد!

مقدمہ

باب اول : مبادیات فن۔

باب دوم : احکام۔

باب اول

مبادیات فن

۱-اصول فقہ کی تعریف۔ ۲-موضوع۔

۳-تشریح موضوع۔ ۴-وجہ انحصار۔

۵-غرض وفائدہ۔ ۶-ضرورت۔

۷-تاریخ۔ ۸-حنفی اصول فقہ کی قدیم واہم کتب۔

اصول فقہ

۱- اصول فقہ کی تعریف:

وہ قواعد جنہیں احکام شرعیہ کو ان کے تفصیلی دلائل سے استنباط کے لیے وسیلہ بنایا گیا ہو(۱)، اور انھیں قواعد کے جاننے کو"علم اصول فقہ" کہتے ہیں۔

۲- موضوع:

ادلۂ اربعہ یعنی چہار اصول، اس حیثیت سے کہ وہ احکام پر دلالت کریں اور ان سے احکام کا استنباط کیا جائے۔(۲)

۳- تشریح موضوع:

ادلۂ اربعہ سے قرآن مجید، سنت اور اجماع وقیاس مراد ہیں، جن میں سے کسی ایک سے شرعی دلائل کا تعلق اور شرعی احکام کا ماخوذ ہونا ضروری ہے، ورنہ ان کا اعتبار نہیں ہوتا۔

۴- انحصار دلائل در اصول اربعہ:

شرعی دلائل کا انھیں چاروں میں انحصار اور ان کی باہمی ترتیب کہ اگر قرآن مجید کی دلیل نہ ملے تو سنت کو دیکھا جائے، اس میں نہ مل سکے تو اجماع وقیاس کا سہارا لیا جائے، یہ نقل وعقل اور عمل تینوں سے ثابت ہے:

(الف) نقلاً قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے، ارشاد باری ہے:

"یاأیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی

---

(۱) فواتح الرحموت، ج/۱، ص/۱۴۔ (۲) ایضاً ص/۱۶۔

الأمـر مـنـكـم فـإن تنـازعتم فـي شـئ فـردوه إلـى اللّٰه والرسول" (۱)

(اے ایمان والو! اللہ کا کہنا مانو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف حوالہ کیا کرو)۔

یعنی آپ کی سنت کی طرف اس لیے کہ آپ کی وفات کے بعد ہی ممکن ہے۔(۲) اس آیت میں چار چیزیں مذکور ہیں، ہر ایک کا مصداق ترتیب وار چاروں دلیلیں ہیں۔(۳)

حدیث اس سلسلہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی بہت مشہور ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، ان سے دریافت فرمایا کہ قضاء کے کام کو کیسے کرو گے اور کن اصول کی بنیاد پر مقدمات کے فیصلے کرو گے، انھوں نے عرض کیا: "قرآن مجید سے حل کروں گا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر اس میں نہ ملے؟" انھوں نے عرض کیا: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تلاش کروں گا۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر اس میں بھی نہ ملے؟" عرض کیا: "اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جواب کو پسند فرما کر اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔(۴)

اجماع کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب قرآن وحدیث میں تمہیں کوئی حکم نہ مل سکے تو کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کیا کرو، بلکہ اہل علم مسلمانوں کو جمع

---

(۱) النساء/۵۹۔(۲) بیان القرآن۔(۳) روح المعانی ج/۵ ص/۶۷۔(۴) مشکوۃ ص/۳۲۴۔

کر کے مشورہ سے کوئی بات طے کرلیا کرو۔" (۱)

(ب) عملاً یہ انحصار یوں ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں جب قرآن مجید میں کوئی حکم نہ پاتے تو کبھی خود ہی فیصلہ فرما دیتے اور کبھی صحابہ سے مشورہ کرتے، اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کا یہی معمول رہا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو سب سے پہلے قرآن مجید میں اس کا حل تلاش کرتے، نہ ملتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے حل کرتے، ورنہ سب کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور کبھی خود اپنی یہی رائے کو اختیار کرتے اور دلیل سے اس کو ثابت کرتے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہی معمول رہا، بعد کے خلفاء یعنی حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم گزشتہ خلفاء کی آراء وفیصلوں کو بھی اختیار کرتے تھے اور یہی معمول حضرت ابن مسعود وابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی منقول ہے (۲) اور مسائل کے استنباط و تحقیق کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ وغیرہ سے بھی یہی ترتیب منقول ہے۔ (۳)

(ج) عقلاً یہ انحصار اس وجہ سے ہے کہ اصل یہ ہے کہ حکم شرعی کی دلیل وحی سے ثابت ہو لیکن کبھی وحی سے ثابت نہیں ہوتی، پھر وحی ہونے میں دو صورتیں ہوتی ہیں:

اول یہ کہ اس وحی کے الفاظ بھی اللہ کی جانب سے ہوں اور ان الفاظ کی تلاوت کی جاتی ہو، یعنی بطور عبادت ان کو پڑھا جاتا ہو، اس کا مصداق قرآن مجید ہے۔

دوم یہ کہ اس کے الفاظ اللہ کی جانب سے نہ ہوں کہ بطور عبادت ان کو پڑھا جائے، اس کا مصداق سنت ہے۔

اور غیر وحی کہ جس سے مراد عقل ورائے ہے، اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ وہ رائے اجتماعی ہو، سب کے اتفاق سے طے ہوتی ہو، اس کا مصداق اجماع ہے۔

---

(۱) المدخل ص/۳۳۳ ومجمع الزوائد، باب الاجماع۔ (۲) المدخل ص/۸۶-۸۸، تاریخ التشریع الاسلامی ص/۱۱۴۔ (۳) ایضاً ص/۲۳۲۔

دوم یہ کہ انفرادی یعنی کسی ایک فرد یا چند افراد کی ہو، اس کا مصداق قیاس ہے۔(۱)

۵-غرض وفائدہ:

شریعت کے احکام کو ان کے اجمالی دلائل کے ذریعہ جاننا اور احکام کے اجمالی دلائل سے واقف ہونا اور یہ چیز احکام شرع پر عمل کا ذریعہ بننے کی وجہ سے اخروی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔(۲)

۶-ضرورت:

ہم مسلمانوں کو شریعت کے احکام کا پابند بنایا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد احکام کا علم انھیں قواعد کے ذریعہ ہوسکتا ہے، اسی لیے جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ دور ہوتا گیا اور نئے نئے حالات ومعاملات سامنے آتے گئے، ان قواعد کی طرف توجہ اور ان کی ضرورت بڑھتی گئی، حتی کہ ان کی تدوین کی نوبت آئی(۳)، اور اسی لیے ان قواعد سے مدد لینے کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جبکہ قرآن مجید اور سنت رسول وصحابہ سے صراحت کے ساتھ کوئی حکم معلوم نہ ہوسکے۔(۴)

۷-تاریخ:

چونکہ دوسرے اسلامی علوم کی طرح اس علم کے اصول وقواعد کا بھی اصل سرچشمہ کتاب وسنت ہیں، اس لیے اس کے اصول وقواعد عہد نبوی سے ہی معروف ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ دن بہ دن ان میں وسعت ہوتی رہی اور قرآن وحدیث کی نصوص سے حضرات صحابہ اور بعد کے علماء مجتہدین ان کو نکھار نکھار کر پیش کرتے رہے، حتی کہ آج وہ سیکڑوں کتابوں اور ہزاروں صفحات واوراق میں محفوظ ہیں، ایک زمانہ

---

(۱) نور الانوار ص/۷۔ (۲) فواتح ج/۱ ص/۱۷۔ (۳) ابن قدامہ وآثارہ الاصولیہ ص/۱۷-۱۸۔
(۴) التوضیح والتلویح ص/۶۰۳۔

تک تو یہ قواعد صرف ذہنوں میں رہے، یا زبانوں پر آتے تھے، تحریر میں لانے کی نوبت حضرات ائمہ اربعہ کی کاوشوں کے نتیجہ میں آئی، ویسے سب سے پہلے ان کو لکھنے کا شرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے، جنھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اس سلسلہ کی چند اہم چیزیں لکھ کر بھیجی تھیں، ان کا یہ والا نامہ بہت مشہور ہے اور بعد کے فقہاء و مجتہدین نے اس کو بنیادی دستور قرار دیا ہے (۱) اور پھر مزید اصول وقواعد کا استنباط کیا ہے، کتابی صورت میں اولین مرتبین امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما صاحبان ہیں، لیکن ان کی تصنیف نایاب ہے، فن کی سب سے قدیم و معتمد اور مفید ترین کتاب جو دستیاب ہے وہ امام شافعی علیہ الرحمہ کی کتاب ''الرسالہ'' ہے۔ (۲)

۸- حنفی اصول فقہ کی قدیم واہم کتب:

کتب عیسیٰ بن امان (م-۲۲۰ھ)، کتب علی بن موسیٰ القمی (م-۳۰۵ھ)، اصول الشاشی (م-۳۳۵ھ)، کتاب ابو منصور ماتریدی (م-۳۳۳ھ)، اصول الکرخی (م-۳۴۰ھ)، اصول الجصاص (م-۳۷۰ھ) کتب ابوزید دبوسی (م-۴۳۰ھ)، کتب البزدوی (م-۴۸۲ھ)، اصول السرخسی (م-۴۹۰ھ)، اصول الصدر الشہید (م-۵۳۶ھ)، اصول السمرقندی (م-۵۴۰ھ)، التوضیح لصدر الشریعۃ (م-۷۴۷ھ)، التحریر لابن الہمام (م-۸۶۱ھ) (۳)، المنار للنسفی (م-۷۱۰ھ)، منتخب حسام الدین (م-۶۴۴ھ) مسلم الثبوت لمحب اللہ البہاری (م-۱۱۹۹ھ)، ان کتابوں میں سے اکثر کی کئی کئی شروح ہیں، جو خود بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

---

(۱) المدخل ص/۸۸۔ (۲) تاریخ التشریع ص/۲۲-۲۱۔ (۳) ابن قدامہ وآثارہ الاصولیہ۔ ص/۱۸-۳۲

باب دوم

احکام

مقدمہ۔

فصل اول: در بیان احکام تکلیفیہ۔

فصل دوم: در بیان احکام وضعیہ۔

مقدمہ

۱-تعریف حکم۔

۲-ارکان حکم۔

۳-اقسام حکم۔

۱-تعریف حکم:

اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو اور اس کے ذریعہ یا تو ان سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے، خواہ مطالبہ لازمی ہو یا غیر لازمی، یا کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا جائے، یا کسی چیز کی بابت کسی حکم کے ثبوت یا عدم ثبوت کے حق میں کسی اعتبار سے ذریعہ یا باعث ہونے کو بیان کیا جائے۔(☆)(۱)

۲-ارکان حکم:

حکم کے چار ارکان ہوتے ہیں:

۱-حاکم۔۲-محکوم علیہ۔۳-محکوم فیہ۔۴-محکوم بہ۔

(الف) حاکم:

حکم کرنے والا، جو احکام شرعیہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(ب) محکوم علیہ:

وہ ذات جس کو حکم دیا جائے، جس کا مصداق مکلّف انسان و جنات ہیں۔

(ج) محکوم فیہ:

وہ شے جس کی بابت حکم دیا جائے، یعنی مکلّف کا فعل خواہ کرنا ہو یا نہ کرنا۔

(د) محکوم بہ:

وہ وصف جس کا حکم لگایا جائے، یعنی وجوب، حرمت، استحباب و کراہت

(☆) حکم کی یہ تعریف اصولیین کے نزدیک ہے، فقہاء حکم کی تعریف بایں الفاظ کرتے ہیں: ''اعمال کے اوصاف جو دلائل سے ثابت ہوتے ہیں، جیسے وجوب و حرمت وغیرہ۔'' (التوضیح ص/۴۰، نور الانوار ص/۲۶۶)۔
اصولیین کی تعریف کے مطابق حکم کا مصداق احکام کے دلائل ہیں، اگر چہ بعد کی بحثوں میں اصولیین بھی لفظ حکم کو فقہاء کی اصطلاح کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، حسامی و نور الانوار وغیرہ کے مباحث احکام)۔

(۱) التوضیح ص/۳۶۔

وغیرہ (۱)، جس کو عام طور سے ''حکم'' کہتے ہیں۔

۳-اقسام حکم:

جیسا کہ حکم کی تعریف سے ظاہر ہے، حکم کی اصولاً دو اقسام ہیں.

اولؔ جس کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ یا اختیار ہو۔

دومؔ جو کسی حکم کے ثبوت یا عدم ثبوت کا باعث ہو۔

اول کو ''حکم تکلیفی'' اور دوم کو ''حکم وضعی'' کہتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) حکم کے مذکورہ چاروں ارکان اور ان کے مذکورہ عناوین احقر کو یکجا نہیں مل سکے، بلکہ ذیل کے حوالہ جات میں متفرق طور پر مذکور ہیں، احقر نے ان کو یکجا کر دیا ہے۔ فواتح ج/۱، ص/۲۴-۱۲۳، نوالانوار ص/۲۶۶، ارشاد ص/۱۱، مذکرہ اصول الفقہ لجامعہ دمشق۔ (۲) التوضیح ص/۳۶، نور ص/۲۶۶، حسامی ص/۱۲۱، اصول الخلاف ص/۹۶۔

نقشہ ۱

ضمیمہ ص ۲۳

تکلیف

- (۱) اہلیت وجوب
  - (۱) ناقص
  - (۲) کامل
- (۲) اہلیت ادار
  - (۱) ناقص
  - (۲) کامل

موانع تکلیف

موانع اختیاریہ

(۱) نشہ (۲) سفہ (۳) جہل (۴) ہزل (۵) اکراہ (۶) سفر

موانع غیراختیاریہ

(۱) جنون (۲) خبط الحواس (۳) بیہوشی (۴) صغرسنی (۵) مرض الموت (۶) موت (۷) غلامی (۸) نسیان (۹) حیض (۱۰) نفاس

فصل اول

احکام تکلیفیہ

مبحث اول

تکلیف و متعلقات تکلیف۔

مبحث دوم

احکام تکلیفیہ کی تعریف و تقسیمات۔

مبحث اول

تکلیف

۱-تعریف:

ایسے کام کا مطالبہ کرنا جس کے انجام دینے میں کچھ مشقت ہو۔(۱)

۲-ارکان تکلیف:

تین ہیں: ۱-مکلِّف ۔۲-مکلَّف ۔۳-مکلَّف بہ۔

(الف) مکلِّف: یعنی حاکم، ذات باری تعالیٰ۔

(ب) مکلَّف: یعنی محکوم علیہ۔

(ج) مکلّف بہ: یعنی محکوم فیہ۔

۳-غرض تکلیف:

دنیا و آخرت میں انسان کے احوال کا سدھارنا اور آخرت کے حق میں عذر کو ختم کر کے اتمام حجت کرنا۔(۲)

۴-شرائط تکلیف:

دو قسم کی ہیں:

(الف) مکلّف کے حق میں۔(ب) مکلّف بہ کے حق میں۔(۳)

---

(۱) مذکرہ اصول الفقہ لجامعہ دمشق۔(۲) ایضاً۔(۳) المدخل ص/۴۱۵، ۴۱۷۔

(الف) شرائط برائے مکلّف:

کا حاصل واصل یہ ہے کہ مکلّف تکلیف کا اہل ہو۔(۱)

اور اہلیت کی دو قسم ہیں: ۱- اہلیت وجوب۔ ۲- اہلیت اداء۔(۲)

۱- اہلیت وجوب:

(الف) تعریف:

انسان کے اندر حقوق کے وجوب کی صلاحیت کا پایا جانا۔

(ب) اقسام: دو ہیں: ناقص اور کامل۔

۱- ناقص:

خود اپنے حق میں وجوب کی صلاحیت رکھنا یعنی اس کا اہل ہو، تا کہ دوسروں پر حق ثابت ہو، مگر خود اس پر کسی کا حق ثابت نہ ہو، جیسے جنین یعنی بچہ جو رحم مادر میں ہو کہ دوسروں پر اس کے حقوق واجب ہوتے ہیں، وہ میراث و وصیت کا حقدار بنتا ہے، مگر خود اس پر کسی کا حق نہیں ثابت ہوتا۔

۲- کامل:

اپنے اوپر دوسروں کے حقوق اور دوسروں پر اپنے حقوق کے وجوب کی صلاحیت رکھنا، پیدائش کے بعد سے لے کر موت تک انسان کے اندر یہ صلاحیت پائی جاتی ہے، اس لیے وارث بھی ہوتا ہے اور مورث بھی بنتا ہے۔(۳)

۲- اہلیت اداء:

(الف) تعریف:

انسان کے اندر اس صلاحیت کا پایا جانا کہ اس سے صادر ہونے والے

---

(۱) المدخل ص/ ۱۷۱-۱۷۰۔ (۲) حسامی ص/ ۱۳۹، نور، ص/ ۲۸۳۔ (۳) ایضاً۔

افعال واقوال کا شریعت اعتبار کرلے اوران پر احکام مرتب ہوں۔(۱)

(ب) اقسام:

اس کی بھی دو اقسام ہیں: ناقص اور کامل۔

۱-ناقص:

صرف بعض افعال واقوال کے اعتبار کی صلاحیت رکھنا، یا یوں کہیے: صادر ہونے والے افعال واقوال کے اعتبار وافادہ کا دوسرے اہل عقل کی رائے پر موقوف ہونا، جیسے سمجھ دار بچہ کے مالی معاملات کہ ان کا اعتبار ہوتا ہے، ایسے ہی یہ کہ اس کے بعض معاملات ولی کی رائے واجازت پر موقوف ہوتے ہیں۔

۲-کامل:

تمام اقوال وافعال کے صدور کی صلاحیت رکھنا، بغیر اس کے کہ ان کا اعتبار وافادہ کسی دوسرے کی رائے واجازت پر موقوف ہو، جیسے بالغ وصحیح العقل انسان کے اقوال افعال۔(۲)(☆)

تنبیہ:

اصلاً تکلیف کا فائدہ اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جبکہ انسان تکلیف کی ہر دو اقسام یعنی اہلیت وجوب اور اہلیت اداء دونوں کے اعلیٰ درجہ کے ساتھ متصف ہو، اسی لیے عموماً مکلّف کے حق میں وہی شرائط ذکر کیے جاتے ہیں، جن کا اس حال میں اعتبار ہوتا ہے، ان میں اصل ومدار عقل ہے۔(۳)

---

(۱) قمر الاقمار، ص/۲۸۴۔(۲) حسامی ص/۱۴۰، نور ص/۲۸۴، فواتح ج/۱، ص/۱۵۶۔(۳) فواتح ج/۱، ص/۱۵۴، توضیح، ص/۶۴۲۔(☆) اہلیت اداء کا مدار عقل وبدن پر ہے، دونوں سے محروم وجوب کا اہل تو ہوسکتا ہے، مگر اداء کا نہیں اور جو دونوں سے متصف ہو، اس سے اہلیت اداء کا تعلق ہوتا ہے، البتہ اگر دونوں یعنی عقل وبدن کامل ہوں تو اس پر فرائض کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، اور اگر دونوں یا کسی ایک میں ایسا نقص وخلل ہو کہ شریعت اسے عذر قرار دیتی ہو تو اس کے ذمہ کسی فریضہ کی دائیگی کا وجوب نہیں ہوتا، ہاں کر لینے پر وہ فریضہ اس کی جانب سے صحیح اور ثواب کا موجب شمار ہوتا ہے، یعنی وہ صحت اداء کامل ہوتا ہے، جیسے بچوں کی نماز روزہ۔(حسامی ص/۴۰، نور/۲۸۴)۔

مزید جو چیزیں ذکر کی جاتی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

بالغ ہونا۔ دلیل تکلیف سے واقف ہونا (خواہ فی الحال واقفیت ہو، یا بعد میں اور خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، اسی طرح خواہ عربی زبان کے واسطے سے ہو یا کسی دوسری زبان کے ذریعہ)۔ مسلمان ہونا (فروعات یعنی اعمال کے حق میں، عقائد کے حق میں نہیں)۔ آزاد ہونا۔ مرد ہونا (بعض احکام کے حق میں)۔(۱)

(ب) شرائط برائے مکلّف بہ:

کا حاصل ہے مکلّف بہ کا لائق تکلیف ہونا، جس کے لیے چند امور ضروری ہیں: ۱- مکلّف بہ کا معلوم ہونا۔ ۲- محال نہ ہونا۔ ۳- بے انتہا دشوار نہ ہونا۔ (۲)(☆)

۵- موانع تکلیف (جنھیں عموماً عوارض سے تعبیر کیا کرتے ہیں):

(الف) تعریف:

وہ اوصاف جو کسی اعتبار سے اہلیت تکلیف پر اثر انداز ہوں۔ (۳) (اور عام اشخاص واحوال کے لیے شریعت نے جو احکام رکھے ہیں، ان میں تغیر کا باعث ہوں)۔

(ب) اقسام:

عوارض کی دو اقسام ہیں: ۱- اختیاری، ۲- غیر اختیاری۔

۱- اختیاری موانع (عوارض مکتسبہ):

وہ موانع جن کے پائے جانے میں خود انسان کا دخل ہو (۴)، اور وہ حسب ذیل ہیں:

---

(۱) مذکرہ۔ (۲) فواتح ج/۱/، ص/۱۲۳، ۱۴۳، ۱۶۱، ۱۶۸، ۱۶۹۔ (۳) قمر، ص/۲۸۲، نظامی، ص/۱۴۲۔
(۴) قمر، ص/۲۸۶، نظامی، ص/۱۴۲۔ (☆) محال نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امکان سے باہر نہ ہو اور دشوار نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امکان میں ہونے کے باوجود برداشت سے باہر ہو، یا یہ کہ اس کے کرنے میں عام اعمال کی انجام دہی سے زیادہ مشقت ہو، اس درجہ کہ اس کی ضروریات متاثر ہوں، اول جیسے حالت حیض ونفاس کی قضاء، دوم جیسے حالت سفر میں پوری نماز وروزہ۔ (مذکرہ، فواتح ج/۱، ص/۶۹-۱۶۸)۔

۱-نشہ۔۲-سفہ (لاابالا پن کہ عقل کے باوجود یہ خیال نہ کرنا کہ کیا کراور کیا کہہ رہا ہے اور کیا اور کہاں خرچ کرر ہا ہے۔۳-جہل۔۴-ہزل (مذاق کہ کسی کلام سے نہ تو حقیقی معنی مراد ہوں نہ مجازی، بطور ہنسی ودل لگی کے اس کو اختیار کیا جائے)۔ ۵-خطاء وغلطی (خلاف ارادہ کسی کام کا ہوجانا کہ آدمی چاہے کچھ اور ہوجائے کچھ)۔ ۶-اکراہ (زبردستی کرنا)۔۷-سفر۔

۲-غیر اختیاری موانع (عوارض سماویہ):

وہ موانع جن کے پائے جانے میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہوتا (۱)، اور وہ حسب ذیل ہیں:

۱-جنون (عقل کا نہ ہونا)۔۲-خبط الحواس (کہ کچھ اچھا کرے اور کچھ برا)۔ ۳-بے ہوشی۔۴-صغرسنی۔ ۵-مرض الموت (وہ مرض جس میں آدمی مرجائے یا حالت صحت میں کرنے والے کاموں سے عاجز ہوجائے)۔۶-موت۔۷-غلامی۔ ۸-نسیان۔۹-حیض۔۱۰-نفاس۔(۲)

۶-تاثیر موانع کے مواقع:

(الف) ان مواقع کا اعتبار ہر حال میں نہیں ہوتا بلکہ اس سلسلہ میں تفصیلات ہیں، جو بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔

(ب) ان کا اثر تکلیف کے حق میں مختلف انداز پر ہوتا ہے:

۱-بعض اہلیت وجوب واداء دونوں کو ختم کردیتے ہیں، جیسے موت۔

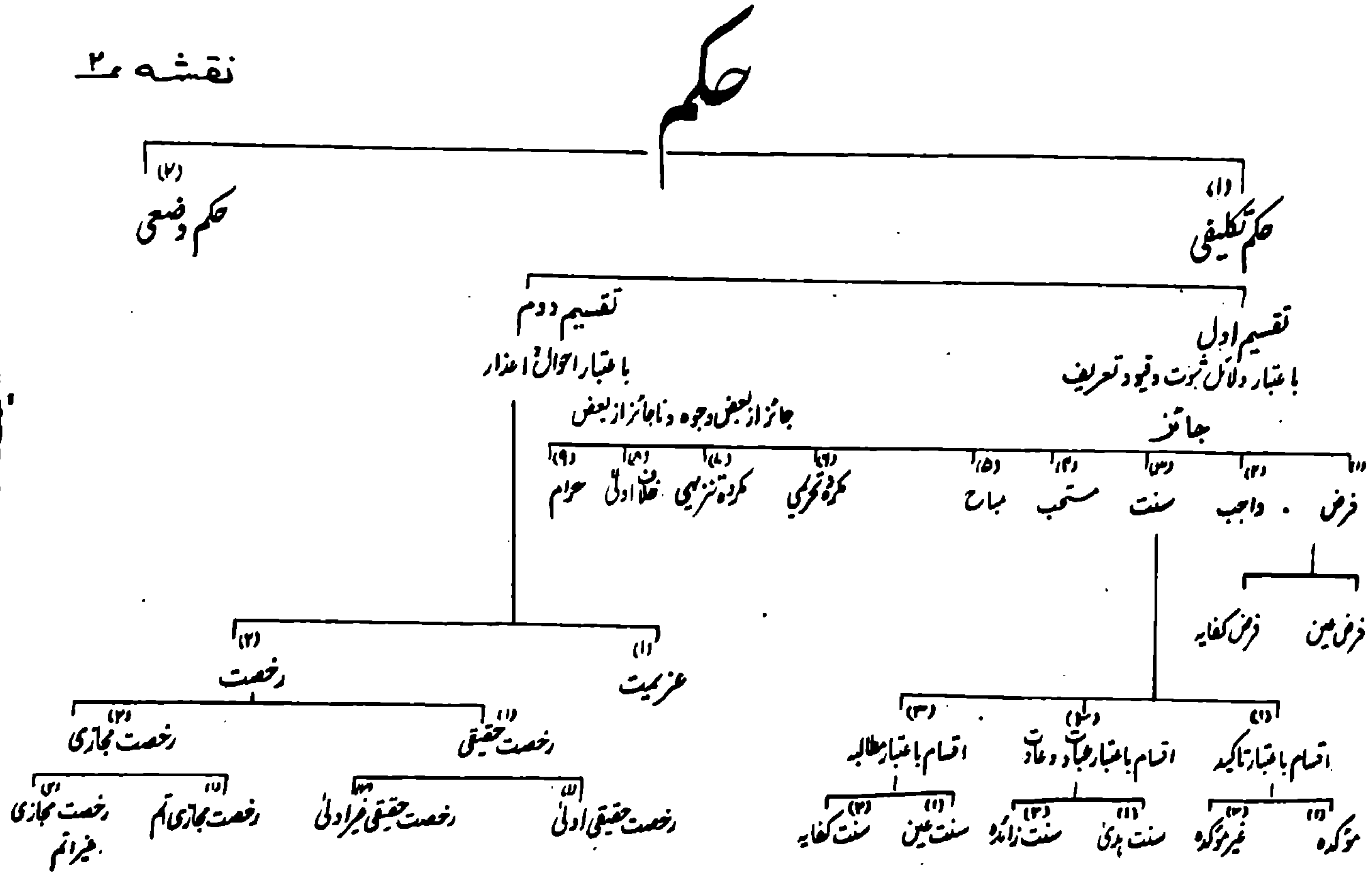
۲-بعض اہلیت اداء پر اثر انداز ہوتے ہیں جیسے جنون، عتہ، بے ہوشی۔

۳-بعض دونوں کے باقی رہتے ہوئے احکام میں تغیر کا باعث ہوتے ہیں، جیسے سفر۔(۳)

---

(۱) قمر، ص/۲۸۶، نظامی ص/۱۴۲۔ (۲) فواتح ص/۱۶۰-۱۷۷، کشف الاسرار، ج/۴، ص/۲۶۲-۳۲۹، التوضیح ص/۶۵۴-۶۹۰۔(۳) نظامی ص/۱۴۲۔

نقشه ۲



ضمیمه ص ۲۷

مبحث دوم

احکام تکلیفیہ

۱۔تعریف۔۲۔تقسیمات۔

۱۔تعریف:

وہ احکام جن کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے یا اختیار دیا جائے، مطالبہ خواہ لازمی ہو یا غیر لازمی۔(۱)

۲۔تقسیمات:

احکام تکلیفیہ میں دو تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) احکام تکلیفیہ کی تعریف میں ذکر کردہ قیود اور ثبوت احکام کے دلائل کے اعتبار سے۔

(ب) مکلفین کے احوال کے اعتبار سے۔(۲)

---

(۱) التوضیح ص/۳۶۔(۲) احقر نے دو ہی تقسیمات ذکر کی ہیں، فقہاء تیسری تقسیم ان احکام پر مرتب ہونے والے منافع کے پیش نظر جاری کرتے ہیں، اس اعتبار سے احکام کی چار اقسام ہیں: اول خالص حقوق اللہ۔ دوم خالص حقوق العباد۔ سوم دونوں کے جامع حق اللہ کے غلبہ کے ساتھ۔ چہارم دونوں کے جامع حق عبد کے ساتھ۔ اول جیسے نماز روزہ وغیرہ عبادات اور وہ امور جن کا نفع عام ہو، کسی ایک فرد سے متعلق نہ ہو۔ دوم جیسے وہ مالی معاملات جن کا نفع افراد کے ساتھ خاص نہ ہو۔ سوم جیسے حد قذف (کسی کو زنا کا جھوٹا الزام لگانے کی سزا)۔ چہارم جیسے قصاص، ان دونوں میں دونوں حقوق جمع ہیں، مگر اول میں اللہ کا حق غالب ہے، اور دوم میں بندے کا حق۔ اللہ کے خالص یا غالب ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندوں کی معافی سے ان معاملات کی سزا معاف نہیں ہوتی اور حق عبد کے خالص و غالب ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندوں کے معاف کردینے سے معافی ہوجاتی ہے، مزید تفصیلات بڑی کتابوں میں ملاحظہ فرمایئے۔(نور، ص/۲۶۶، حسامی مع نظامی ص/۱۲۱-۱۲۲)۔

(الف) تقسیم اول

احکام تکلیفیہ میں ذکر کردہ قیود اور ثبوت احکام کے دلائل کے اعتبار سے

احکام کی ۹/اقسام ہیں:

۱-فرض۔ ۲-واجب۔ ۳-سنت۔ ۴-مستحب۔ ۵-حرام۔

۶-مکروہ تحریمی۔ ۷-مکروہ تنزیہی۔ ۸-خلاف اولیٰ۔ ۹-مباح۔

۱-فرض (☆)

۱-تعریف:

جس کے ذکر کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل قطعی (۱) سے ثابت ہو۔ (۲)

---

(۱) کتاب وسنت سے ثابت ہر دلیل میں دو پہلو ہوتے ہیں: اول ان کا ثبوت، دوم ان کا مفہوم، جس کو دلالت سے تعبیر کرتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کی دو دو اقسام ہیں: قطعی اور ظنی۔ قطعی جس کی صحت میں کوئی شبہ نہ ہو، ظنی جس کی صحت میں شبہ ہو، ثبوت قطعی جو شبہ سے خالی ہو، ظنی ثبوت جس میں شبہ ہو، قطعی دلالت ومفہوم جو شبہ سے خالی ہو، یعنی اتفاقی ہو اور ظنی دلالت وہ مفہوم جس میں شبہ ہو یعنی اختلافی ہو، اس تفصیل کی بنیاد پر کتاب وسنت کے تمام دلائل کی چار اقسام ہیں: ۱-قطعی الثبوت قطعی الدلالہ۔ ۲-قطعی الثبوت ظنی الدلالہ۔ ۳-ظنی الثبوت ظنی الدلالہ۔ ۴-ظنی الثبوت قطعی الدلالہ۔ ۱-قطعی الثبوت قطعی الدلالہ: جس کا ثبوت اور مفہوم دونوں شبہ سے خالی ہوں، جیسے قرآن مجید کی وہ آیات اور وہ متواتر روایات جن کے مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یعنی ان کا مفہوم ایک اور متعین ہے۔ ۲-قطعی الثبوت ظنی الدلالہ: جس کا ثبوت شبہ سے خالی ہو، لیکن مفہوم میں اختلاف کی وجہ سے شبہ ہو، جیسے وہ آیات جن کے مفہوم کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ ۳-ظنی الثبوت ظنی الدلالہ: جس کے ثبوت اور مفہوم دونوں میں شبہ ہو، جیسے وہ غیر متواتر روایات جن کا مفہوم اتفاقی نہیں۔ ۴-ظنی الثبوت قطعی الدلالہ: جس کے ثبوت میں شبہ اور مفہوم شبہ سے خالی ہو، جیسے وہ غیر متواتر روایات جن کا مفہوم اتفاقی اور متعین ہے۔ (شامی ج/۱ص/۶۴) اول سے عموماً فرضیت وحرمت اور باقی سے وجوب وکراہت تحریمیہ کے قرائن ہوں تو ان کا سنیت اور کراہیت تنزیہیہ کے قرائن ہوں تو ان کا، ورنہ استحباب وخلاف اولیٰ کا ثبوت ہوتا ہے، کبھی اول سے بھی سنیت واستحباب اور کراہت تنزیہیہ وخلاف اولیٰ کا ثبوت ہوتا ہے، جیسے ان سے اباحت کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ (شامی ج/۱ص/۶۴، نور ص/۱۶۶)۔ (۲) فواتح ج/۱ص/۵۸، حسامی ص/۵۸۔ (☆) احکام تکلیفیہ کی ۹/اقسام اور ایک ہی موقع پر ان کا ذکر شاید احقر کی ہی جسارت ہے، اس لیے کہ کسی کتاب میں ساری اقسام یکجا نہیں مل سکیں، =

۲- حکم:

دل سے یقین اور بدن سے عمل ضروری، انکار کفر، بلا عذر چھوڑ نا فسق۔(۱)

۳- اقسام فرض: (☆)

دو ہیں: (الف) فرض عین۔ (ب) فرض کفایہ۔

(الف) فرض عین:

جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ ہر ایک سے ہو جیسے پنج وقتہ نمازیں۔

= عموماً فقہاء کے یہاں پانچ اقسام معروف ہیں (ارشاد ٦، روضۃ الناظر ١٦، العبادی ١٨، فواتح ج/١، ص/٥٧) اور بعض نے آٹھ (التوضیح ص/٦٠٩-٦١٢) ذکر کی ہیں، جنھوں نے تعریف کی قیود پر نظر رکھی ہے، انھوں نے پانچ اور جن لوگوں نے اس کے ساتھ ان دلائل کو بھی پیش نظر رکھا ہے، جن سے ان احکام کا ثبوت ہو، انھوں نے سات یا آٹھ ذکر کی ہیں، لیکن تحقیق نظر کے بعد کل اقسام ٩/ سامنے آتی ہیں، جیسا کہ علامہ شامی نے درمختار میں مختلف مواقع پر بحث کرتے ہوئے اقسام کی تصریح کی ہے۔ (ملاحظہ ہو جلد اول کے وہ مواقع جہاں احکام کی اقسام سے بحث کی گئی ہے)۔ احقر نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور تمام اقسام کو یکجا جمع کر دیا ہے، دوسری بات یہ کہ ان اقسام کی تعریفات بھی مختلف انداز پر کی گئی ہیں، بعض حضرات نے ان کے ثبوت کے دلائل کو مدار بنا کر تعریف کی ہے (نور، ص/١٦٦)، بعض نے تعریف کی قیود کو بنیاد بنایا ہے (فواتح ج/١، ص/٥٧) اور بعض نے دونوں کو جمع کر کے تعریف کی ہے اور تمام اقسام کے پیش نظر حقیقی تعریف یہی ہے۔ (التوضیح ص/٦٠٩-٦١٠، فواتح ج/١، ص/٥٨، حسامی ص/٥٨) احقر نے یہی تعریف اختیار کی ہے۔

(١) حسامی ص/ ٥٨، نور ص/ ١٦٦۔ (☆) فقہاء کے نزدیک فرض کا اطلاق مکمل فعل پر بھی ہوتا ہے، اور فعل کے ان ضروری اجزاء پر بھی کہ جن کے وجود پر فعل کا شرعی وجود موقوف ہوتا ہے، خواہ وہ اصل فعل سے پہلے کیے جائیں یا اس کے اندر، اگر اصل فعل سے پہلے ان کا کیا جانا ضروری ہو تو ''رکن'' کہتے ہیں، مثلاً پوری نماز کو بھی فرض کہتے ہیں اور اس کے شرعی وجود واعتبار کے لیے کیے جانے والے اعمال جو اس سے پہلے کیے جاتے ہیں جیسے طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ وغیرہ جن کو شرط کہتے ہیں اور جو اس کے اندر کیے جاتے ہیں، جیسے رکوع، سجدہ، قرأت وغیرہ، جن کو ارکان کہتے ہیں، ان سب کو بھی فرض کہتے ہیں (شامی ج/١، ص/ ٦٤، ٢٣٤، ٢٩٧) خواہ شبہ اس کے ثبوت میں ہو یعنی دلیل ظنی الثبوت ہو اس کے مفہوم میں یعنی دلیل ظنی الدلالہ ہو (نظامی ص/ ٥٨) مطلب یہ ہے کہ گزشتہ حواشی میں ذکر کردہ اقسام دلائل میں سے قسم دوم، سوم وچہارم سے اس کا ثبوت ہوتا ہے جبکہ ساتھ میں لزوم وجوب پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ موجود ہو، جو قولی بھی ہوتا ہے اور فعلی بھی، قولی قرینہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیدی الفاظ کے ساتھ اس کے کرنے کا حکم فرمایا ہو، اور فعلی یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پوری پابندی کے ساتھ کیا ہو، اور کبھی ترک نہ فرمایا ہو۔ (اصول الشاشی مع عمدۃ الحواشی ص/ ٣٤)۔

(ب) فرض کفایہ:
جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ پوری جماعت وبستی سے اس طور پر ہو کہ بعض افراد کرلیں تو سب سے مطالبہ ساقط ہوجائے، ورنہ سب کے سب گنہگار ہوں، جیسے نماز جنازہ۔(۱)

۲-واجب

۱-تعریف:
جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس سے کسی اعتبار سے شبہ ہو۔(۲)

۲-حکم:
ثبوت کے گمان غالب کے ساتھ بدن سے عمل ضروری، بغیر کسی تاویل کے انکار گمراہی، اور بغیر تاویل وعذر ترک فسق ہے۔(۳)

۳-امثلہ:
(الف) قربانی واجب ہے اور اس کا ثبوت آیت "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" سے ہے، جس کا ثبوت تو قطعی ہے، اس لیے کہ قرآنی آیت ہے، مگر مفہوم ظنی ہے، اس لیے کہ متفق علیہ نہیں ہے، دوسرا مفہوم بھی مراد لیا گیا ہے۔(۴)

(ب) نماز وتر واجب ہے، اس کا ثبوت غیر متواتر روایات سے ہے، جن کے ثبوت میں عدم تواتر کی بنا پر شبہ ہے، ہاں مفہوم شبہ سے خالی ہے، اور ساتھ ہی لزوم کا قرینہ موجود ہے، اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قولاً تاکید(۵)، دوم عملاً اس کی پابندی۔

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۶۲، شامی ج/۱، ص/۲۳۴۔ (۲) فواتح ج/۱، ص/۵۸، التوضیح ص/۶۰۹۔ (۳) نور مع قمر، ص/۱۶۶، حسامی ص/۵۸، التوضیح ص/۶۱۰۔ (۴) قمر الاقمار ص/۱۶۶۔ (۵) فتح القدیر ج/۱، ص/۳۷۰-۳۷۱، شامی ج/۱، ص/۴۴۶۔

۴-مصداق فرض وواجب:

کبھی واجب کا اطلاق فرض وواجب دونوں پر ہوتا ہے، جیسے کہ فرض کا لفظ دونوں کے لیے استعمال کرلیا جاتا ہے، اس صورت میں دونوں کے درمیان فرق یوں کیا جاتا ہے کہ فرض اصطلاحی کو اعتقادی فرض وواجب اور واجب اصطلاحی کو عملی فرض و واجب کہتے ہیں، اس لیے کہ اول کے لزوم کا دل سے یقین بھی ضروری ہے اور دوم پر صرف عمل ضروری ہے، یقین نہیں۔(۱)

۵-مقدمات فرض وواجب:

مقدمات فرض و واجب کا بھی وہی حکم ہے جو فرض و واجب کا، یعنی جن چیزوں پر کسی فرض وواجب کا پورا ہونا یا صحیح ہونا موقوف ہو، وہ بھی فرض وواجب قرار پاتی ہیں، جیسے نماز کے حق میں وضوء۔(۲)

۶-فرضیت ووجوب کے ثبوت کے ذرائع:

وجوب وفرضیت کا ثبوت محض فعل امر اصطلاحی پر موقوف نہیں ہے(۳) کہ اگر امر کی صورت میں مطالبہ ہوتو ان کا ثبوت ہو، ورنہ نہیں، بلکہ اس کے اصولی ذرائع تین ہیں:

(الف) وہ الفاظ جن کا لغوی مفہوم ہی لزوم کا ہے، جیسے فَرَضَ، وَجَبَ، أَوْجَبَ، كَتَبَ عَلَيْهِ، قَضىٰ.

(ب) وہ الفاظ جو صرفی ونحوی اعتبار سے لزوم کا مفہوم رکھتے ہیں، یعنی فعل امر، اسم، فعل بمعنی امر، مصدر قائم مقام فعل امر جیسے ارشاد باری "فَضَرْبَ الرِّقَابِ" (۴) کہ اس میں ضَرْب مصدر اِضْرِبُوا فعل امر کا قائم مقام ہے۔

---

(۱) فواتح، ج/۱،ص/۵۸، التوضیح ص/۶۱۰، شامی ج/۱،ص/۶۴، ۳۰۶، ۴۴۶۔ (۲) فواتح ج/۱،ص/۹۵۔
(۳) اصول الشاشی ص/۳۴۔ (۴) سورۂ محمد/۴۔

(ج) غیر فعل امر جبکہ فرضیت و وجوب کا تقاضا کرنے والے قرائن موجود ہوں، جیسے "وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ" (۱) (اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال دودھ پلائیں) (۲) اس میں یرضعن مضارع، امر کے معنی میں ہے۔

۳۔ سنت

۱۔ تعریف:

جس کے کرنے کا مطالبہ غیر لازمی اس طور پر ہو کہ کرنے کی تاکید ہو۔ (۳)

۲۔ حکم:

لزوم کے بغیر کرنے کی تاکید، کرنے والا مستحق تعریف وثواب، نہ کرنے والا مستحق ملامت وعتاب ہے، اور اگر اصرار کے ساتھ بغیر عذر ترک کرے تو مستحق عتاب اور اگر شعار کی حیثیت ہو تو ساری جماعت کے ترک کر دینے پر قتال واجب، جیسے اذان کہ وہ شعار اسلام ہے، اس کے ترک پر اسلامی حکومت میں قتال واجب ہے۔ (۴)

۳۔ مصداق سنت:

سنت کا مصداق وہ امور ہیں جن کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ

---

(۱) سورۂ بقرہ/۲۳۳۔ (۲) عمدۃ الحواشی ص/۳۴، قمر ۲۵، مذکرہ، تفسیر النصوص ج/۲، ص/۲۳۵۔ (۳) سنت کا ثبوت قطعیت وظنیت کے اعتبار سے دلائل کی چاروں اقسام سے ہوسکتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ قطعیت کے ساتھ سنت کا ثبوت اس وقت ہوتا ہے جبکہ کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو فرضیت و وجوب کے بجائے سنت کا تقاضا کرتا ہو، ایسے ہی ظنی دلائل سے اس کا ثبوت اس وقت ہوتا ہے جبکہ وجوب کے قرائن نہ پائے جائیں اور ساتھ ہی یہ کہ سنت کے قرائن موجود ہوں، جس کی تفصیل آگے ثبوت سنت کے ذرائع کے تحت آرہی ہے، سنت کا ثبوت دلیل کی قسم اول سے جیسے کہ خفین پر مسح، کہ اس کا ثبوت جن روایات سے ہے وہ قطعی الثبوت بھی ہیں، اس لیے کہ متواتر ہیں اور قطعی الدلالہ بھی اور مسواک کی سنیت کا ثبوت ایسی روایات سے ہے جو قطعی الثبوت تو نہیں لیکن قطعی الدلالہ ضرور ہیں، باقی دو اقسام سے ثبوت واضح ومعروف ہے۔ (۴) حسامی مع نظامی ص/۵۹، نور ص/۱۶۶، ۱۶۷، درمختار و شامی ج/۱، ص/۷۰، ۷۱، ۵۶۳۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہو(۱)، خواہ یہ ثبوت قولاً ہو یا فعلاً یا تقریراً (تقریر کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی کے سامنے کوئی کام کیا جائے یا علم میں لایا جائے اور وہ دیکھنے و جاننے پر خاموش رہیں)(۲)، کبھی سنت کا اطلاق واجب پر بھی ہو جاتا ہے۔(۳)

۴- اقسام سنت:

سنت کی دو اقسام ہیں: (الف) سنت ہدیٰ، (ب) سنت زائدہ۔

(الف) سنت ہدیٰ:

وہ امور جن کا ثبوت بطور عبادت اہتمام کے ساتھ ہو، اور وہ فرض و واجب کے حق میں مکمل یعنی ان کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے ہوں، جیسے اذان و اقامت جماعت وغیرہ، انھیں کو سنت مؤکدہ بھی کہتے ہیں اور سنت کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ اسی قسم کا ہے۔(۴)

(ب) سنت زائدہ:

وہ امور جن کا ثبوت یا تو بطور عادت ہو یعنی وہ افعال و اقوال جن کا تعلق عام انسانی زندگی اور بشری ضروریات و تقاضوں سے ہو، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا وغیرہ۔

یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بطور عبادت ہی کیا ہو، لیکن وہ فرض و

---

(۱) التوضیح ص/۶۱۰، نظامی ص/۵۹، نور، ص/۱۶۷۔ (۲) اسی لیے سنت کی مشہور و معروف تعریف ہے: ''وہ راستہ جسے دین میں اپنایا گیا ہو، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اسے اختیار کیا ہو۔'' اگرچہ یہ تعریف اصلاً سنت کی ایک ہی قسم یعنی ''سنت ہدیٰ'' پر ہی صادق آتی ہے (حسامی مع نظامی ص/۵۹، التوضیح ص/۶۰۹، نور ص/۱۶۷)۔ احقر نے جو تعریف ذکر کی ہے وہ دوسرے احکام یعنی فرض و واجب اور حرام و مکروہ وغیرہ کی رعایت میں اختیار کی ہے کہ ان کی تعریفات کے پیش نظر سنت اور مستحب کی تعریفات اسی انداز پر ہونی چاہئیں، اس فرق کی تصریح کے ساتھ کہ سنت کا مطالبہ تاکید کے ساتھ اور مستحب کا مطالبہ بغیر تاکید کے پسندیدگی کے ساتھ ہوتا ہے۔
(۳) شامی ج/۱، ص/۵۶۳۔ (۴) حسامی مع نظامی ص/۵۹، نور، قمر، ص/۱۶۷۔

واجب کے لیے تکمیل کا ذریعہ نہ ہوں اور پابندی کی وجہ سے عادت ہی کے درجہ میں ہو گئے ہوں، جیسے نماز کے اندر قرأت اور رکوع وسجدہ کو طویل کرنا۔(۱)

۵-مراتب ہر دو اقسام:

سنت زائدہ کا درجہ فضیلت میں سنت ہدیٰ سے کمتر ہے اور عمل کے حق میں مستحبات سے اوپر، اس لیے کہ سنت زائدہ وہ امور کہلاتے ہیں جن کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اہتمام کے ساتھ ہوتا ہو، لیکن بطور عادت، اور اگر بطور عبادت انھیں کیا ہو تو ان کی حیثیت سنت ہدیٰ کی نہیں ہوتی، اور مستحبات کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اہتمام کا ثبوت نہیں ہوتا، مزید یہ کہ سنت ہدیٰ کا ترک مکروہ تحریمی اور سنت زائدہ کا ترک مکروہ تنزیہی (۲) ہے، اور مستحب کا ترک نہ مکروہ تحریمی ہے اور نہ مکروہ تنزیہی۔

۶-اقسام سنت مؤکدہ:

سنت ہدیٰ (جس کا دوسرا نام سنت مؤکدہ ہے) اس کی بھی دو اقسام ہیں:

(الف) سنت مؤکدہ علی العین۔ (ب) سنت مؤکدہ علی الکفایہ۔

(الف) سنت مؤکدہ علی العین:

جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ تاکید کے ساتھ ہر ایک سے ہو، جیسے پنج وقتہ نماز کی جماعت، تراویح کی نماز۔(۳)

(ب) سنت مؤکدہ علی الکفایہ:

جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ تاکید کے ساتھ پوری جماعت سے ہو، اس طور پر کہ بعض کے کر لینے پر پوری جماعت گرفت سے بری قرار پائے، ورنہ پوری

---

(۱) التوضیح ص/۶۱۰، نور، ص/۱۶۷، حسامی ص/۵۹، شامی ج/۱، ص/۷۰۔ (۲) شامی ج/۱، ص/۷۰، ۴۳۹۔

(۳) شامی ج/۱، ص/۷۰، ۷۱۔

جماعت مستحق گرفت وملامت ہو، جیسے تراویح کی جماعت اور رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف۔(۱)

۷-ثبوت سنت کے ذرائع:

سنت کے ثبوت کے ذرائع دو ہیں: (الف) قولی۔(ب) فعلی۔

(الف) قولی:

یہ ہے کہ اس کے کرنے کا مطالبہ کسی ایسے قرینہ کے ساتھ ہو جو وجوب کے مراد نہ لینے پر دلالت کرتا ہو، یا ایسی تاکید کے ساتھ ہو جو وجوب کی تاکید سے کمتر ہو۔

(ب) فعلی:

یہ کہ کبھی بغیر عذر اس کو چھوڑنے کے ساتھ اکثر و بیشتر پابندی سے اس کے کرنے کا اہتمام کیا گیا ہو، یا پابندی سے کرنے کا ارادہ کیا گیا ہو، مگر کسی عذر کی وجہ سے پابندی نہ کی گئی ہو، اور اگر کبھی ترک نہ کیا ہو تو نہ کرنے پر انکار نہ کیا ہو۔(۲)

۴-مستحب

۱-تعریف:

جس کے کرنے کا غیر لازمی مطالبہ تاکید کے بغیر، پسندیدگی کے ساتھ ہو۔(۳)

۲-دیگر عناوین:

مستحب کے لیے دیگر چند عناوین بھی استعمال ہوتے ہیں، یعنی مندوب، نفل، ادب، تطوع، فضیلت، جیسے کہ کبھی نفل و مستحب سے سنت و مستحب دونوں کو یا صرف سنت کو مراد لیتے ہیں، اور جیسے کہ کبھی لفظ سنت کا اطلاق بھی مستحب پر کر دیتے ہیں۔(۴)

---

(۱) شامی ج/۱، ص/۲۶۱،۳۷۲،۴۷۲۔ (۲) شامی ج/۱، ص/۰۷،۷۱، فتح القدیر ج/۱، ص/۴۰۷، قمر، ص/۱۴۷۔
(۳) خواہ اس کا ثبوت قطعیت وظنیت کے اعتبار سے چاروں اقسام میں سے کسی قسم کی دلیل سے ہو، اس لیے کہ اس کا ثبوت ہر قسم کی دلیل سے ہو سکتا ہے۔(۴) درمختار وشامی ج/۱، ص/۰۷-۸۴، ۵۵۷۔

۳-ذرائع ثبوت وبیان:

مستحب کا ثبوت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہوتا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وجوب اور سنیت سے مانع قرائن موجود ہوں، قولاً یوں کہ اس کا مطالبہ تاکید کے ساتھ نہ ہو، اور عملاً یوں کہ اس کو کبھی کبھی یا بغیر پابندی کے کیا گیا ہو۔(۱)

اوپر جو عناوین ذکر کیے گئے ہیں، ان عناوین اور ان کے مادوں سے مأخوذ کسی کلمہ کے علاوہ متاخرین کے نزدیک لفظ "ینبغی" اکثر مستحب کے لیے لایا جاتا ہے، جیسے کہ کبھی کبھی لفظ "لا بأس" سے بھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔(۲)

۴-حکم:

کرنا باعث ثواب اور نہ کرنے پر کوئی ملامت وگرفت نہیں۔(۳)

۵-وجوب سنت ومستحب:

جب کسی سنت یا مستحب کو شروع کرایا جائے تو اس کا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے، اگر درمیان سے اسے چھوڑ دیا جائے تو قضا واجب ہوگی۔(۴)

۶-انکارِ سنت ومستحب:

اگر سنت یا مستحب کا ثبوت ہر قسم کے شبہ سے خالی دلیل سے ہو تو اس کا انکار کفر ہے(۵)، مثلاً ارشاد باری "وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ" جو کہ قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالۃ بھی، اس میں بعض معاملات میں دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ حکم استحبابی ہے۔

---

(۱) شامی ج/۲، ص/۸۴، قمر، ص/۱۶۷۔ (۲) مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص/۱۵، شامی ج/۱، ص/۸۱۔ (۳) حسامی ص/۶۰، نور، ص/۱۶۸، شامی ج/۱، ص/۸۴۔ (۴) حسامی ص/۶۰، نور، ص/۱۶۷، التوضیح ص/۶۱۱۔ (۵) شرح مسلم للخیر آبادی ص/۱۰۸، شامی ج/۱، ص/۳۱۸۔

۵-حرام

۱-تعریف:

جس کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو۔(۱)

۲-حکم:

دل سے ممانعت کا یقین اور عمل میں احتراز ضروری، انکار کفر، چھوڑنا موجب تعریف وثواب، بلا عذر کرنا موجب مذمت وعقاب۔(۲)

۳-امثلہ:

زنا، چوری، قتل۔

۴-اقسام:

حرام کی دو اقسام ہیں: (الف) حرام لعینہ. (ب) حرام لغیرہ.

(الف) حرام لعینہ:

وہ شے حرام جس کی حرمت خود اس کی ذات میں پائے جانے والے کسی وصف کی وجہ سے ہو، جیسے شراب، مردار، کہ ان کا پینا و کھانا خود ان دونوں کے اندر پائے جانے والے اوصاف کی وجہ سے حرام ہے۔

(ب) حرام لغیرہ:

وہ شے حرام جس کی حرمت خارجی کسی چیز کی وجہ سے ہو، جیسے غیر کے مال کا استعمال کہ نفس مال اپنے اندر کوئی ایسا وصف نہیں رکھتا کہ جس کی وجہ سے اس کا

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۵۵، التوضیح ص/۶۰۹۔ (۲) التوضیح ص/۶۱۱، فواتح ج/۱، ص/۵۸، شرح مسلم ص/۱۰۸، حکم کی مذکورہ تفصیلات میں سے بعض مذکورہ حوالہ جات میں موجود ہیں، باقی امور ''فرض'' کا مقابل ہونے کی رعایت میں لکھے گئے ہیں۔

استعمال حرام ہو، بلکہ اس کی حرمت مالک کی اجازت کے بغیر اس کے استعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔(۱)

۵-مواقع حرمت:

ان امور کے علاوہ جن کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو، حسب ذیل مواقع کے لیے بھی حرمت کا حکم ہے:

(الف) کسی فرض کا ترک جبکہ بالمقابل پہلو ایک ہی ہو، جیسے ایمان کا ترک کہ اس کا بالمقابل پہلو ایک ہی ہے یعنی کفر۔

(ب) کسی فرض کا ترک جبکہ بالمقابل پہلو ایک نہ ہو لیکن دوسرے کام کے کرنے کی وجہ سے فرض رہ جائے۔(۲)

۶-مکروہ تحریمی

۱-تعریف:

جس کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کسی اعتبار سے شبہ ہو۔(۳)

۲-حکم:

ممانعت کے گمان غالب کے ساتھ عمل میں احتراز ضروری، بغیر کسی تاویل انکار گمراہی اور کرنا موجب مذمت وعقاب۔(۴)

۳-مثال:

کالا خضاب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے اور وعید بھی ذکر فرمائی ہے۔(۵)

---

(۱) التوضیح ص/۶۱۱-۶۱۲۔ (۲) کشف ج/۲، ص/۳۲۸-۳۳۱، التوضیح ص/۴۵۹، فواتح ج/۱، ص/۹۹۔
(۳) فواتح ج/۱، ص/۵۸، التوضیح ص/۶۱۱۔ (۴) ایضاً۔ (۵) مشکوۃ ص/۳۸۰، ۳۸۳۔

۴-مواقع کراہت تحریمی:

ان امور کے علاوہ جن کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل غیر قطعی سے ثابت ہو، حسب ذیل صورتوں کے لیے بھی کراہت تحریمیہ کا حکم ہے:

(الف) فرض کا ترک جبکہ اس کا مقابل پہلو ایک ہی نہ ہو اور فرض کو چھوڑ کر کیا جانے والا عمل فرض کے فوت ہونے کا ذریعہ نہ بنے۔

(ب) واجب کا ترک۔ (ج) سنت مؤکدہ کا ترک۔

(د) سنت و مستحب میں سے کسی کو عملاً یا اعتقاداً ان کے درجہ سے بڑھا دینا، مثلاً انھیں فرض یا واجب کا درجہ دینا، مثلاً سنت غیر مؤکدہ کو سنت مؤکدہ سمجھنا۔

(ہ) اس مباح کا کرنا جو عوام کے اعتقاد کے فساد کا ذریعہ بنے۔(۱)

۵-مصداق کراہت مطلقہ:

اگر کسی موقع پر لفظ کراہت کو مطلقاً استعمال کیا جائے تو عموماً کراہت تحریمیہ ہی مراد ہوتی ہے۔(۲)

۶-مقدمات حرام ومکروہ تحریمی:

حرام ومکروہ تحریمی کے مقدمات یعنی وہ امور جو ان تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں، وہ بھی حکماً حرام ومکروہ تحریمی قرار پاتے ہیں (۳) جیسے اجنبی عورت کے جسم کو شہوت سے چھونا دیکھنا۔

۷-حرمت وکراہت تحریمیہ کے ثبوت کے ذرائع:

(الف) وہ الفاظ جو لغۃً حرمت وممانعت پر دلالت کرتے ہیں، جیسے منع، نہی، حرّم، عدم حل وغیرہ۔

---

(۱) کشف ج/۲، ص/۳۱، ۳۲۸، فواتح ج/۱، ص/۹۵، ۹۸، شامی ج/۱، ص/۸۹، ۴۲۹، ۴۳۹، ۴۴۷۔
(۲) شامی ج/۱، ص/۱۵۰، ۴۲۹۔ (۳) فواتح ج/۱، ص/۹۶۔

(ب) وہ الفاظ جو صیغۂ ممانعت پر دلالت کرتے ہیں یعنی فعل نہی۔

(ج) کسی چیز سے بچنے و دور رہنے کا حکم تاکید کے ساتھ۔

(د) کسی کام کے کرنے پر دھمکی اور وعید کا ذکر۔(۱)

۷-مکروہ تنزیہی

۱-تعریف:

جس کے نہ کرنے کا مطالبہ غیر لازمی اور تاکید کے ساتھ ہو۔(۲)

۲-حکم:

ترک موجب تعریف وثواب اور کرنا موجب ملامت وعتاب۔(۳)

۳-مثال:

بے وضو اذان کہنا۔

۴-کراہت تنزیہیہ کے مواقع:

ان امور کے علاوہ جن کے نہ کرنے کا مطالبہ غیر لازمی تاکید کے ساتھ ہو۔

حسب ذیل صورتیں بھی کراہت تنزیہیہ کے تحت آتی ہیں:

(الف) جس کام کے کرنے میں کسی سنت کا ترک ہو۔

(ب) سنت غیر مؤکدہ کا ترک۔(۴)

۵-مصداق کراہت:

مکروہ کا اطلاق کبھی حرام پر بھی ہوتا ہے، جیسے کہ مکروہ تحریمی وتنزیہی دونوں پر ہوتا ہے، البتہ حرام اور تنزیہی کے لیے قید کے بغیر کم لایا جاتا ہے، اسی لیے جب بغیر

---

(۱) مذکرہ۔ (۲) یہ تعریف دوسری تعریفات کی رعایت اور تقابل کی بناء پر کی گئی ہے۔ (۳) التوضیح ص/۶۱۲، شامی ج/۵، ص/۲۱۴۔ (۴) شامی ج/۱، ص/۴۲۹، ۴۳۹۔

کسی قید کے لایا جائے اور قرینہ بھی نہ ہو تو عموماً مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے، پھر بھی اس توسع استعمال کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دلیل دیکھ لینی چاہیے۔(۱)

۶-دیگر تعبیر:

مکروہ تنزیہی کے لیے اس معروف تعبیر کے علاوہ کبھی لفظ خلاف اولیٰ بھی لایا جاتا ہے۔(۲)

۷-ذرائع ثبوت:

تین ہیں: (الف) مادہ کرہ و کراھۃ کا استعمال۔

(ب) ممانعت، جبکہ ساتھ میں ایسا قرینہ موجود ہو جو حرمت سے مانع ہو۔

(ج) ناگواری کے ساتھ نکیر وانکار۔(۳)

۸-خلاف اولیٰ (☆)

۱-تعریف:

جس کے کرنے میں قباحت کا ذکر ہو۔(۴)

۲-حکم:

ترک بہتر و باعث ثواب اور کرنا خلاف بہتر، لیکن نہ باعث عقاب اور نہ باعث ملامت وعتاب۔(۵)

۳-مثال:

نماز چاشت کا ترک۔

---

(۱) شامی ج/۱، ص ۸۹، ۱۵۰۔ (۲) ایضا، ج/۱، ص/۸۴، ۱۸۹۔ (۳) مذکرہ۔ (۴) شامی ج/۱، ص/۴۳۹۔

(۵) مستحب کے تقابل کا یہی تقاضہ ہے۔ (☆) خلاف اولیٰ مستحب کا مقابل ہے، اس لیے اس کی تعریف یوں ہونی چاہیے تھی کہ جس کے نہ کرنے کا غیر لازمی مطالبہ تاکید کے بغیر ہو، مگر چونکہ اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں ہوتی، اس لیے مذکورہ بالا تعریف اختیار کی گئی ہے۔

۴-مصداق عدم اولویت:

ان امور کے علاوہ جن کے متعلق کسی دلیل سے یہ ثابت ہو کہ ان کا کرنا بھی نہیں ہے، مستحبات کا ترک بھی خلاف اولیٰ ہے۔(۱)

۵-تعبیر:

خلاف اولیٰ کے لیے مذکورہ تعبیر کے علاوہ اکثر لفظ "لا بـــــأس" استعمال ہوتا ہے۔(۲)

۹-مباح

۱-تعریف:

جس کے کرنے، نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔(۳)

۲-حکم:

کرنا، نہ کرنا دونوں برابر، نہ کسی میں ثواب، نہ کسی میں ملامت اور نہ عقاب و عتاب۔(۴)

۳-مثال:

عام انسانی ضروریات، کھانا پینا اور پہننا اوڑھنا وغیرہ۔

۴-ذرائع ثبوت:

حرج، گناہ، تنگی کی نفی و انکار، حلت کا بیان، سابق حالت یعنی شریعت کا سکوت، امر جبکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ موجود ہو، جو اباحت پر دلالت کرتا ہو۔(۵)

---

(۱) شامی ج/۱،ص/۸۴،۴۳۹۔ (۲) ایضاح ج/۱،ص/۸۱۔ (۳) فواتح ج/۱،ص/۵۷، التوضیح ۶۱۰۔ (۴) شامی ج/۵،ص/۲۱۴۔ (۵) مذکرہ۔

۵-مباح کا استحباب اور وجوب وحرمت:

مباح کا اصل حکم تو وہی ہے جو ذکر کیا گیا، البتہ دوسرے احوال کی بنا پر مباح کو استحباب یا وجوب کا حکم دیا جاتا ہے:

(الف) اگر کسی طاعت میں مدد کی نیت سے یا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سمجھ کر کیا جائے تو مستحب اور باعث ثواب قرار پاتا ہے۔(۱)

(ب) اگر معصیت کا ذریعہ بنے تو جس درجہ کی معصیت ہو، اس اعتبار سے ممنوع قرار پاتا ہے۔(۲)

(ج) اگر فساد عوام کا باعث بنے تو مکروہ تحریمی قرار پاتا ہے۔(۳)

(د) اگر اس کے ساتھ حرام کا معاملہ کیا جانے لگے تو واجب ہو جاتا ہے۔(۴)

۶-انکار مباح:

جس مباح کا ثبوت کسی دلیل قطعی سے ہو، اس کا انکار کفر ہے۔(۵)(☆)

---

(۱) مذکرہ۔(۲) فواتح ج/۱،ص/۹۶۔(۳) شامی ج/۱،ص/۵۲۴۔(۴) فی الفواتح "المباح قد یصیر واجباً" ج/۱،ص/۱۱۴۔(۵) شرح مسلم ص/۱۰۸۔(☆) مذکورہ اقسام میں سے بعض اقسام کے تحت فقہاء نے خاص طور سے ان کے انکار کے مسئلہ کا ذکر کیا ہے جو عموماً فرض و واجب اور حرام و مکروہ تحریمی تک محدود ہے کہ فرض و حرام کا انکار کفر ہے، اور واجب و مکروہ تحریمی کا اگر بغیر کسی تاویل کے ہو تو فسق ہے اور اگر کسی تاویل کی بناء پر ہو کہ منکر، ان کے حق میں کوئی دوسرا خیال رکھتا ہو تو فسق نہیں۔ احقر نے یہ مسئلہ "سنت و مستحب" کے تحت بھی ذکر کیا ہے اور از روئے اصول "مباح" کے تحت بھی آتا ہے، اس لیے کہ یہ اصول ہے کہ ہر وہ چیز جس کا ثبوت کسی دلیل قطعی سے ہو اور عوام و خواص سب اس امر کی مشروعیت اور امور دینیہ میں سے ہونے سے واقف ہوں، اس کا انکار کفر ہے، اگرچہ حکماً سنت یا مستحب بلکہ مباح کیوں نہ ہو، اس لیے کہ سنت اور مستحب اور مباح کا ثبوت دلیل قطعی سے بھی ہوتا ہے، مستحب کی مثال گزر چکی ہے، مباح جیسے احرام نہ ہونے کی صورت میں شکار کہ اس کی اباحت آیت "وإذا حللتم فاصطادوا" سے ثابت ہے، جو ہر اعتبار سے قطعی ہے، البتہ واجب کے انکار پر کفر کا حکم نہیں لگتا، اس لیے کہ اس کا ثبوت کسی ایسی دلیل سے ہوتا ہے جس میں کسی اعتبار سے شبہ ہو، باقی یہ طے شدہ ہے کہ کسی حکم مشروع کا ترک استخفاف یعنی اس کی بے وقعتی کے طور پر ہو تو کفر کا حکم ہوتا ہے اور چونکہ قاعدہ یہ ذکر کیا گیا کہ جب کسی ایسے خاص حکم شرعی کا انکار کیا جائے، جس سے خاص و عام سب واقف ہوں تو کفر کا حکم لگتا ہے، اس لیے بعض حضرات نے "وتر" جو کہ حکماً واجب ہے اور صلاۃ عیدین کے انکار پر بھی اس کا تذکرہ کیا ہے =

(ب)

احکام تکلیفیہ کی تقسیم دوم

(باعتبار احوال مکلفین)

مکلفین اصولاً دو قسم کے حالات سے دوچار ہوتے ہیں:

ایک عام حالات جن سے عموماً سب کا اپنی روزمرہ کی زندگی میں سابقہ رہتا ہے۔

دوسرے مخصوص حالات یعنی عوارض و اعذار جن سے کسی کسی کا یا کبھی کبھی واسطہ پڑتا ہے۔

ان حالات کے اعتبار سے احکام تکلیفیہ کی دو اقسام ہیں:

(الف) عزیمت۔ (ب) رخصت۔

(الف) عزیمت:

۱-تعریف:

وہ احکام جو عام انسانوں کے لیے ان کے عام حالات کے اعتبار سے ہوں

= (شامی ج/۱، ص/۴۷-۴۴۶)۔ جواز و عدم جواز اکثر کسی کام کرنے کی شرعی اجازت کو "جواز" اور عدم اجازت کو "عدم جواز" سے تعبیر کرتے ہیں، مذکورہ اقسام کی نسبت سے یہ دونوں لفظ عام ہیں، اس لیے کہ عدم جواز کا اطلاق نہ کرنے کا مطالبہ ہونے کی ہر صورت پر اور جواز کا حرام کو چھوڑ کر باقی تمام اقسام پر اطلاق ہوتا ہے، اس لیے کہ باقی تمام اقسام میں کسی نہ کسی درجہ کی گنجائش و اجازت ہے، نیز جو چیز شرعاً منع نہ ہو یا شرعاً و عقلاً دونوں قسم کی ممانعت کے پہلو اس میں برابر ہوں یا جواز و عدم جواز مشکوک ہو، ان صورتوں پر بھی جواز کا اطلاق ہوتا ہے (فواتح ج/۱، ص/۱۰۳، ۱۰۴، شامی ج/۱، ص/۷۲)۔

(یعنی جن کی بنیاد عوارض واعذار پر نہ ہو)۔(۱)

(ب) رخصت:

۱-تعریف:

وہ احکام جو مخصوص احوال اور عوارض واعذار کی بنا پر مخصوص افراد سے متعلق ہوں۔(۲)

۲-اقسام:

رخصت کی خصوصی اقسام دو ہیں:

(الف) رخصت حقیقی۔(ب) رخصت مجازی۔

اور ان میں سے ہر ایک کی دو دو اقسام ہیں، یوں رخصت کی کل چار اقسام ہوتی ہیں:

(الف) رخصت حقیقی اولیٰ۔(ب) رخصت حقیقی غیر اولیٰ،

(ج) رخصت مجازی اتم۔(د) رخصت مجازی غیر اتم۔

(الف) رخصت حقیقی اولیٰ: (یعنی جس کو حقیقی رخصت کہنا زیادہ بہتر ہے)

۱-تعریف:

وہ امور جنھیں دلیل حرمت اور حرمت دونوں کے پائے جانے کے باوجود مباح قرار دیا گیا ہے۔

۲-حکم:

عزیمت پر عمل کرنا اولیٰ وبہتر ہے، اگرچہ عزیمت پر عمل کرنے میں جان چلی جائے۔

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۱۱۶و۱۱۷، التوضیح ص/۶۱۲، مذکرہ، حسامی ص/۵۷، نور، ص/۱۶۵۔ (۲) فواتح ج/۱، ص/۱۱۶، التوضیح ص/۶۱۳، نور، ص/۱۶۵۔

۳-مثال:

جن مومن کو کلمۂ کفر زبان سے نکالنے پر جان لے لینے یا کسی عضو کو تلف کردینے کی دھمکی دی جائے، اس کا زبان سے کلمۂ کفر نکالنا، یہ مباح ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ زبان سے کلمۂ کفر نہ کہا جائے اگرچہ جان چلی جائے۔

(ب) رخصت حقیقی غیر اولیٰ: (جس کو حقیقی رخصت کہنا اولیٰ نہیں ہے)

۱-تعریف:

وہ امور جن کو دلیل کے ہوتے ہوئے حکم کے مؤخر ہونے کی وجہ سے مباح قرار دیا گیا ہے۔

۲-حکم:

عزیمت پر عمل بہتر ہے، بشرطیکہ ضیاع جان کا باعث نہ بنے ورنہ عزیمت پر عمل جائز نہ ہوگا۔

۳-مثال:

مریض و مسافر کے حق میں روزہ، کہ رمضان فرضیت کا سبب موجود ہوتا ہے، مگر ان کے حق میں عذر سفر و مرض کی وجہ سے فرضیت مؤخر ہوتی ہے حتی کہ جب سفر و مرض ختم ہوجائے اور قضا کا موقع ملے تو ان پر ادائیگی فرض ہوتی ہے، لیکن ان کے حق میں روزہ رکھنا ہی بہتر ہے، بشرطیکہ اس کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ رخصت پر عمل جائز نہ ہوگا۔

(ج) رخصت مجازی اتم:

۱-تعریف:

وہ امور جن میں مجازاً رخصت ہونے کی شان بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے، حقیقتاً

رخصت نہیں ہوتے، اس لیے کہ ان کی مشروعیت کسی کے حق میں باقی نہیں رہ جاتی۔

۲-حکم:

رخصت پر عمل ہوگا، اس لیے کہ عزیمت شروع ہی نہیں رہ گئی۔

۳-مثال:

گزشتہ شریعتوں کے وہ تمام احکام جو امت محمدیہ کے حق میں منسوخ کر دیئے گئے، جیسے مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز کا جائز نہ ہونا ہمارے حق میں منسوخ ہو چکا ہے۔

(د) رخصت مجازی غیر اتم: (☆)

۱-تعریف:

وہ امور جو بعض اشخاص و معاملات کے حق میں مشروع اور بعض اشخاص و معاملات کے حق میں غیر مشروع ہیں۔

۲-حکم:

جن کے حق میں رخصت ہے، ان کا رخصت ہی پر عمل کرنا لازم ہے۔

۳-مثال:

قصر نماز مسافر کے لیے، مردار کا کھانا مجبور و مضطر کے لیے۔(۱)

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۱۸-۱۱۶، التوضیح ص/۱۵-۶۱۳، نور، ص/۷۳-۱۶۸، حسامی ص/۶۵-۶۱۔

(☆) پہلی دو قسموں کو رخصت حقیقی اس لیے کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں عزیمت کی مشروعیت باقی رہتی ہے، اور ان میں پہلی ''اولیٰ'' کہلاتی ہے کہ اس میں مطلقاً عزیمت پر عمل بہتر ہے اور دوسری ''غیر اولیٰ'' اس لیے کہ اگر جان کے ضیاع کا خوف نہ ہو تو عزیمت پر عمل بہتر، ورنہ رخصت پر عمل ضروری ہوتا ہے، اور بعد کی دو قسموں کو رخصت مجازی اس لیے کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں عزیمت کا پہلو مشروع نہیں رہ جاتا، پہلی میں ہر ایک کے حق میں اسی لیے اس کو ''اتم'' کہا گیا ہے اور دوسری میں ان لوگوں کے حق میں جن کے لیے رخصت رکھی گئی ہے، اس لیے اس کو ''غیر اتم'' کہا گیا ہے۔

فصل دوم

احکام وضعیہ (☆)

۱-تعریف حکم وضعی:

وہ امر جس کو کسی حکم تکلیفی کے اثبات یا نفی کے لیے باعث و داعی قرار دیا جائے۔

۲-اقسام:

پانچ ہیں: چار باعتبار اثبات اور ایک باعتبار نفی:

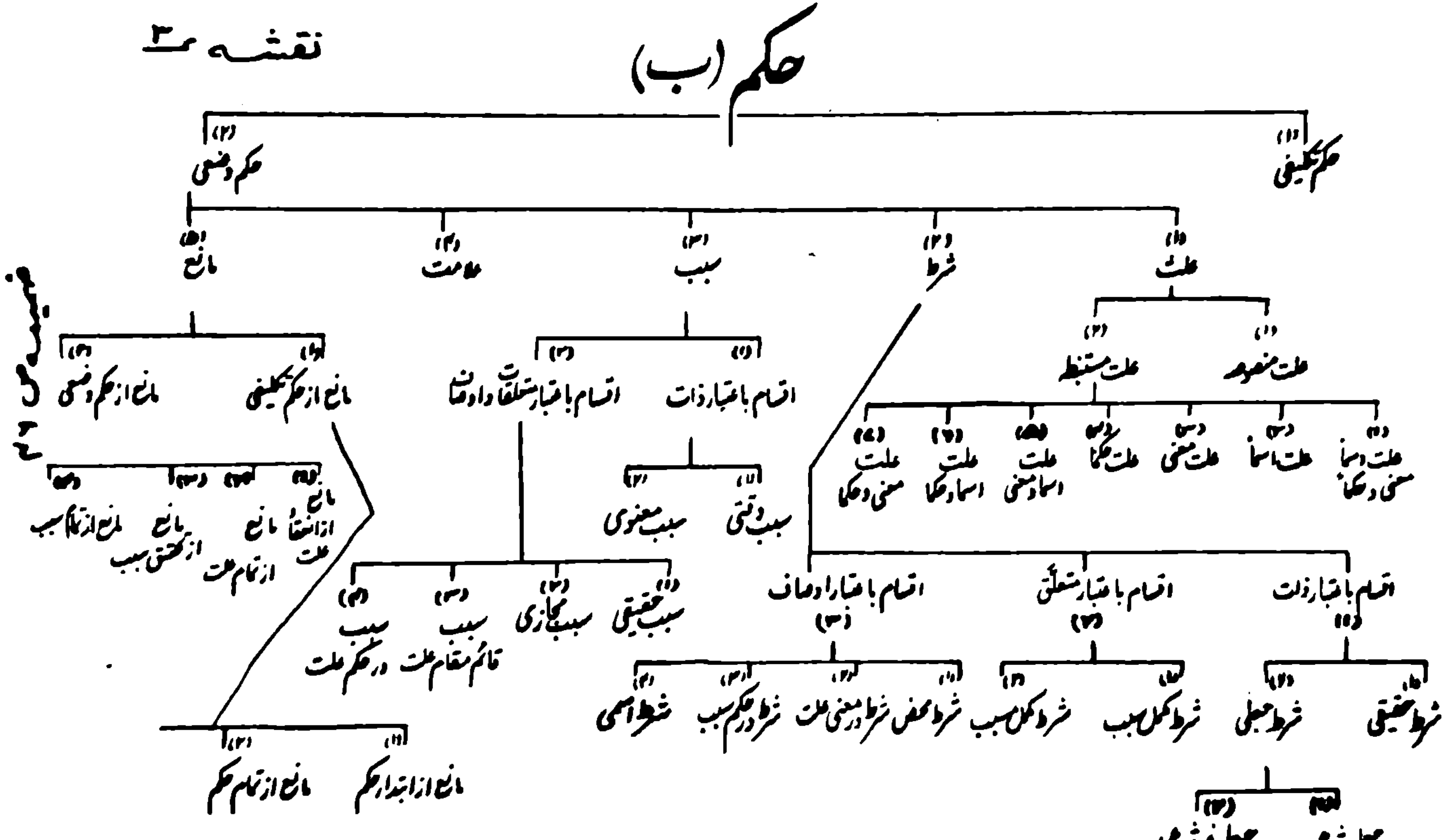
(الف) علت۔ (ب) سبب۔ (ج) شرط۔ (د) علامت۔ (ہ) مانع۔(۱)

---

(۱) التوضیح ص/۳۶و۳۱۶، فواتح ج/۱، ص/۵۴و۶۱، حسامی ص/۱۲۵، نور، ص/۲۷۰۔

(☆) احکام تکلیفیہ اور احکام وضعیہ کے درمیان فرق چند وجہوں سے ہے: اول یہ کہ احکام تکلیفیہ کا مقصد بندوں کو ان احکام کا مکلف بنانا ہوتا ہے، خواہ کرنے یا نہ کرنے کا اور خواہ اختیار کا، اور احکام وضعیہ میں محض سبب و مسبب اور شرط و مشروط وغیرہ کے درمیان ربط و تعلق کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ حکم تکلیفی بندوں کے زیر قدرت ہوتا ہے اور ان سے اس کا حصول و وجود مطلوب ہوتا ہے، اور حکم وضعی میں یہ ضروری نہیں ہے، وہ یا تو زیر قدرت ہی نہیں ہوتا ہے جیسے زوال شمس وغیرہ اور اگر زیر قدرت ہوتا ہے تو وجود مطلوب نہیں ہوتا جیسے وجوب زکوٰۃ کے لیے بقدر نصاب مال کہ بقدر نصاب مال کا جمع کرنا قدرت میں تو ہے مگر یہ مطلوب نہیں کہ بندے اتنا مال جمع کریں تا کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو (اصول الخلاف ص/۱۰۳)۔ سوم یہ کہ حکم تکلیفی کے لیے کسی حکم وضعی کا ہونا ضروری ہے لیکن حکم وضعی کے لیے مکلف ہونا ضروری نہیں جیسے بچہ کی حرکات و افعال تکلیف سے تو خالی ہوتے ہیں کہ بچہ مکلف نہیں ہوتا لیکن وضع سے خالی نہیں ہوتے، چنانچہ ان پر بعض احکام مرتب ہوتے ہیں۔ چہارم حکم وضعی کسی فعل کا جزء نہیں ہوتا بلکہ اصل فعل سے باہر ہوتا ہے اور حکم تکلیفی فعل کا جزء بھی ہوتا ہے، جیسے نماز ایک فریضہ ہے اور اس کے اعمال ''احکام تکلیفیہ'' کی مختلف اقسام کے تحت آتے ہیں، اور نماز کی فرضیت کا سبب جو کہ ''وقت'' ہے، وہ اعمال نماز میں شامل نہیں، یعنی نماز کا جزء نہیں ہے۔

نقشہ ۳



حکم (ب)
(۱) حکم تکلیفی
(۲) حکم وضعی
(۱) علت
(۲) شرط
(۳) سبب
(۴) علامت
(۵) مانع
(۱) علت منصوصہ
(۲) علت مستنبطہ
(۱) علت وصفاً معنی وحکماً
(۲) علت اسماً
(۳) علت معنیً
(۴) علت حکماً
(۵) علت اسماً ومعنیً
(۶) علت اسماً وحکماً
(۷) علت معنیً وحکماً
(۱) اقسام باعتبار ذات
(۲) اقسام باعتبار متعلق
(۳) اقسام باعتبار اوصاف
(۱) شرط حقیقی
(۲) شرط جعلی
(۱) جعلی شرعی
(۲) جعلی غیر شرعی
(۱) شرط کمل سبب
(۲) شرط کمل سبب
(۱) شرط محض
(۲) شرط در معنی علت
(۳) شرط در حکم سبب
(۴) شرط اسمی
(۱) اقسام باعتبار ذات
(۲) اقسام باعتبار متعلقات واوصاف
(۱) سبب وقتی
(۲) سبب معنوی
(۱) سبب حقیقی
(۲) سبب مجازی
(۳) سبب قائم مقام علت
(۴) سبب در حکم علت
(۱) مانع از حکم تکلیفی
(۲) مانع از حکم وضعی
(۱) مانع از انعقاد علت
(۲) مانع از تمام علت
(۳) مانع از تحقق سبب
(۴) مانع از کمال سبب
(۱) مانع از ابتداء حکم
(۲) مانع از تمام حکم
ضمیمہ ص ۴۶

(الف) علت

۱۔تعریف:

(الف) لغوی: ایسا وصف جس کی وجہ سے کسی چیز کی اصلی حالت میں تغیر پیدا ہو، اور نقص لاحق ہو، اسی لیے "بیماری اور خلل اور نقص" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے(۱)، جمع علل آتی ہے۔

(ب) اصطلاحی: کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اس کے وجود میں مؤثر ہو۔(۲)

یعنی ایسا وصف کہ جو کسی عمل کا جز نہ ہو بلکہ اس سے باہر ہو، لیکن جب وہ وصف پایا جائے تو وہ حکم ضرور پایا جائے اور اگر وہ وصف نہ پایا جائے تو یہ ضروری نہ ہو کہ وہ حکم بھی نہ پایا جائے، اس لیے کہ ایک معلول وحکم کی ایک سے زائد بھی علتیں ہوسکتی ہیں، لہٰذا اگر ایک موجود نہ ہو تو دوسری موجود ہوسکتی ہے۔(۳)

۲۔حکم:

معلول وحکم کا اس پر مرتب ہونا، یعنی علت کے پائے جانے پر حکم کا پایا جانا اور علت کے مرتکب کا قابل مواخذہ ہونا۔

۳۔مثال:

(الف) بیع ملکیت کی علت ہے، لیکن بیع کے بغیر بھی ملکیت ثابت ہوسکتی ہے۔

(ب) قتل قصاص کی علت ہے(۴) اس لیے قاتل گرفت کا مستحق ہوتا ہے۔

۴۔اقسام ودیگر تفصیلات:

مزید تفصیلات انشاء اللہ قیاس کی بحث میں آئیں گی، اس لیے کہ علت،

---

(۱) نظامی ص/۱۲۷، ارشاد، ص/۲۰۶۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۳۰۴۔ (۳) فواتح ج/۲، ص/۲۷۰، ۲۸۲، والتوضیح ص/۳۱۹۔ (۴) حسامی ص/۱۲۸، نور، ص/۲۷۳۔

قیاس کا بنیادی رکن ہے، یہاں تو یہ ذہن نشین کرلیں کہ علت کی اپنی ذات وحقیقت کے اعتبار سے سات اقسام ہیں، ہر ایک سے متعلق تفصیلات واحکام ہیں، جن کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے۔

(ب) سبب

۱-تعریف

(الف) لغوی: کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ و وسیلہ، اسی لیے راستہ رسی اور سیڑھی وغیرہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے(۱)، جمع اسباب۔

(ب) اصطلاحی: کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اس حکم تک پہنچانے کا کسی طرح ذریعہ بنے۔

لیکن نہ تو اس وصف کی طرف حکم کے وجوب کی نسبت ہو اور نہ اس کے وجود کی۔

۲-حکم:

اس پر کوئی مواخذہ وگرفت نہیں۔

۳-مثال:

چور کو کسی کے مال کا پتہ بتانا، جس کے نتیجہ میں وہ اسے چرا لے، تو اس چوری کا سبب، خبر دینے والے کا خبر دینا ہے، اور محض ایسی خبر کوئی جرم اور قابل گرفت و مواخذہ حرکت نہیں ہے، اس لیے کہ صرف خبر نہ تو چوری کے لیے موجب ہوتی ہے اور نہ موجد، بلکہ اس خبر کے بعد چور اپنے ارادے سے چوری کیا کرتا ہے۔(۲)

۴-اقسام:

سبب میں دو تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

---

(۱) نظامی ص/۱۲۵۔ (۲) حسامی مع نظامی ص/۱۲۵، نور ص/۱۷۰، فواتح ج/۲، ص/۳۰۵۔

(الف) سبب کی ذات کے اعتبار سے۔

(ب) سبب کے اوصاف ومتعلقات کے اعتبار سے۔

(الف) اقسام باعتبار ذات:

دو ہیں: ۱- سبب وقتی۔ ۲- سبب معنوی۔ (☆)

۱- سبب وقتی:

کسی وقت کا کسی حکم کے لیے سبب ہونا جیسے اوقات نماز نماز کے لیے اور رمضان روزوں کے لیے۔

۲- سبب معنوی:

کسی معنوی امر کا کسی حکم کے لیے سبب ہونا، جیسے نصاب کا مالک ہونا، وجوب زکوٰۃ کے لیے۔

(ب) اقسام باعتبار اوصاف:

چار ہیں: ۱- سبب حقیقی۔ ۲- سبب مجازی۔ ۳- سبب در حکم علت۔ ۴- سبب قائم مقام علت۔

ان میں سے آخری دو کا حکم علت (۱) کا حکم ہے یعنی ان کے پائے جانے پر

(☆) فواتح ج/۱، ص/٦١۔ (۱) سبب وعلت کے درمیان فرق: (الف) اکثر حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ علت بلاواسطہ اثر انداز ہوتی ہے اور سبب کا اثر بالواسطہ ہوتا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر سبب حکم (یعنی مسبب) تک پہنچنے کا محض راستہ و ذریعہ ہوتا ہے، ورنہ حکم کا وجود اس کی علت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے جو حکم وسبب کے درمیان ضروری ہوتی ہے، مثلاً خریدنا باندی کے جسم کی ملکیت کا ذریعہ ہے اور اگر وہ مسلمان یا کتابیہ ہو تو اس سے مخصوص فائدہ اٹھانے کی ملکیت کا بھی اول کے حق میں خریدنا علت ہے، اس لیے کہ خریدنا اس کے لیے بلاواسطہ مؤثر ہے اور دوم کے حق میں سبب ہے کہ اس کے لیے مؤثر بالواسطہ ہے، اس لیے کہ مخصوص انتفاع کی ملکیت جسم وذات کی ملکیت کے واسطے سے ہوتی ہے (نور، ص/۲۷۳)۔ (ب) یوں بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی مؤثر وصف اور اس کے حکم کے درمیان تعلق از روئے عقل سمجھ میں آتا ہو، تو وصف کو "علت" اور حکم کو "معلول" کہتے ہیں، اور اگر یہ تعلق عقلاً سمجھ میں نہ آتا ہو تو وصف کو سبب اور حکم کو "مسبب" کہتے ہیں جیسے نماز کے حق میں وقت سبب ہے، اس لیے کہ دونوں کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا اور خریدنا ملکیت کی علت ہے، اس لیے کہ دونوں کا ربط وتعلق سمجھ میں آتا ہے۔ (ج) بعض حضرات دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے (المصادر الشرعیہ ص/۵۰)۔

حکم مرتب ہوتا ہے اور مرتکب مستحق مواخذہ و گرفت ہوتا ہے اور قسم دوم پر بھی کوئی مانع نہ پائے جانے کی صورت میں حکم مرتب ہوتا ہے، اور قسم اول پر نہیں ہوتا، اوپر جو تعریف اور حکم و مثال مذکور ہے وہ قسم اول ہی سے متعلق ہے۔(۱)

(ج) شرط

۱۔تعریف:

(الف) لغوی: علامت اور لازمی علامت (۲)، جمع شروط۔

(ب) اصطلاحی: کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی کہ جس پر اس حکم کا وجود موقوف ہو۔(۳)

بایں معنیٰ کہ حکم اسی وقت پایا جائے جب وہ وصف پایا جائے اور جب وہ وصف نہ پایا جائے تو وہ حکم بھی نہ پایا جائے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جب کبھی وصف پایا جائے تو حکم بھی پایا جائے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ جو چیز حکم کے وجوب میں مؤثر ہے وہ موجود نہ ہو۔

۲۔حکم:

وصف مذکور کے پائے جانے پر حکم مذکور کا پایا جانا۔

۳۔مثال:

سال کا گزرنا وجوب زکوٰۃ کے لیے، کہ زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جبکہ بقدر نصاب مال پر سال گزر جائے اور اگر سال نہ گزرے تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی اور سال گزر جائے لیکن مال بقدر نصاب نہ ہو تو بھی فرض نہ ہوگی، اس لیے کہ بقدر نصاب مال زکوۃ کے وجوب کے لیے مؤثر ہوتا ہے اور وہ اس صورت میں موجود نہیں۔

(۱) حسامی ص/۱۲۵-۱۲۷، نور، ص/۲۷۰-۲۷۳، التوضیح ص/۶۲۶-۶۳۳۔ (۲) نظامی ص/۱۳۲، شامی ج/۱، ص/۵۹۔ (۳) فواتح ج/۲، ص/۳۰۴۔

۴-اقسام:

شرط میں تین تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) ذات شرط کے اعتبار سے۔ (ب) متعلق شرط کے اعتبار سے۔

(ج) اوصاف شرط کے اعتبار سے۔

(الف) تقسیم اول باعتبار ذات:

شرط کی اس کی ذات وحقیقت کے اعتبار سے دو اقسام ہیں:

۱-شرط حقیقی۔ ۲-شرط جعلی۔

۱-شرط حقیقی:

وہ شرط جو فطری وغیر اختیاری ہو، جیسے علم کے لیے زندگی۔

۲-شرط جعلی:

وہ شرط ہے جو فطری نہ ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

جعلی شرعی اور جعلی غیر شرعی۔

(الف) جعلی شرعی:

وہ غیر فطری شرط جسے شارع نے تجویز کیا ہو، جیسے نکاح کے حق میں گواہ۔

(ب) جعلی غیر شرعی:

وہ غیر فطری شرط جسے انسان اپنائیں۔(۱)

(ب) تقسیم دوم باعتبار متعلق:

شرط کا جس چیز سے تعلق ہوتا ہے یعنی جس چیز کے لیے اس کا اعتبار ہوتا ہے، اس کے لحاظ سے بھی شرط کی دو اقسام ہیں:

---

(۱) فواتح، ج/۱، ص/۶۱، مذکرہ، ص/۲۱-۲۲، درمختار وشامی ج/۱، ص/۵۹، ان میں سے اول احکام وضعیہ میں سے ہے، اس لیے کہ یہ احکام تکلیفیہ کی داعی و باعث بنتی ہے اور دوسری کا تعلق احکام تکلیفیہ سے ہے۔

۱-شرط مکمل سبب۔ ۲-شرط مکمل مسبب۔

۱-شرط مکمل سبب:

وہ شرط ہے جو سبب کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر اس کے حکم کے ظہور کا ذریعہ بنے، جیسے نصاب کی ملکیت وجوب زکوٰۃ کا سبب ہے اور اس کے لیے سال کا گزرنا شرط ہے۔

۲-شرط مکمل مسبب:

وہ شرط جو مسبب یعنی سبب پر مرتب ہونے والے حکم کو مکمل کرے جیسے نماز کے لیے طہارت، کہ نماز مسبب ہے اور اس کی تکمیل طہارت پر موقوف ہے۔

اول کو "شرط وجوب" سے اور دوم کو "شرط صحت" سے تعبیر کرتے ہیں۔(۱)

(ج) تقسیم سوم باعتبار اوصاف:

شرط کے اوصاف کے اعتبار سے شرط کی چار اقسام ہیں:

۱-شرط محض۔ ۲-شرط در معنی علت۔ ۳-شرط در حکم سبب۔ ۴-شرط اسمی۔

ان میں سے پہلی شرط حقیقی ہے اور تعریف و مثال کا تعلق اسی سے ہے، یہ علت و سبب کے درجہ میں نہیں ہوتی بلکہ علت کا مؤثر ہونا اس پر موقوف ہوتا ہے، دوسری علت کے حکم میں اور تیسری "سبب" کے حکم میں ہوتی ہے اور چوتھی قسم کو محض ظاہر و نام کے اعتبار سے شرط کہہ دیا جاتا ہے، ورنہ اس کا پہلی تینوں اقسام میں سے کسی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، جیسے کسی چیز کے لیے دو شرطیں قرار دی جائیں تو اس شے کا وجود محض ایک کے پائے جانے پر موقوف نہیں ہوتا، بلکہ جب دوسری پائی جاتی ہے تب وہ پائی جاتی ہے، دوسری شرط حقیقی ہوتی ہے اور پہلا شرط رسمی یعنی نام کی اور ظاہری۔(۲)

---

(۱) مذکرہ۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۳۰۶ تا ۳۰۸، التوضیح ص/۶۳۱-۶۳۳، حسامی ص/۱۳۲-۱۳۵، نور، ص/۲۷۸-۲۷۹۔

(د) علامت

۱- تعریف:

کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اس حکم کے جاننے کا ذریعہ ہو۔(۱) لیکن نہ تو وہ اس حکم کے وجود میں مؤثر ہو، اور نہ وجوب میں اور نہ ہی اس پر حکم موقوف ہو، بس یہ کہ اس کے ذریعہ اس حکم کو جانا جائے۔

۲- حکم:

اس وصف کے پائے جانے پر اس حکم کا جاری ہونا جس کے لیے اسے علامت قرار دیا گیا ہو۔

۳- مثال:

(الف) نماز کے اوقات کی علامات جن سے وقت کی آمد یعنی نماز کے سبب وجوب کو جانا جاتا ہے۔

(ب) زنا کی صورت میں سنگساری کی سزا کے لیے احصان یعنی محصن ہونا (جس کا مطلب ہے زانی کا آزاد، مسلمان اور عاقل بالغ نیز شادی شدہ ہونا) کہ یہ اس زانی کی سزا کے لیے علامت ہے۔(۲)

---

(۱) (الف) اکثر حضرات نے مثال مذکور کو شرط کی پانچویں قسم شرط بدرجہ علامت کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، انھوں نے شرط کی پانچ اقسام قرار دی ہیں، بقول صاحب فواتح سرخسی و بزدوی کے علاوہ متقدمین ومتاخرین کا یہی مذہب ہے (فواتح ج/۲ ص/۳۰۹، التوضیح ص/۶۳۳، حسامی ص/۱۳۵، نور، ص/۲۷۹)۔ (ب) اصلاً حکم کی نسبت علت کی طرف ہوتی ہے، اگر چہ علت العلہ کی طرف کیوں نہ ہو اور اگر یہ کسی طرح ممکن نہ ہو تو سبب محض کی طرف ہوتی ہے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو شرط کی طرف ہوتی ہے۔ (ج) حکم علت کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ علت موجد و مؤثر ہوتی ہے اور سبب کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور شرط کے بعد وجود میں آتا ہے اور علامت سے پہچانا جاتا ہے، مثلاً نماز کی علت ارشاد باری "اقیموا الصلاۃ" ہے اور وقت اس کا سبب ہے، طہارت اس کی شرط ہے اور اعمال علامات ہیں (اصول وعمدہ ص/۱۰۶) (۲) فواتح ج/۲، ص/۳۰۴، التوضیح ص/۶۳۳، حسامی ص/۱۳۵، نور، ص/۳۸۰۔

(ہ) مانع

ا-تعریف:

(الف) لغوی: روکنے والا، جمع موانع۔

(ب) اصطلاحی: کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اس کو وجود میں آنے سے روکے۔

یعنی اس کا پایا جانا اس حکم کے عدم وجود میں مؤثر ہو، اور نہ پائے جانے پر نہ تو حکم کا وجود ضروری ہو، نہ عدم وجود۔

۲-حکم:

وصف مذکور کے پائے جانے کی صورت میں اس سے متعلق حکم کا نہ پایا جانا۔

۳-اقسام:

دو ہیں: (الف) مانع از حکم وضعی۔ (ب) مانع از حکم تکلیفی۔

(الف) مانع از حکم وضعی:

ا-تعریف:

وہ مانع جو کسی حکم وضعی کے وجود کو روکے۔

۲-صورتیں:

اس کی چار ہیں: (الف) انعقاد علت سے مانع۔ (ب) تمام علت سے مانع۔ (ج) تحقیق سبب سے مانع۔ (د) تمام سبب سے مانع۔

(الف) انعقادِ علت سے مانع:

ایسا وصف جو علت کی علیت کو روکے یعنی اس کو علت نہ بننے دے، جیسے آزاد

شخص کو بیچنا، کہ اس کی آزادی، بیع جو کہ ملکیت کی علت ہے، اس کے انعقاد سے مانع ہوتی ہے، لہٰذا بیع منعقد نہیں ہوتی۔

(ب) تمامِ علت سے مانع:

وہ وصف جو علت کو تامّ و مکمل ہونے سے روکے، جیسے غیر کی ملکیت کا بیچنا، کہ اس صورت میں بیع منعقد تو ہو جاتی ہے، اس لیے کہ جو مال بیچا جا رہا ہے اسے بیچا جا سکتا ہے، لیکن بیع تامّ و مکمل نہیں ہوتی، اس لیے کہ مالک کی اجازت کے بغیر ہوتی ہے۔

(ج) تحقیق سبب سے مانع:

ایسا وصف جو سبب کو سبب بننے سے روکے، جیسے نصاب، وجوب زکوٰۃ کا سبب ہے، لیکن اگر صاحب نصاب پر بقدر نصاب یا اس سے کچھ کم قرض ہو تو قرض نصاب کو اس کے حق میں وجوب زکوٰۃ کا سبب بننے سے روک دیتا ہے، اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

(د) تمامِ سبب سے مانع:

ایسا وصف جو سبب کے وجود کے بعد اس کے تامّ و مکمل ہونے سے مانع ہو، جیسے نصاب کا سال پورے ہونے سے پہلے ضائع ہو جانا، سبب یعنی نصاب کے ہوتے ہوئے اس کو مکمل ہونے سے روک دیتا ہے۔

(ب) مانع از حکم تکلیفی:

۱-تعریف:

وہ مانع جو کسی حکم تکلیفی کے وجود کو روکے۔

۲-اقسام:

تین ہیں: (الف) مانع از ابتداءِ حکم۔ (ب) مانع از تمام حکم۔
(ج) مانع از لزوم و دوام حکم۔

(الف) مانع از ابتداء حکم:

ایسا وصف جو سرے سے حکم کے ترتب کو روکے جیسے خیار شرط کے ساتھ بیع کہ اختیار حکم بیع یعنی ملکیت کے ترتب کو روَکتا ہے۔

(ب) مانع از تمام حکم:

وہ وصف جو حکم کے وجود کے بعد اس کے تام ہونے کو روکے، جیسے خیار رؤیت کے ساتھ بیع، کہ اس صورت میں بیع پر اس کا حکم یعنی ملکیت مرتب ہوتی ہے، مگر بیع تام و مکمل نہیں ہوتی۔

(ج) مانع از لزوم و دوام حکم:

وہ وصف جو حکم کے وجود کمال کے بعد اس کے لزوم اور بقاء کو روکے، جیسے ''خیار عیب'' (۱) کے ساتھ بیع، کہ اس صورت میں بیع کا حکم تام و مکمل تو ہوتا ہے، مگر یہ اختیار اس کے لزوم و بقاء سے روکتا ہے یعنی بیع کو ختم کر دینے کا حق باقی رہتا ہے۔ (۲)

---

(۱) (الف) ''خیار شرط'' کا مطلب ہے: کسی چیز کا اس شرط کے ساتھ بیچنا کہ تین دن تک سوچ لیں کہ بیچنا یا خریدنا ہے یا نہیں۔ (ب) ''خیار رؤیت'' کا مطلب ہے: کسی ایسی چیز کو جسے خریدنے والے نے دیکھا نہ ہو، خریدنے کے بعد اگر دیکھنے پر پسند نہ آئے تو واپس کرنے کا اختیار ہونا۔ (ج) ''خیار عیب'' کا مطلب ہے: کسی چیز کو عیب سے خالی سمجھ کر خریدنا اور بعد میں عیب کا علم ہونے کی وجہ سے سامان کو لوٹا دینے کا اختیار ہونا۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۲۸۱، اصول الشاشی ص/۱۰۲-۱۰۳، نور، ص/ ۲۴۹، مذکرہ، موانع کی مذکورہ اقسام و تفصیلات کسی کتاب میں یکجا نہیں بیان کی گئی ہیں، لیکن تتبع و تحقیق اسی تفصیل کی مقتضی ہے۔

اصل اول
قرآن مجید

۱- مقدمہ

۲- باب اول (تقسیم اول)

۳- باب دوم (تقسیم دوم)

۴- باب سوم (تقسیم سوم)

۵- باب چہارم (تقسیم چہارم)

۶- باب پنجم (تقسیم پنجم)

۷- خاتمہ

مقدمہ

۱- تعریف قرآن:

(الف) لغوی لفظ "قرآن" ۱- یا تو قراءۃ یعنی پڑھنے کے معنی میں ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ "إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ" (۱) (بلاشبہ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے) میں ہے۔

۲- یا مقروء یعنی پڑھے جانے والے کے معنی میں، جیسے کہ ارشاد باری "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا" (۲) (ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے) میں ہے۔ (۳)

(ب) اصطلاحی: اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہوئی کتاب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک بغیر کسی شک وشبہ کے تواتر کے ساتھ نقل ہوتی چلی آرہی ہے، اور آج قراء سبعہ کے مصاحف میں موجود ہے۔ (۴)

۲- قرآن کا مصداق:

صرف وہ الفاظ ہی نہیں ہیں، جنھیں ہم بنام قرآن پڑھتے اور یاد کرتے ہیں، بلکہ ان الفاظ کے ساتھ ان کے معانی بھی اس کا مصداق ہیں جنھیں ہم سمجھتے اور سمجھاتے ہیں، اور اصل کلام خداوندی بھی جس کو ان الفاظ کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے، جسے اصطلاح میں "کلام نفسی" کہا جاتا ہے، یعنی وہ کلام جو حروف والفاظ کی

---

(۱) سورۃ القیامہ: ۱۷۔ (۲) سورۃ یوسف: ۲۔ (۳) معانی ص ۳، قرطبی ص ۹، اس کے علاوہ دوسرے بھی کئی اقوال ذکر کیے جاتے ہیں (مناہل العرفان ج ۱ ص ۱۴)۔ (۴) مناہل ص ۳، نور ص ۸، ۹، توضیح ص ۱۹۔

صورت نہیں اختیار کرتا، رہی اس کی حقیقت تو اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔(۱)

۳-الفاظ قرآن باعتبار نقل:

تین قسم کے ہیں: (الف) متواتر۔۲-مشہور۔۳-شاذ وآحاد۔

(الف) متواتر:

جن کو عہد نبوی سے ایک بڑی تعداد نقل کرتی چلی آ رہی ہے۔

(ب) مشہور:

جس کے ناقل ابتداء عہد میں کم ہوں اور بعد میں زائد ہو جائیں۔

(ج) شاذ وآحاد:

جس کے ناقل ایک دو افراد ہوں اور اس کی نقل کسی عہد میں معروف و مشہور نہ ہو۔

تعریف میں ذکر کردہ قید ''تواتر کے ساتھ نقل'' سے یہ بات سامنے آچکی ہے کہ قرآن کے نام سے جس لفظ کی نقل تواتر کے ساتھ نہ ہو، وہ اصطلاحی طور پر قرآن نہیں کہلائے گا، یعنی وہ الفاظ جن کی نقل شہرت کے ساتھ ہے یا دو ہی ایک افراد اس کے ناقل ہیں، وہ اصطلاحی قرآن نہیں ہیں، اصطلاحی قرآن، قراء سبعہ اور قراء عشرہ کی قراءتیں ہیں، قراءات مشہورہ اور شاذّہ اس میں شامل نہیں، جیسے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کی بعض قراءات۔

البتہ قراءات مشہورہ اور شاذہ کے درمیان حکم کے اعتبار سے یہ فرق کیا جاتا ہے کہ اول سے احکام کے حق میں استدلال کیا جاتا ہے، دوم سے نہیں، مثلاً قرآن کریم کے متواتر الفاظ میں کفارۂ قسم کے تین روزوں اور رمضان کی قضاء روزوں کا ذکر ہے، اس قید کے بغیر کہ ان کو پے در پے رکھا جائے۔

---

(۱) حسامی مع نظامی ص/۳، نور وقمر ص/۱۰، فواتح ج/۲، ص/۸۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں دونوں کے ساتھ ایسے لفظ کی قراءت منقول ہے کہ جس کا مفہوم پے در پے ان روزوں کا رکھنا ہے، مگر کفارۂ قسم کے روزوں کے ساتھ اس قید کی قراءت مشہور اور رمضان کے روزوں کی بابت شاذ ہے، اس لیے اول میں پے در پے روزے رکھنے کا حکم ہے، دوم میں نہیں۔ (۱)

۴- آیات احکام:

جن کا علم فقیہ کے لیے ضروری ہے، پانچ سو ہیں۔ (۲)

۵- اصولیین کا موضوع بحث:

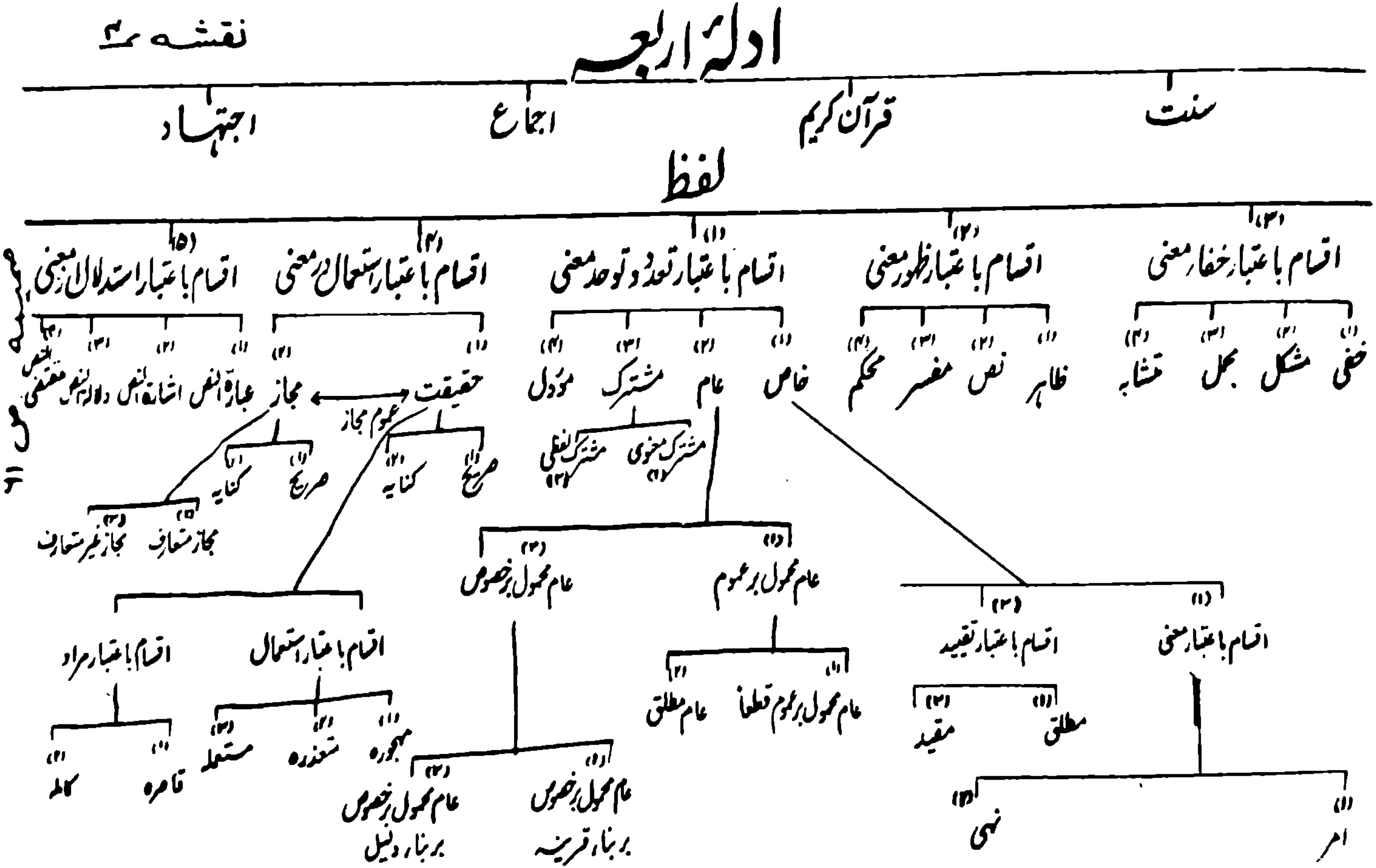
قرآن کریم کے الفاظ ہیں، جو معانی کے جاننے کا ذریعہ ہیں، اگرچہ کلام سے اصل مقصود اس کے معانی ہی ہوتے ہیں اور اصولیین بھی معانی سے ہی بحث کرتے ہیں، مگر وسیلہ ہونے کی وجہ سے ان کی تمام تر تحقیقات کا مدار الفاظ ہی ہیں۔ (۳)

۶- الفاظ قرآن کی تقسیمات واقسام:

الفاظ قرآن میں اصولیین پانچ تقسیمات جاری کرتے ہیں، اول معنی موضوع لہ کے اعتبار سے، دوم معنی کے ظہور کے اعتبار سے، سوم معنی کے خفاء کے اعتبار سے، چہارم معنی مستعمل ومراد کے اعتبار سے، پنجم لفظ سے متکلم کی مراد کو سمجھنے کی صورتوں وطریقوں کے اعتبار سے اور چونکہ ہر تقسیم کے تحت چار چار اقسام نکلتی ہیں، اس لیے کل بیس اقسام ہوتی ہیں۔ (۴)

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۱۵-۱۶، التوضیح ص/۶۹، مناہل العرفان ج/۱، ص/۲۰۔ (۲) نور، ص/۶، المدخل ص/۲۱۱ و ۲۱۳، تفسیر النصوص ج/۱، ص/۵۳، فواتح ج/۲، ص/۲۶۳۔ (۳) نور، ص/۱۱۷، مناہل ج/۱، ص/۱۶۔ (۴) نور، ص/۱۱-۱۳، حسامی ونظامی ص/۴۔


نقشہ ۴
ادلۂ اربعہ
سنت
قرآن کریم
اجماع
اجتہاد
لفظ
(۱) اقسام باعتبار تعدد و توحد معنی
(۲) اقسام باعتبار ظہور معنی
(۳) اقسام باعتبار خفاء معنی
(۴) اقسام باعتبار استعمال در معنی
(۵) اقسام باعتبار استدلال از معنی
(۱) خفی (۲) مشکل (۳) مجمل (۴) متشابہ
(۱) ظاہر (۲) نص (۳) مفسر (۴) محکم
(۱) خاص (۲) عام (۳) مشترک (۴) مؤول
(۱) حقیقت (۲) مجاز
عموم مجاز
(۱) عبارة النص (۲) اشارة النص (۳) دلالة النص (۴) اقتضاء النص
ضمیمہ ص ۶۱
(۱) مشترک معنوی (۲) مشترک لفظی
(۱) صریح (۲) کنایہ
(۱) صریح (۲) کنایہ
(۱) مجاز متعارف (۲) مجاز غیر متعارف
(۱) عام محمول بر عموم
(۲) عام محمول بر خصوص
(۱) اقسام باعتبار معنی
(۲) اقسام باعتبار تقیید
اقسام باعتبار استعمال
اقسام باعتبار مراد
(۱) عام محمول بر عموم قطعاً (۲) عام مطلق
(۱) مطلق (۲) مقید
(۱) مہجورہ (۲) متعذرہ (۳) مستعملہ
(۱) قاصرہ (۲) کاملہ
(۱) عام محمول بر خصوص بر بناء قرینہ
(۲) عام محمول بر خصوص بر بناء دلیل
(۱) امر (۲) نہی

باب اول

در

تقسیم اول

(معنی موضوع لہٗ کے اعتبار سے)

معنی موضوع لہٗ یعنی وہ معنی جس کے لیے لفظ کو وضع واختیار کیا جاتا ہے، اس معنی کے اعتبار سے لفظ کی چار اقسام ہیں:

۱- خاص۔ ۲- عام۔ ۳- مشترک۔ ۴- مؤوّل۔ (☆)

ان میں سے اول ودوم اور سوم وچہارم ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں۔

فصل اول	در بیان	خاص
فصل دوم	//	عام
فصل سوم	//	مشترک
فصل چہارم	//	مؤوّل

(☆) کشف الاسرار، ج/۱، ص/ ۲۸، نور، ص/ ۱۱، حسامی ص/۴۔

فصل اول

خاص

۱- تعریف:

خاص وہ لفظ ہے جس کو کسی ایک معنی پر اطلاق کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

۲- توضیح:

خاص کا ایک معنی پر اطلاق کے لیے وضع کیا جانا، یہ مطلب نہیں رکھتا کہ اس کا اطلاق جس معنی پر ہوتا ہے اس کا مصداق فردِ واحد ہوتا ہے، بلکہ اس کا مصداق بھی بہت سے افراد بھی ہوتے ہیں، مگر خاص میں ان افراد پر نظر نہیں ہوتی بلکہ اس ایک حقیقت و مفہوم پر ہوتی ہے جو ان افراد میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں، اس لیے خاص کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں:

(الف) خاص جنسی:

وہ لفظ جس کو ایک جنس کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے انسان۔

(ب) خاص نوعی (٭٭)

وہ لفظ جس کو ایک نوع کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے مرد، عورت۔

(٭٭) [illegible]

’’انسان‘‘ اور’’مرد وعورت‘‘ باوجود اس کے کہ ان کے افراد بہت ہیں، خاص ہیں، اس لیے کہ ان کی وضع میں ان افراد میں مشترک حقیقت ومفہوم کا لحاظ کیا گیا ہے۔

(ج) خاص فردی:

وہ لفظ جو ایک فرد یاشئ واحد کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے اشخاص ومقامات وغیرہ کے نام۔

(د) خاص وصفی:

وہ لفظ جس کو کسی ایک وصف کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے علم وجہل۔

(ہ) خاص عددی:

وہ لفظ جس کو کسی متعین عدد وگنتی کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے اسماء عدد یعنی وہ الفاظ جو اعداد وشمار کو بتاتے ہیں۔(۱)

۳-احکام:

(الف) خاص کا مدلول قطعی، ہر قسم کے احتمالات سے خالی اور اس پر عمل لازم ہوتا ہے۔

(ب) اگر کوئی دلیل خاص کے مدلول کے قطعی نہ ہونے پر دلالت کرے تو

= بنیادی غرض خدمت ہے، اور عورت سے متعلق بنیادی غرض محبت ہے، اس لیے تمام مرد ایک نوع اور تمام عورتیں ایک نوع ہیں اور ’’انسان‘‘ چونکہ دونوں کو شامل ہے اور دونوں سے متعلق فوائد مختلف ہیں، اس لیے جنس ہے، جبکہ مناطقہ اس کو نوع کہتے ہیں (نور، ص/۱۴)۔

(۱) مذکورہ تفصیلات سے واضح ہوگیا ہے کہ خاص کا مصداق فرد واحد بھی ہوتا ہے، اور ایسا مفہوم بھی جس کا اطلاق ایک سے زائد افراد بلکہ پوری جماعت پر ہو، چنانچہ انسان اور مرد وعورت کا مصداق پوری جماعت ہے، اسی طرح اعداد کا مصداق بھی ایک سے زائد افراد ہوتے ہیں جو حقیقتاً ایک سے زائد ہوتے ہیں، مگر ایک مفہوم کے صادق آنے کی وجہ سے ایک مانے جاتے ہیں، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ خاص کی وحدت کبھی حقیقی ہوتی ہے اور کبھی اعتباری، اسماء اعداد وغیرہ کی وحدت اعتباری ہے (تفسیر ج/۲، ص/۱۶۲، التوضیح ج/۱، ص/۳۳، قمر، ص/۱۴)۔

وہ قطعی نہیں ہوگا۔(۱)

(ج) اگر کوئی خبر واحد یا قیاس مفہوم کے اعتبار سے خاص کے مخالف ہو کہ اس سے خاص کے بالکل برخلاف کوئی مضمون ثابت ہوتا ہو، یا خاص کے مفہوم پر کوئی اضافہ ہوتا ہو، تو اگر اصول کی رو سے دونوں پر عمل کی کوئی صورت نکلتی ہو، تو دونوں پر عمل کریں گے، ورنہ حدیث وقیاس کا اعتبار نہیں ہوگا۔(۲)

۴-امثلہ برائے توضیح احکام:

(الف) نماز کی بابت حکم ہے: "یا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا" رکوع وسجود کا ایک خاص مفہوم ہے، رکوع کا حاصل ہے کسی قدر سر کو جھکا لینا، جس کی حقیقت میں طمانینت یعنی رکوع کی کیفیت مسنونہ داخل نہیں، اس لیے جس حدیث میں اس کے بغیر نماز نہ ہونے کا ذکر ہے، دونوں کو یوں جمع کریں گے کہ اصل حقیقت تو فرض ہے اور طمانینت واجب ہے۔(۳)

(ب) عدت کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء" (۴) (اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رہیں)۔

لفظ "قروء" کے معنی حیض وطہر دونوں کے ہیں، اور حیض مؤنث اور طہر مذکر استعمال ہوتا ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ثلاث کا لفظ چونکہ تاء کے ساتھ یعنی مؤنث استعمال ہوا ہے، اس لیے عربیت کی رو سے لفظ قروء کو یہاں طہر کے معنی میں قرار دیا جائے، مگر چونکہ اس صورت میں ثلاثہ کا جو خاص مفہوم تین کا ہے وہ نہیں پورا ہوتا، اس لیے اس قیاس کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔(۵)

---

(۱) کشف الاسرار، ج/۱، ص/۷۹-۸۰، اصول السرخسی ج/۱، ص/۱۲۸، حسامی ص/۵۔ (۲) اصول الشاشی ص/۶۔ (۳) کشف ج/۱، ص/۷۹، اصول الشاشی ص/۱۰-۱۱۔ (۴) سورہ بقرہ/۲۸۔ (۵) کشف ج/۱، ص/۸۰، اصول ج/۱، ص/۱۲۸، نور، ص/۱۲۔

۵-اقسام:

خاص کی بہت سی اقسام ہیں لیکن فقہاء خاص طور سے چار اقسام سے بحث کرتے ہیں: امر و نہی اور مطلق و مقید، اس لیے کہ اکثر و بیشتر آیات و احکام کا انھیں چاروں سے تعلق ہے، اوران میں بھی پہلی دو کیونکہ احکام شرع جتنے ہیں ان کا حاصل یا تو کرنے کا مطالبہ ہے یا نہ کرنے کا، اول کو ''امر'' اور دوم کو ''نہی'' کہتے ہیں (۱)، اس لیے ان چاروں اقسام سے متعلق تفصیلات ذکر کی جارہی ہیں:

مبحث اول: در بیان امر۔ (☆)

مبحث دوم: در بیان نہی۔

مبحث سوم: در بیان مطلق و مقید۔

---

(۱) المدخل ص/۱۶۰-۱۶۱، تفسیر ج/۲، ص/۱۶۱-۱۶۲، نور، ص/۲۴۔

(☆) چونکہ اصولیین کی نظر اصالۃً معانی پر ہوتی ہے، اس لیے وہ امر و نہی کے صیغوں سے بحث نہیں کرتے جو فعل مضارع میں کسی قدر ترمیم سے بنا کرتے ہیں، بلکہ ان سے حاصل ہونے والے معنی و مفہوم اور ان کے مدلولات کے قدر مشترک سے بحث کیا کرتے ہیں۔

مبحث اول

امر

۱-تعریف:

(الف) لغوی: امر، بمعنی حکم کرنا، اور حکم جمع اوامر۔

(ب) اصطلاحی: برتری کی بنیاد پر کسی کام کا لزومی طور پر مطالبہ کرنا۔(۱)

برتری خواہ حقیقی ہو یا فرضی، یعنی یہ کہ مطالبہ کرنے والا خود محسوس کرتا ہے، حالانکہ برتری اسے حاصل نہ ہو۔(۲)

۲-احکام:

(الف) امر کے لیے صیغۂ امر یعنی کسی ایسے لفظ کا ہونا ضروری ہے جو مذکورہ بالا مفہوم کی ادائیگی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔(۳)

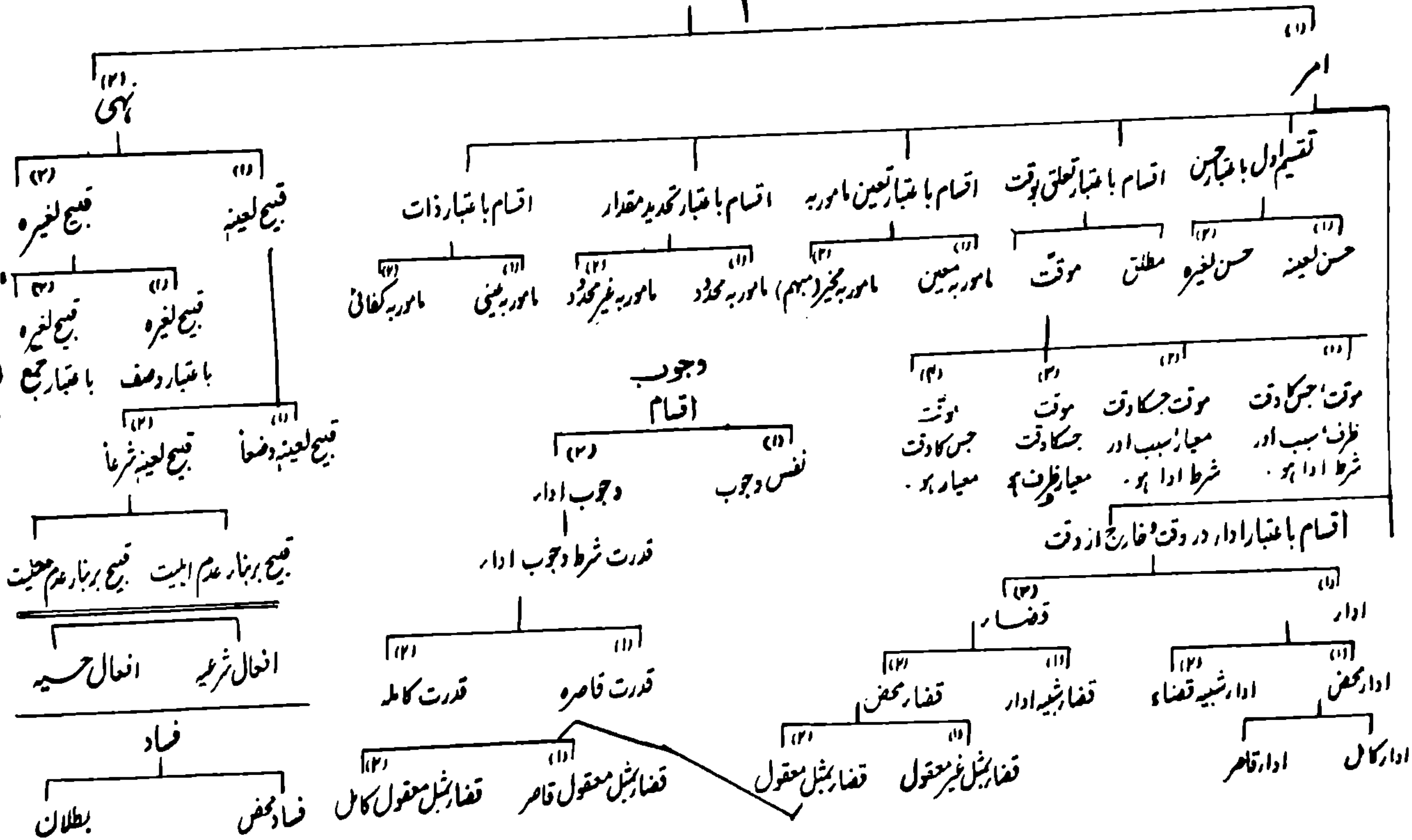
(ب) امر اصلاً اور عام طور سے لزوم یعنی فرضیت و وجوب کے لیے آتا ہے، خواہ کسی چیز کی بابت ممانعت کے بعد ہو یا اس کے بغیر، قرائن کی بنا پر کبھی دوسرے معانی پر بھی دلالت کرتا ہے۔(۴)

(ج) محض امر، مامور بہ کی تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، کسی حکم میں تکرار کا ثبوت دوسری نصوص اور قرائن و اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً نماز کا ہر دن میں پانچ مرتبہ پڑھنا فرض ہے، اس کے سبب یعنی وقت کی تکرار کی وجہ سے۔(۵)

فواتح ج/۱،ص/۳۶۹، نور،ص/۲۴-۲۵۔(۲) نور،ص/۲۵۔(۳) فواتح ج/۱،ص/۳۶۷، نظامی ص/۲۸، نور، ص/۲۵۔(۴) فواتح ج/۱،ص/۳۷۳ و ۳۷۹، نور،ص/۲۷، کشف ج/۱،ص/۱۲۰، امر کے صیغوں اور دوسرے معانی کا ذکر آگے آرہا ہے۔(۵) کشف ج/۱،ص/۱۲۳، فواتح ج/۱،ص/۳۸۰، نور،ص/۳۱۔

نقشہ ۵

اقسام خاص باعتبار معنی



ضمیمہ ص ۶۸

(د) نفس مامور بہ کے ساتھ اس کے مقدمات بہ لازم ہوتے ہیں، جیسے وضو نماز کے مقدمات میں سے ہے، تو نماز کی طرح وہ بھی لازم ہے۔(۱)

(ہ) امر کے ذریعہ لزوم کبھی ایک متعین چیز کا اور کبھی چند معلوم چیزوں سے کسی ایک کا ہوتا ہے، جیسے قسم کے کفارہ میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، ان کو کپڑا پہنانا اور ایک غلام کو آزاد کرنا، ان تینوں میں سے کسی ایک کا کرنا ضروری ہے۔(۲)

(و) شرعاً ہر مامور بہ کے اندر حسن کا پایا جانا ضروری ہے۔(۳)

۳-امر کے صیغے:

یعنی وہ الفاظ جو''امر'' کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں:

(الف) فعل امر، خواہ غائب کے لیے ہو یا حاضر کے لیے۔

(ب) اسم فعل، جو امر کے معنی میں ہو، جیسے "دونك" وغیرہ۔

(ج) مصدر، جو فعل امر کے قائم مقام ہو، جیسے "فضرب الرقاب"(۴) میں ضرب "اضربوا" فعل امر کا قائم مقام ہے، اسی لیے مفہوم ہے: ''گردنیں مارو۔''

(د) غیر فعل امر، جو طلب کے معنی میں مستعمل ہو، جیسے "والوالدات يرضعن" (۵) (اور مائیں دودھ پلائیں) میں "يرضعن" جو اصلاً فعل مضارع ہے، مگر یہاں طلب یعنی امر کے مفہوم میں ہے۔(۶)

۴-فعل امر کے معانی:

فعل امر متعدد معانی میں مستعمل ہوتا ہے، جن کی تعداد بیس تک بتائی جاتی ہے، مگر اس کا اصل اور عمومی طور پر مراد لیا جانے والا مفہوم وجوب ولزوم کا ہے، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، دوسرے معانی کا مراد لینا قرائن پر موقوف ہے، جن کی تفصیلات آپ کو کتب بلاغت میں مل جائیں گی اور بہت سی کتب فقہ میں بھی۔(۷)

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۹۵۔ (۲) ایضاً ص/۶۶۔ (۳) التوضیح ص/۲۷۱۔ (۴) سورۂ محمد/۴۔ (۵) سورۂ بقرہ/۲۳۳۔ (۶) تفسیر ج/۲، ص/۲۳۵۔ (۷) فواتح ج/۱، ص/۳۷۲، کشف ج/۱، ص/۱۰۷، قمر ص/۲۷۔

۵-فعل امر سے استحباب واباحت کا ثبوت:

فعل امر کے دوسرے معانی میں سے اہم اور فقہ سے تعلق رکھنے والے معانی ہیں: استحباب واباحت، کہ امر کبھی کبھی قرائن کی بنا پر ان میں سے کسی ایک پر دلالت کرتا ہے:

(الف) استحباب کی مثال:

جیسے "کَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْراً"(۱) حکم ہے کہ اگر غلاموں میں بہتری محسوس کرو تو ان سے کچھ لے کر ان کی آزادی کا معاملہ کرلو، یہ حکم استحبابی ہے۔

(ب) اباحت کی مثال:

"کُلُوْا وَاشْرَبُوْا"(۲) کھاؤ اور پیو۔(۳)

۶-تقسیمات:

امر میں پانچ تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) باعتبار حسن۔ (ب) باعتبار پابندی وقت۔ (ج) باعتبار تعین ذات مامور بہ۔(د) باعتبار تحدید مقدار۔(ہ) باعتبار ذات مامور بہ۔

(الف)

امر کی تقسیم اول

(باعتبار حسن مامور بہ)

مامور بہ کے "حسن" کے اعتبار سے امر کی دو اقسام ہیں:

۱-حسن لعینہ اور ۲-حسن لغیرہ۔

---

(۱) سورہ نور، ۳۳۔ (۲) سورہ اعراف، ۳۱۔ (۳) فواتح ج ۱، ص ۳۷۲، ۳۷۷-۳۷۹۔

۱-حسن لعینہٖ:

(الف) تعریف:

وہ مامور بہ کا جس کا حسن ذاتی ہو، بالواسطہ نہ ہو۔

(ب) صورتیں:

اس کی دو صورتیں ہیں:

اولؔ وہ فعل جس کا حسن اس کی وضع کے اعتبار سے ہو، یعنی جس کی وضع و حقیقت میں حسن داخل ہو، جیسے ایمان، منعم حقیقی کے شکر کی بجا آوری ہے، اور نماز تعظیم پر مشتمل اقوال کے مجموعہ کا نام ہے اور انعام واحسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا اور تعظیم وتکریم اپنی حقیقت کے اعتبار سے عمدہ وپسندیدہ افعال ہیں۔

البتہ ایمان اور نماز میں باعتبار حکم یہ فرق ہے کہ ایمان کا مطالبہ اور حسن کسی حال میں نہیں ساقط ہوتا، اور نماز کا مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے، خواہ اس کو ادا کر لینے کی وجہ سے ہو یا خود آمر کے معاف کر دینے کی وجہ سے، جیسے حائض ونفساء (حیض ونفاس والی عورت) کے حق میں۔

دومؔ وہ فعل جس کا حسن بالواسطہ ہو، اور وہ فعل جو حسن کا واسطہ بن رہا ہو، غیر اختیاری ہو، جیسے زکوٰۃ وروزہ وغیرہ کہ ان کا حسن ذاتی نہیں بلکہ زکوٰۃ کا حسن حاجت مند کی حاجت کو پورا کرنے اور روزہ کا حسن، اللہ کے لیے نفس کو خواہشات سے روکنے کی وجہ سے ہے، اور حاجت مند کی حاجت ونفس کی خواہشات بندوں کے اختیار کی چیزیں نہیں ہیں۔

۲-حسن لغیرہٖ:

وہ مامور بہ جس کا حسن ذاتی نہ ہو، بالواسطہ ہو۔

اور جو فعل حسن کا واسطہ بن رہا ہو، وہ اختیاری ہو، پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

اولؔ مامور بہ کو ادا کرنے کی وجہ سے وہ غیر جو واسطہ بن رہا ہو، وہ بھی ادا ہو جائے، جیسے ''نماز جنازہ'' کا حسن، میت کے اسلام کی تعلیم کی تعظیم کی وجہ سے ہے، نماز پڑھنے سے اس کی تعظیم ہو جاتی ہے۔

دوم مامور بہ کو ادا کرنے کے بعد اس واسطہ کو بھی ادا کرنے کی ضرورت ہو، حسن کے لیے واسطہ بن رہا ہو، جیسے نماز جمعہ کے لیے سعی کا حسن، نماز جمعہ کی وجہ سے ہے، سعی کے بعد، نماز جمعہ کی ادائیگی بھی لازم ہے، محض سعی کر لینے سے چھٹی نہیں ہوتی۔

(ج) احکام:

حسن لعینہٖ کا وجوب خود اس کو کرنے یا کسی عارض کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسا کہ نماز کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے، اور حسن لغیرہٖ کا وجوب و مطالبہ غیر کے وجوب پر موقوف ہوتا ہے۔(۱)

(ب)

امر کی تقسیم دوم

(وقت کی پابندی و عدم پابندی کے اعتبار سے)

وقت کی پابندی اور عدم پابندی کے اعتبار سے مامور بہ کی دو اقسام ہیں:

۱۔مطلق ۔۲۔موقت۔

۱۔مطلق:

(الف) تعریف:

۱۔لغوی: خالی و آزاد۔

---

(۱) فواتح ج/۱ ص/۵۱-۵۳، کشف ج/۱ ص/۱۸۴-۱۸۹، حسامی ص/۴۴-۴۵۔

۲-اصطلاحی: وہ مامور بہ جس کی ادائیگی کے لیے کسی خاص وقت کی پابندی نہ ہو۔

(ب) حکم:

مامور بہ کا مطالبہ اور لزوم فوری نہیں ہوتا، تاخیر کی گنجائش و اجازت ہوتی ہے، اور تعمیل مطلوب و مستحب، بشرطیکہ تاخیر کی وجہ سے فوت نہ ہو جائے، یعنی کرنے سے رہ نہ جائے۔

(ج) مثال:

زکوۃ، اس کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت لازمی طور پر متعین نہیں ہے، سال پورا ہونے پر اس کا وجوب ہوتا ہے، ادائیگی جب چاہے کرلے، سال پورا ہونے سے پہلے یا سال پورا ہوتے ہی، یا اس کے کچھ یا کافی عرصہ بعد، مگر ادائیگی سے رہ نہ جائے۔

۲-موقت: (اس کو "مقید" بھی کہتے ہیں)

(الف) تعریف:

۱-لغوی: وہ چیز جس کا وقت متعین کردیا گیا ہو۔

۲-اصطلاحی: وہ مامور بہ جس کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت متعین ہو۔

(ب) حکم:

مختلف اقسام کے اعتبار سے مختلف ہے، تفصیل آ رہی ہے۔

ویسے اگر وقت گنجائش رکھتا ہو تو اس حد تک تاخیر جائز ہے کہ وقت کے ختم ہونے سے پہلے اسے ادا کرلے اور اگر وقت تنگ ہو تو فوری ادائیگی ضروری ہے۔

(ج) اقسام:

چار ہیں: ۱- وقت ظرف اور سبب وجوب و شرط ادا بھی ہو۔ ۲- وقت معیار اور سبب وجوب ہو۔ ۳- وقت صرف معیار ہو۔ ۴- وقت معیار اور ظرف ہو۔

قسم اول:

۱-تعریف:

وہ مامور بہ جس کے لیے وقت ظرف بھی ہو اور سبب وجوب و شرط ادا بھی۔

ظرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مامور بہ پورے وقت کو گھیرے نہ ہو، یعنی وقت کے اندر اس طور پر ادا ہو کہ اس کی ادائیگی کے بعد وقت کا کچھ حصہ بچ رہے اور اگر آدمی چاہے تو وقت کے اندر اس مامور بہ کے جیسا کوئی دوسرا عمل کر سکے۔

سبب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وقت مامور بہ کے وجوب میں مؤثر ہو، شرط ادا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بغیر یعنی اس سے پہلے مامور بہ کی ادائیگی صحیح نہ ہو۔

۲-حکم:

نیت کے ذریعہ اس مامور بہ کی تعیین ضروری ہے۔

۳-مثال:

فرض نماز، مامور بہ موقت ہے، اور اس کے اوقات میں تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔

وقت نماز کے لیے ظرف بھی ہوتا ہے کہ کسی نماز کی ادائیگی میں اس کا پورا وقت نہیں صرف ہوتا، بلکہ کچھ حصہ ضرور بچ رہتا ہے اور وقت نماز کے لیے سبب وجوب بھی ہے کہ وقت ہی نماز کے وجوب کا باعث ہوتا ہے اور وقت شرط ادا بھی ہے کہ وقت آئے بغیر کوئی نماز ادا نہیں ہوتی، لہٰذا جب کوئی نماز پڑھی جائے تو نیت کے ذریعہ اس کی تعیین کر دینی چاہیے کہ یہ فلاں نماز ہے۔

قسم دوم:

۱-تعریف:

وہ موقت جس کے لیے وقت معیار اور سبب وجوب ہو۔

معیار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مامور بہ پورے وقت کو گھیرے ہو۔

لہٰذا اس کے علاوہ اس جیسا کوئی دوسرا عمل اس وقت میں نہ کیا جا سکے حتی کہ وقت کی درازی وکوتاہی کے اعتبار سے مامور بہ کے اندر بھی درازی وکوتاہی پیدا ہو۔

۲-حکم:

ایسا مامور بہ، خود اسی مامور بہ کی نیت یعنی فرضیت کی تصریح کے ساتھ اور وصف میں غلطی کے ساتھ کہ فرض کے بجائے نفل کہہ دیا جائے، نیز مطلق اس کی نیت کہ بس عمل کا تو دھیان کیا جائے مگر فرض ونفل کی کوئی قید نہ ہو، تینوں صورتوں میں ادا و صحیح ہو جاتا ہے، یہی نہیں بلکہ اگر قصداً مامور بہ کے بجائے دوسرے کی نیت کرے تو بھی بعض صورتوں میں ''فرض مامور بہ'' کی ہی ادائیگی ہوتی ہے۔

اس مامور بہ کے وقت میں نہ تو اس جیسا کوئی دوسرا عمل واجب ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی ادائیگی صحیح ہے بلکہ اسی مامور بہ کا ادا کرنا ضروری ہے۔

۳-مثال:

رمضان کا روزہ۔

وقت اس کے لیے معیار بھی ہے کہ روزہ پورے وقت کو گھیرے ہوتا ہے، اور اس کے وقت یعنی طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک نہ تو دوسرا روزہ واجب ہو سکتا ہے، اور نہ ادا ہو سکتا ہے اور وقت اس کا سبب وجوب بھی ہے اور خواہ فرض روزہ کی نیت کرے یا غلطی سے نفل کہہ دے، یا کسی دوسرے واجب روزے کی نیت کرے، یا صرف روزہ کی نیت کرے، اسی روزہ کی ادائیگی ہوگی۔

قسم سوم:

۱-تعریف:

وہ موقت جس کے لیے وقت صرف معیار ہو۔

۲-حکم:

نیت میں تعیین ضروری ہے، اور وقت کے آنے سے پہلے ہی نیت کرنا بھی، اس لیے کہ اسی وقت میں اس جیسا دوسرا عمل لازم بھی ہوسکتا ہے اور اداء بھی۔

۳-مثال:

رمضان کے قضا روزے، اور وہ نذر روزہ جس کے لیے وقت متعین نہ کیا گیا ہو، ان کے لیے وقت صرف ''معیار'' ہے، اور ان کی ادائیگی کے لیے نیت میں تعیین ضروری ہے کہ آج فلاں روزہ رکھا جارہا ہے اور رات سے یعنی کم از کم طلوع صبح صادق سے پہلے نیت کرنا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ جس دن یہ روزہ رکھا جائے اس دن دوسرا روزہ واجب بھی ہوسکتا ہے اور اداء وصحیح بھی۔

قسم چہارم:

۱-تعریف:

وہ موقت جس کے لیے وقت معیار وظرف ہو۔

معیار بایں معنی کہ پورے وقت میں اس جیسا ایک ہی عمل واجب ہو اور ایک ہی ادا کیا جاسکے۔ اور ظرف بایں معنی کہ اس کی ادائیگی کے بعد وقت بچ رہے۔

۲-حکم:

اس مامور بہ کی نیت سے بھی ادا ہو جاتا ہے اور مطلق اس عمل کی نیت سے بھی یعنی واجب کی قید لگائے بغیر بھی۔

۳-مثال:

حج، وقت اس کے لیے معیار بھی ہے اور ظرف بھی۔

معیار یوں ہے کہ پوری زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی کے جو اوقات متعین ہوں، ان میں ایک ہی حج کیا جا سکتا ہے۔

ظرف یوں کہ پوری عمر اور پورے اوقات کو اعمال حج گھیرے نہیں ہوتے، فرض حج کی ادائیگی فرض کی نیت سے بھی ہو جاتی ہے اور مطلق حج کی نیت سے بھی، دوسرے واجب یا نفل کی نیت کر لینے سے فرض حج ادا نہیں ہوتا۔(۱)

ان چار اقسام میں سے دوسری میں بے عذر تاخیر جائز نہیں ہے، اس لیے کہ فرض روزوں کے لیے رمضان کا مہینہ متعین ہے، البتہ نماز کو وقت کے اندر فوراً نہ پڑھنا، قضا و نذر روزوں کی تاخیر اور حج کی تاخیر جائز ہے، بشرطیکہ یہ اعمال ادائیگی سے رہ نہ جائیں اور نماز قضا نہ ہو جائے۔

(ج)

تقسیم سوم

(مامور بہ کے تعین و عدم تعین کے اعتبار سے)

یہ ضروری نہیں ہے کہ مامور بہ ہمیشہ کوئی ایک متعین چیز ہو، اس لیے مامور بہ کے تعین کے اعتبار سے مامور بہ کی دو اقسام ہیں: ۱-مامور بہ معین۔ ۲-مامور بہ مخیّر۔

۱-مامور بہ معین:

(الف) تعریف:

وہ مامور بہ جس کی ایک صورت شارع و شریعت نے متعین کر دی ہو۔

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۶۹ تا ۷۳ و ۱۸۳، کشف ج/۱، ص/۲۵۱ و مابعد، التحریر ج/۱، ص/۳۱۵-۳۱۶، حسامی و نظامی ص/۳۰ تا ۳۵۔

(ب) حکم:

مامور بہ پر عمل کے لیے اس صورت کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

(ج) مثال:

نماز، روزہ وغیرہ۔

(د) تنبیہ:

''مامور بہ معین'' میں تعیین کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱- ہر حال و ہر شخص کے لیے ایک ہی صورت ہو، جیسے اوپر کی مثالیں کہ ہر حال و ہر شخص کے لیے ہیں۔

۲- یوں تو مامور بہ کی متعدد صورتیں ہیں، مگر مکلّف کے الگ الگ حالات کے اعتبار سے کوئی ایک متعین و مطلوب ہو، جیسے کفارۂ ظہار''(۱) میں تین چیزیں ہیں، مگر مختلف حالات کے اعتبار سے ایک ہی ایک مطلوب ہوتی ہے، اگر قدرت ہو تو غلام آزاد کرنا، اس کی قدرت نہ ہو اور طاقت ہو تو پے در پے ساٹھ روزے رکھنا اور یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

۲- مامور بہ مخیّر: (جسے مبہم بھی کہہ دیا کرتے ہیں)

(الف) تعریف:

وہ مامور بہ جو چند صورتوں کے درمیان دائر ہو اور شریعت نے ان صورتوں کو متعین کر کے کسی ایک پر عمل کا اختیار دیا ہو۔

(ب) حکم:

کسی ایک پر عمل سے مطالبہ پورا ہو جاتا ہے۔

---

(۱) ظہار کا حاصل یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس سے مخصوص انتفاع کے حق میں اپنی ماں کی مانند قرار دے لے، یعنی ماں سے تشبیہ دے کر حرام قرار دے لے تو اس کو یہ کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے۔

(ج) مثال:

کفارۂ قسم، جس کی شریعت نے تین صورتیں ذکر کر کے کسی ایک پر عمل کا اختیار دیا ہے، دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا کپڑا پہنانا، یا ایک غلام کو آزاد کرنا، البتہ اگر کوئی آدمی تینوں میں سے کسی کو نہ کر سکے تو تین روزے رکھے۔(۱)

(د)

تقسیم چہارم

(مامور بہ کی تحدید و عدم تحدید کے اعتبار سے)

مامور بہ کے کرنے کے وقت و مقدار کی تحدید اور تعیین و عدم تعیین کے اعتبار سے مامور بہ کی دو اقسام ہیں: ۱- محدود۔ ۲- غیر محدود۔

۱- محدود:

(الف) تعریف:

وہ مامور بہ جس کے لیے شریعت نے کسی وقت یا مقدار و عدد کو متعین کر دیا ہو۔

(ب) حکم:

شریعت کی متعین کردہ حد کے مطابق کسی کمی و اضافہ کے بغیر مامور بہ کو کرنا۔

(ج) مثال:

نماز و روزہ، کہ ان کی مقدار بھی متعین ہے اور وقت بھی، اور دونوں کی پابندی مطلوب ہے۔

---

(۱) فواتح ج ۱، ص ۶۶۔

۲-غیر محدود:

(الف) تعریف:

وہ مامور بہ جس کا مطالبہ کسی وقت و مقدار کی تعیین کے بغیر ہو، یعنی یہ بتایا جائے کہ کتنا کرنا ہے اور کب تک۔

(ب) حکم:

موقع و محل کے تقاضے کے مطابق کسی وقت و پابندی کے ساتھ بغیر مقصد کے حاصل ہونے تک کرتے رہنا۔

(ج) مثال:

جہاد، ایسے ہی امر بالمعروف (بھلائی کا حکم) و نہی عن المنکر (برائی سے روکنا)، ان امور کے لیے نہ تو کوئی وقت متعین ہے اور نہ مقدار، حسب ضرورت جب تک مقصد حاصل نہ ہو، جس کی خاطر شریعت نے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انھیں کرتے رہنے کا حکم ہے۔(۱)(☆)

---

(۱) مذکرہ۔(☆)(الف) پانچویں تقسیم مامور بہ کی ذات کے اعتبار سے بایں معنی ہے کہ اس کے کرنے کا مطالبہ سب سے ہے یا بعض سے۔ اس لحاظ سے بھی مامور بہ کی دو اقسام ہیں: ۱-عینی۔ ۲-کفائی۔ ۱-عینی: وہ مامور بہ جس کا ہر ایک سے کرانا مطلوب ہو، جیسے فرض نمازیں۔ ۲-کفائی: وہ مامور بہ جس کو اگر بعض بھی کرلیں تو سب بری قرار پائیں، جیسے نماز جنازہ۔ تفصیل فرض کے تحت فرض اور فرض کنایہ کے عنوان سے گزر چکی ہے۔ (ب) ذکر کیا جا چکا ہے کہ امر عموماً لزوم کا تقاضا کرتا ہے، اس لزوم کو اصولیین عام طور سے وجوب سے تعبیر کرتے ہیں اور فرض و واجب کی بحث میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ "وجوب" فرض اصطلاحی اور واجب اصطلاحی دونوں کو شامل ہوتا ہے، اس لیے خیال رہے کہ مامور بہ سے متعلق مباحث کا تعلق "فرض" و "واجب" دونوں سے ہوگا۔

اقسام وجوب

امر سے وجوب کا ثبوت ہوتا ہے اور وجوب کے دو مراحل یا دو اقسام ہیں:

ا-نفس وجوب۔ ۲-وجوب اداء۔

ا-نفس وجوب:

(الف)تعریف:

کسی حکم کا انسان پر لازم ہونا۔

(ب)ذریعۂ ثبوت:

سبب کا وجود کہ سبب ''نفس وجوب'' کا باعث بنا کرتا ہے۔

(ج)حکم:

واجب کو کر لینے پر واجب ذمہ سے ادا و ساقط ہو جاتا ہے اور نہ کرنے پر نہ تو ادائیگی کا مطالبہ ہوتا ہے اور نہ ہی قضا کا حکم لگتا ہے۔

(د)مثال:

زکوٰۃ کے لیے بقدر نصاب مال کا ہونا، ''نفس وجوب'' کا سبب ہے، کسی کے پاس اتنا مال ہونے پر اس کے ذمہ میں زکوٰۃ کا وجوب ہوتا ہے، بایں معنی کہ اگر زکوٰۃ دے دے تو ادا ہو جائے گی، لیکن ادائیگی کا مطالبہ نہیں ہوتا، ایسے ہی نماز کا وقت آجانے پر نفس وجوب کا تحقق ہو جاتا ہے، مگر وقت کے آتے ہی ادا نہ کرنے پر قضا کا حکم نہیں لگتا۔

۲-وجوب اداء:

(الف) تعریف:

کسی حکم کی ادائیگی کا لازم ہونا۔

(ب) ذریعہ ثبوت:

امر، یعنی اس کے کرنے کا حکم و مطالبہ کہ امر سے نفس وجوب کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ وجوب ادا کا ثبوت ہوتا ہے، مثلاً نماز کا ''نفس وجوب'' وقت کی وجہ سے اور زکوٰۃ کا ''نفس وجوب'' بقدر نصاب مال کی وجہ سے ہوتا ہے، مگر دونوں کی ادائیگی کا مطالبہ نص قرآنی کے ذریعہ ہوتا ہے۔(۱)

(ج) شرط:

مامور کا مامور بہ کی ادائیگی پر قادر ہونا۔

اور قدرت کی دو اقسام ہیں: ۱-قدرت قاصرہ، ۲-قدرت کاملہ۔

۱-قدرت قاصرہ: (☆)

(الف) تعریف:

مامور بہ کو ادا کر سکنے کی کم سے کم قوت وصلاحیت۔

(ب) حکم:

۱-یہ قدرت ہر مامور بہ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے، اس کے بغیر بندے سے کسی فعل کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں ہوتا۔۲-نیز یہ کہ اس کا حقیقتاً پایا جانا

---

(۱) فواتح ج ۱ ص ۸۳-۸۴، حسامی و نظامی ص ۳۵، التوضیح ص ۴۲۹-۴۳۴۔

(☆) قدرت قاصرہ کو فقہاء ''قدرت مطلقہ'' (ہر قسم کی قید و شرط سے خالی قدرت) اور ''قدرت ممکنہ'' (مامور بہ کی ادائیگی پر قادر بنانے والی، قابو عطا کرنے والی قدرت) سے بھی تعبیر کرتے ہیں، جیسے ''قدرت کاملہ'' کے لیے ''قدرت مقیدہ'' اور ''قدرت میسرہ'' (مامور بہ کی ادائیگی میں سہولت پیدا کرنے والی قدرت) کی تعبیرات بھی آتی ہیں (نور ص ۴۸-۴۹، حسامی ۴۰-۴۱)۔

ضروری نہیں بلکہ اس کے وجود کا وہم بھی کافی ہے۔

(ج) مثال مع توضیح:

اگر کوئی انسان کسی نماز کے وقت کے ایسے حصے میں نماز کی فرضیت کا اہل ہو کہ صرف تحریمہ کہنے کی گنجائش ہو تو اس سے نماز کی ادائیگی کا مطالبہ ہو جاتا ہے، مثلاً اس وقت میں کوئی بچہ بالغ ہو جائے، عورت حیض و نفاس سے پاک ہو جائے، کافر مسلمان ہو جائے، ان سب سے نماز کا مطالبہ ہو جاتا ہے، اگرچہ وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ وقت کے اندر پوری نماز ادا کی جا سکے۔

اس لیے کہ اگرچہ عادت و عام حالات کے اعتبار سے اس مختصر سے وقت میں پوری نماز کا ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا، مگر یہ امکان اور وہم ضرور ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ مختصر وقت اتنا طویل ہو جائے کہ نماز وقت کے اندر ادا ہو جائے جس کی صورت یہ ہے کہ خلاف عادت یعنی کرامت کے طور پر وقت دراز ہو جائے۔

۲-قدرت کاملہ:

(الف) تعریف:

مامور بہ کو سہولت کے ساتھ ادا کرنے کی قدرت و صلاحیت۔

(ب) حکم:

۱-واجب کے باقی و برقرار رکھنے کے لیے اس کا باقی رہنا ضروری ہے۔
۲-اکثر عبادات مالیہ کی ادائیگی کا مطالبہ اس پر موقوف ہے۔ ۳-اس کا حقیقتاً پایا جانا ضروری ہے، محض فرضی و وہمی وجود کافی نہیں۔(۱)

---

(۱) انسان سے جب کوئی مطالبہ ہوتا ہے تو یا تو جس چیز کا مطالبہ ہوتا ہے، بعینہ اسی کو ادا کر کے سبکدوش ہوتا ہے یا اس کے بدل اور مثل و عوض کو پیش کرتے جو مطلوب ہو عین اس امر کو یا اس کے کرنے کو ''اداء'' اور بدل یا بدل کے کرنے کو ''قضاء'' کہتے ہیں، البتہ بعض حضرات ''اداء و قضاء'' کا تعلق امر یعنی ''وجوب'' سے اور بعض مامور بہ یعنی ''واجب'' سے بتاتے ہیں، اسی لیے لکھا گیا ہے عین مامور بہ یا اس کا کرنا اور مثل مامور بہ یا اس کا کرنا، بہر حال وجوب و واجب سے ان دونوں کا تعلق ہے اس لیے ان کی تفصیلات ''اداء و قضاء'' عناوین کے تحت ذکر کی جا رہی ہے۔

(ج) مثال مع توضیح:

زکوٰۃ کے حق میں نصاب نفس وجوب کا سبب ہے، اور اس کا نامی (بڑھنے والا اور بڑھنے کی صلاحیت رکھنے والا) ہونا اور حولی (سال بھر کا ہونا) وجوب ادا کے لیے شرط ہے، اور یہ دونوں امور قدرت کاملہ کے قبیل سے ہیں، زکوٰۃ کا مطالبہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ نصاب میں یہ دونوں وصف حقیقتاً پائے جائیں، یعنی مال یا تو واقعتاً زیادہ ہوا ہو یا فطرۃً یہ صلاحیت رکھتا ہو کہ اس کی پیدائش نفع و زیادتی کے معاملہ کے لیے ہوئی ہو، جیسے سونا و چاندی و روپیہ و پیسہ کہ اللہ نے فطرۃً ان کو مال و دولت کمانے کا ذریعہ بنایا ہے۔

اور ساری دنیا کا خرید و فروخت کا معاملہ اصلاً انھیں سے متعلق ہے۔

اور مال پر سال بھی گزر گیا ہو، یعنی درمیان سال میں مال برابر ہاتھ میں موجود رہا ہو، اگرچہ نصاب سے کم ہی کیوں نہ ہو، البتہ سال پورا ہونے کے موقع پر نصاب کے برابر کچھ بھی کم نہ ہو۔

اگر کوئی مال نامی نہ ہو کہ نہ تو فطرۃً زیادہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور نہ زیادہ کیا گیا ہو، تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا وجوب نہیں ہوگا۔

نیز اگر سال پورا ہونے کے موقع پر مال نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں ہوگا، اگر سال پورا ہونے کے موقع پر نصاب پورا ہے اور زکوٰۃ کے مطالبہ کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کی گئی اور پھر کسی طرح سارا مال تباہ و ہلاک ہوجائے تو زکوٰۃ کا وجوب باقی نہیں رہے گا، بلکہ ختم ہوجائے گا۔ (۱)

---

(۱) حسامی و نظامی ص/ ۴۱ و ۴۲، نور و قمر ص/ ۴۸-۴۹، التوضیح ص/ ۴۳۴۔

ادا

۱-تعریف:

عین مامور بہ کو کرنا۔(۱)

تنبیہ:

یہ تعریف عام مامورات کی رعایت سے ہے کہ ان میں موقت بھی ہیں اور مطلق بھی، موقت کے پیش نظر وقت کی قید لگے گی اور یوں کہیں گے:

''عین مامور بہ کو اس کے وقت کے اندر کرنا۔''

بلکہ یہ تعریف غیر واجبات کو بھی شامل ہے کہ ان کا بھی اگر مطالبہ ہے تو اگرچہ مطالبہ لزوم کے ساتھ نہ ہو اور وہ سنت و نفل ہوں، مگر اپنے موقع و وقت پر ان کا کرنا بھی اداء ہی کہلائے گا(۲)، اور واجب کے پیش نظر تعریف میں واجب کی قید لگے گی۔

۲-اقسام:

دو ہیں: (الف) اداء محض۔(ب) اداء مشابہ قضاء۔

(الف) اداء محض:

۱-تعریف:

وہ ادائیگی جس میں قضا سے کوئی مشابہت نہ پائی جائے۔

۲-اقسام:

اس کی بھی دو قسمیں ہیں: (الف) اداء کامل۔(ب) اداء قاصر۔

---

(۱) نور، ص/۳۳، التوضیح ص/۳۴۸۔ (۲) التوضیح ص/۳۴۸، فواتح ج/۱، ص/۸۵، کشف ج/۱، ص/۱۳۱۔

(الف) اداء کامل:

۱۔تعریف:

مامور بہ کو اس کی تمام صفات مشروعیت کے ساتھ کرنا۔

۲۔حکم:

ذمہ کا بری ہونا اور مطالبہ کا ساقط ہونا۔

۳۔مثال:

نماز کو وقت کے اندر باجماعت ادا کرنا۔

(ب) اداء قاصر:

۱۔تعریف:

مامور بہ کی صفات مشروعیت میں خلل کے ساتھ مامور بہ کو کرنا۔

۲۔حکم:

اگر کسی ذریعہ سے نقص وخلل کی تلافی ہوسکے تو کی جائے گی، ورنہ ادا شمار کرلیا جائے گا اور بالقصد کوتاہی کرنے پر صفات مشروعیت کا جیسا درجہ ہو اس کے اعتبار سے گناہ وگرفت ہوگی۔

۳۔امثلہ:

(الف) نماز کو وقت کے اندر تنہا ادا کرنا (تلافی ناممکن)۔

(ب) نماز کی صفات مشروعیت میں کوتاہی کے ساتھ نماز کی ادائیگی مثلاً سورۂ فاتحہ کے بغیر (تلافی بذریعہ سجدہ سہو یا لوٹا کر)۔(۱)

---

(۱) اعادہ: (الف) تمہید: دوسری مثال کی تلافی کی صورتیں ذکر کی گئی ہیں: اول یہ کہ سجدہ سہو سے کام لیا جائے۔ دوم یہ کہ نماز دوبارہ پڑھی جائے، بہت سے حضرات نے دوسری صورت کو واجب کی ایک مستقل قسم قرار دے کر اعادہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ (ب) تعریف: فعل اول کے مثل کا تمام صفات مشروعیت کے =

(ج) بے طہارت طواف کرنا (تلافی بذریعہ دَم یعنی قربانی) اوران صورتوں میں کوتاہی کا ارتکاب اگر بالقصد ہو تو گناہ و مواخذہ ہوگا۔(۱)

(ب) اداء مشابہ قضاء:

یعنی ادائیگی کی ایسی صورت جو بعض وجوہ سے ادا ہے اور بعض وجوہ سے قضا ہے۔

۱-تعریف:

واجب کو جس کیفیت کے ساتھ ادا کرنے کا التزام کیا ہو، اس کیفیت کے خلاف ادا کرنا۔

۲-حکم:

جس کیفیت کا التزام کیا گیا ہو، صورۃً اس کا باقی نہ رہنا، البتہ نوعیت و مقدار کا باقی رہنا۔

۳-مثال مع توضیح:

لاحق کی فوت شدہ نماز، کہ لاحق ابتداءً جماعت سے امام کے ساتھ نماز میں

= کے ساتھ کرنا (فواتح ج ۱ ص ۸۵، کشف ج ۱ ص ۱۳۵)۔ (ج) حکم: پہلی مرتبہ کرنے میں رہ جانے والے نقص کو ختم کرکے اپنے آپ کو مطالبے سے بری کرنا۔ (د) فرائض میں خلل "صفات مشروعیت" میں خلل اداء قاصر اور اعادہ دونوں کے عنوان کے تحت آتا ہے "فرائض" میں خلل کے ساتھ کسی کام کو کرنا ادا نہیں شمار ہوتا، اس صورت میں دوسری مرتبہ اس کام کو کرنا پہلی ہی ادائیگی کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے کہ پہلی مرتبہ کی ادائیگی کسی درجہ میں بھی معتبر نہیں تھی۔ اور صفات میں خلل کی صورت میں پہلی ادائیگی بھی معتبر ہوتی ہے۔ (ہ) اعادہ کا وجوب واستحباب: صفات مشروعیت کے تین حصے ہیں: واجبات، سنن اور مستحبات، ان میں سے کسی ایک میں بھی کوتاہی "اداء قاصر" کے تحت آتی ہے، البتہ واجبات میں نقص و کوتاہی کی اہمیت زیادہ ہے، اسی لیے اس صورت میں سجدہ سہو رکھا گیا ہے ورنہ دوسری نوبت ہو تو "اعادہ" واجب ہوتا ہے، اور اگر سنن و مستحبات میں کوتاہی ہو تو اعادہ مستحب ہوتا ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے ذکر کیا ہے (فواتح ج ۱ ص ۸۵، کشف ج ۱ ص ۱۳۵، شامی ج ۱ ص ۳۸۶-۳۸۷)۔

(۱) اصول الشاشی ص ۴۱-۴۲، حسامی ونظامی ص ۳۵-۳۷، التوضیح ص ۳۶۰-۳۶۱۔

شریک ہوتا ہے، اور امام کے ساتھ ہی پوری نماز کے ادا کرنے کا التزام کرتا ہے(۱)، اس لیے کہ امام کی اقتداء کی نیت کرتا ہے، پھر اسے کوئی حدث پیش آجاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کو وضو کے لیے جانا پڑتا ہے، اس وقت میں اس سے امام کی اقتداء اور بسا اوقات نماز کا بھی کچھ حصہ چھوٹ جاتا ہے، جسے وہ امام کے سلام کے بعد پورا کرتا ہے اور جس کیفیت کے ساتھ ادائیگی کا التزام کیا تھا یعنی امام کی اقتداء میں اور اس کے پیچھے، اس کیفیت کے بغیر ادا کرتا ہے۔

یہ نماز ادا یوں ہے کہ وقت کے اندر پڑھی گئی اور قضا یوں کہ جس کیفیت کے ساتھ ادائیگی کا التزام کیا گیا تھا وہ باقی نہیں رہی، یعنی امام کی اقتداء اور اس کے پیچھے ساتھ ساتھ نماز کا ادا کرنا باقی نہ رہ سکا۔

ادا ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ فوت شدہ حصہ کو پورا کر لینے پر مطالبہ ختم ہو جاتا ہے، اور قضاء کا فائدہ یہ ہے کہ اب نماز کی نوعیت نہیں بدل سکتی یعنی اگر لاحق مسافر ہو اور امام بھی مسافر رہا ہو اور فوت شدہ حصہ کی ادائیگی کے وقت لاحق اقامت کی نیت کرلے تو بھی اسے دو ہی رکعتیں پڑھنی ہوں گی، چار نہیں پڑھے گا، اس کی مسافرت کی نماز اقامت کی نماز سے نہیں بدلے گی۔(۲)

۳- اداء کی تعریف وتفصیلات معاملات کے حق میں:

آپ نے اداء کی جو تعریف اور تفصیلات ملاحظہ فرمائی ہیں، ان کا تعلق عبادات سے ہے۔

معاملات یعنی حقوق العباد میں بھی ان امور کا اعتبار ہے، تفصیل حسب ذیل ہے:

---

(۱) جماعت کی نماز میں شریک ہونے والے لوگ امام کے علاوہ مقتدی، لاحق اور مسبوق کہلاتے ہیں۔ ۱- مقتدی: جو شروع نماز سے آخر نماز تک برابر امام کے ساتھ شریک رہے۔ ۲- لاحق: جو شروع سے شریک ہو اور درمیان میں کسی عارض کے پیش آنے کی وجہ سے نماز کا کچھ حصہ امام کے ساتھ ادا نہ کر سکے۔ ۳- مسبوق: جو کم از کم ایک رکعت ہو جانے کے بعد شریک ہو۔ (۲) حسامی ص/ ۳۷، نور، ص/ ۳۶-۳۷، التوضیح ص/ ۳۶۱۔

(الف) تعریف ادا باعتبار معاملات:

عین واجب کو اس کے مستحق کے سپرد کر دنا۔

(ب) امثلہ:

۱- اداء کامل کی:

کسی کے غصب کردہ مال کو بعینہ اس کی اصل حالت میں مالک کو لوٹانا۔

۲- اداء قاصر کی:

کسی کے غصب کردہ غلام کو اس حال میں واپس کرنا کہ اس کے اوپر کسی کا کوئی حق واجب ہو چکا ہو۔

۳- اداء مشابہ قضاء کی:

مہر میں دوسرے کے غلام کا دینا طے کرنے کے بعد، اس غلام کو خرید کر عورت کے سپرد کرنا، یہ اداء ہے، بایں معنی کہ وہی غلام دیا گیا ہو جو طے کیا گیا تھا، اور قضاء بایں معنی ہے کہ جس وقت مہر میں دینا طے کیا گیا تھا، دوسرے کی ملکیت میں تھا اور دیتے وقت خود شوہر کی ملکیت تھا، تو ملکیت کے بدلنے کی وجہ سے گویا غلام بدل گیا(۱)، اس لیے کہ حکم یہی ہے کہ ملکیت بدلنے کی وجہ سے مال بدلا ہوا شمار ہوتا ہے۔

---

(۱) حسامی ص/۳۹-۴۰، نور، ص/۳۷، التوضیح ص/۳۶۳۔

قضاء

۱-تعریف:

مثل واجب کو کرنا۔(۱)

تنبیہ:

یہ تعریف عام مامورات کے اعتبار سے ہے، موقت مامور بہ جیسے نماز وغیرہ کے حق میں کہیں گے۔

مثل واجب کو غیر وقت میں کرنا۔(۲)

۲-توضیح:

واجب کے مثل کا مطالبہ اس وقت طے ہوتا ہے جبکہ عین واجب کو نہ کیا جاسکا ہو، خواہ قصداً ہو یا سہواً اور خواہ کرنے کی قدرت رہی ہو، پھر نہ کیا ہو، یا قدرت ہی نہ رہی ہو، اس لیے رہ گیا ہو، اور قدرت کا نہ ہونا خواہ شرعی مانع کی وجہ سے ہو، جیسے حیض روزہ کے حق میں۔

یا مانع عقلی کی وجہ سے ہو جیسے نماز کے حق میں نیند کہ سو گیا، اس لیے نماز وقت پر ادا نہ کرسکا۔(۳)(☆)

---

(۱) نور، ص/۳۳، التوضیح ص/۳۴۵۔(۲) فواتح ج/۱، ص/۸۵، کشف ج/۱، ص/۱۳۵۔(۳) فواتح ۱/ ۸۵۔

(☆) مذکورہ تفصیل سے ظاہر ہے کہ وجوب قضاء کا مدار وجوب اداء پر ہے، جس کے حق میں وجوب ادا پایا جائے گا، اسی پر قضاء کا وجوب ہوگا، مثلاً جو مسلمان نماز کے وقت کو اس حال میں پائے کہ اس سے نماز کا مطالبہ ہو اور وہ نہ پڑھ سکے تو اس پر قضا ہوگی، مثلاً عورت اگر نماز کے وقت کی آخری گھڑیوں میں بھی حیض سے پاک ہو جائے تو اس سے نماز کا مطالبہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، لہٰذا اس پر قضاء ہوگی اور اگر پورا وقت گزر جائے اور وہ پاک نہ ہو تو چونکہ اس پر اداء کا وجوب نہیں ہوگا، اس لیے قضاء کا وجوب بھی نہیں ہوگا، اسی لیے آپ پڑھیں گے کہ قضاء کے وجوب کا سبب وہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے اداء کا وجوب ہو (فواتح ج/۱، ص/۸۰، حسامی ص/ ۳۵-۳۶، نور، ص/۳۴-۳۵، التوضیح ص/۳۵۲۔

۳-اقسام:

دو ہیں: (الف) قضاء محض۔ (ب) قضاء مشابہ اداء۔

(الف) قضاء محض:

۱-تعریف:

مثل واجب کی اس طور پر ادائیگی کہ اس میں ادا کا کوئی پہلو نہ پایا جائے۔

۲-اقسام:

یا صورتیں اس کی بھی دو ہیں:

(الف) قضاء بمثل معقول۔ (ب) قضاء بمثل غیر معقول۔ (۱)

(الف) قضاء بمثل معقول:

۱-تعریف:

واجب کو ایسے مثل کے ذریعہ ادا کرنا کہ اس مثل اور اصل واجب کے درمیان مماثلت و یکسانیت عقلاً سمجھ میں آتی ہو۔

۲-ذریعہ ثبوت:

وہ نصوص جو اداء کی موجب ہوتی ہیں۔

۳-اقسام مثل معقول:

کی بھی دو ہیں: اول مثل معقول کامل اور دوم مثل معقول قاصر۔

اول مثل معقول کامل:

وہ مثل جو صورت و معنی دونوں کے اعتبار سے واجب سے مماثل ہو، جیسے نماز باجماعت کے بدلے نماز باجماعت۔

---

(۱) حسامی والنامی ص ۴۸، نور، ص ۴۸۔

دوم مثل معقول قاصر:

وہ مثل جو معنی کے اعتبار سے واجب کے مماثل (مشابہ) ہو، صورت سے اعتبار سے نہیں، جیسے نماز با جماعت کی جگہ تنہا نماز۔

۴- احکام قضاء بمثل معقول:

اصل یہ ہے کہ قضاء میں مثل معقول کامل اختیار کیا جائے، یعنی مثل صوری، معنوی دونوں موجود ہو، تو وہ مقدم و بہتر ہے، ورنہ مثل معنوی کافی ہوگا۔

(ب) قضاء بمثل غیر معقول:

۱- تعریف:

واجب کو ایسے مثل کے ذریعہ ادا کرنا کہ مثل اور اصل واجب کے درمیان مماثلت عقل میں نہ آتی ہو، بلکہ شریعت نے مثل بتایا ہو۔

۲- ذریعہ ثبوت:

اس کے وجوب کے لیے وجوب ادا پر دلالت کرنے والی آیت و نص کافی نہیں، بلکہ دوسری نص کی ضرورت ہوتی ہے، جو واجب و مثل کے درمیان شرعاً مماثلت کو بتاتی ہو۔

۳- حکم:

واجب کی عدم ادائیگی کی صورت میں اس کو اختیار کیا جائے گا، جبکہ حالات کی بناء پر یہی متعین ہو۔

۴- مثال:

روزہ کے بدلہ فدیہ کہ جب کسی کے لیے قضاء روزوں کی ادائیگی روزے سے ممکن نہ ہو تو وہ اس کی جگہ غلہ کی ایک خاص مقدار بطور فدیہ ادا کرے گا، حالانکہ

روزہ عملی عبادت ہے، اس کے درمیان اور فدیہ جو ایک مالی چیز ہے، اس کے درمیان مماثلت عقلاً سمجھ میں نہیں آتی، مگر آیات واحادیث سے یہی حکم ثابت ہے۔

(ب) قضاء شبیہ اداء:

۱-تعریف:

واجب کو اس طور پر کرنا کہ بعض وجوہ سے قضا اور بعض وجوہ سے اداء ہو۔

۲-حکم:

یہ صورت ادا کی کفایت کرے گی۔

۳-مثال:

تکبیرات عیدین کی قضاء، اگر کوئی شخص کھڑے ہونے کی حالت میں تکبیر نہ کہہ سکے اور موقع ہو تو رکوع کی حالت میں تکبیر کہے گا، یہ قضاء ہے بایں معنی کہ اپنے اصل محل یعنی قیام کی حالت میں نہیں ہے، اور اداء ہے بایں معنی کہ رکوع نصف قیام ہے، اس لیے گویا قیام کی حالت میں ہی ان کو ادا کیا گیا۔(۱)

۴-تفصیلات قضاء باعتبار حقوق العباد:

مذکورہ بالا تعریف و تفصیل عبادات کے اعتبار سے ہے، حقوق العباد کے اعتبار سے تفصیل درج ذیل ہے۔

(الف) تعریف:

اپنے پاس سے واجب کے مثل کو اس کے مستحق کے سپرد کرنا۔

(ب) امثلہ باعتبار اقسام:

۱-قضاء بمثل معقول کامل، گیہوں کے بدلہ گیہوں دینا۔

۲-قضاء بمثل معقول قاصر، کپڑے کی جگہ اس کی قیمت، کہ کسی چیز کی قیمت

---

(۱) التوضیح ص/۳۶۱-۳۶۳، حسامی ونظامی ص/۳۸، نور، ص/۳۸-۳۹، اصول وعمدہ ص/۴۴-۴۶۔

معنیٰ اس کا مثل سمجھی جاتی ہے۔

۳۔ قضاء بمثل غیر معقول، قتل یا زخم کا خون بہا و معاوضہ، کہ انسانی جسم و اعضاء اور اس کے مقابلہ میں دیا جانے والا مال و معاوضہ دونوں کے درمیان عقلاً کوئی مماثلت و مناسبت نہیں ہے، مگر شریعت کا حکم یہی ہے۔

۴۔ قضاء شبیہ ادا، مہر میں طے کردہ ایک غلام کی جگہ اس کی قیمت دینا، یہ بایں معنی قضاء ہے کہ اصل طے شدہ کا مثل ہے، اور بایں معنی اداء ہے کہ غلام متعین نہیں، اس لیے اگر غلام ہی دیا جائے تو متوسط درجہ کا دیا جائے گا، اور سامانوں میں درجات کا تعین قیمت پر موقوف ہے، اس لحاظ سے قیمت ہی اصل ہے۔

لہٰذا اس کا دینا عین واجب کا دینا ہے۔(۱)

(۱) التوضیح ص/ ۳۶۷-۳۷۰، حسامی ص/ ۴۰، نور، ص/ ۴۰-۴۱۔

مبحث دوم

نہی

۱-تعریف:

(الف) لغوی: روکنا، منع کرنا۔

(ب) اصطلاحی: برتری کے ساتھ لازمی طور پر کسی کام کے نہ کرنے کا مطالبہ کرنا۔

برتری خواہ حقیقی ہو کہ واقعتہً پائی جاتی ہو یا فرضی کہ مطالبہ کرنے والا خود سمجھتا محسوس کرتا ہو۔

۲-ذریعہ ثبوت:

وہ الفاظ ہیں جن سے لازمی طور پر کسی کام کے کرنے کی ممانعت اور نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے، جن کی چار اصولی صورتیں ہیں:

(الف) فعل نہی، یعنی وہ الفاظ وافعال جو اپنی صورت کے اعتبار سے اسی معنیٰ کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

(ب) ممانعت پر دلالت کرنے والے کلمات یعنی وہ الفاظ وافعال جن کے لغوی معنی روکنے ومنع کرنے کے ہیں، جیسے نهی (منع کیا، روکا) اور منع اور حرّم وغیرہ یا رکنے وباز رہنے کے معنی ہیں، جیسے کفّ ، امتنع، أتركُ و ذَرُ و دَعْ وغیرہ۔

(ج) وہ خبریہ جملے و افعال جن کو اسی مفہوم کے لیے استعمال کیا گیا ہو، جیسے "حرمت علیکم امھاتکم" کا لغوی مفہوم رکنے اور باز رہنے کا نہیں ہے، بلکہ بطور بیان واقعہ کے ہے، مگر یہاں یہی مفہوم مراد ہے۔

(د) کسی چیز کی بابت حلت کی نفی و انکار جیسے "لایحل لکم أن ترثوا النساء کرھا" (جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ)(۱)

۳- احکام:

(الف) نہی سے اصلاً اور عموماً ہمیشہ کے لیے حرمت کا ثبوت ہوتا ہے، خواہ نہی کسی چیز سے متعلق اس کے وجوب کے بعد ہو یا وجوب کے بغیر۔(۲)

یہ حرمت کبھی بمقابلہ فرض اور کبھی بمقابلہ وجوب یعنی کراہت تحریمہ کی صورت میں ہوتی ہے۔

(ب) نہی سے کراہت تنزیہیہ کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔(۳)

(ج) قرائن کی بنا پر نہی کا استعمال دوسرے معانی میں بھی ہوتا ہے، تفصیل بلاغت کی کتابوں اور اصول فقہ کی بڑی کتابوں میں ملے گی۔(۴)

(د) نہی منہی عنہ یعنی امر ممنوع کے حق میں "قبح" یعنی برائی و ناپسندیدگی کا تقاضا کرتا ہے، اسی قبح کی یا یوں کہیے کہ قبح کے اعتبار سے خود منہی عنہ کی دو اقسام ہیں:

(الف) قبیح لعینہ۔ (ب) قبیح لغیرہ۔(۵)(☆☆)

---

(۱) تفسیر النصوص ج ۲، ص ۳۷۸۔ (۲) فواتح ج ۱، ص ۲۹۶-۳۰۲، التحریر ج ۱، ص ۳۲۹۔ (۳) تفسیر ج ۲، ص ۳۷۹-۳۸۲۔ (۴) کشف ج ۱، ص ۲۵۶، فواتح ج ۱، ص ۳۹۵، تفسیر ج ۲، ص ۳۷۹، ۱۷۱، ص ۲۰۶۔ (۵) کشف ج ۱، ص ۲۹۰-۲۹۱۔ (☆☆) یہاں نہی کی چار اقسام ذکر کی گئی ہیں، ان امور میں سے نہی سے حرمت کا اور کراہت کا ثبوت اور بعض دوسرے معانی میں ہے، باقی تین سے کراہت تحریمہ کا ثبوت ہوتا ہے، قرائن کی بناء پر پہلی سے بھی کراہت تحریمہ کا ثبوت ہوتا ہے، جیسے کہ کراہت تنزیہہ کے لیے ان تمام اقسام کا کسی قسم اول کا بھی استعمال ہوتا ہے۔

(الف)

قبیح لعینہٖ

۱۔تعریف:

وہ امر ممنوع جس کا قبح خود اس کے اندر پائے جانے والے کسی وصف کی وجہ سے ہو۔

۲۔اقسام: اس کی بھی دو ہیں:

(الف) قبیح لعینہٖ وضعاً۔(ب) قبیح لعینہٖ شرعاً۔

(الف) قبیح لعینہٖ وضعاً (جس کو "قبیح لذاتہٖ" بھی کہتے ہیں):

۱۔تعریف:

وہ امر جو اپنی ذات و وضع کے اعتبار سے قبیح ہو، یعنی عقل اس کے قبح کا تقاضا کرتی ہے۔

۲۔مثال:

کفر و شرک، اپنی وضع کے اعتبار سے ہی قبیح ہیں، اس لیے کہ ان کی وضع محسن کی ناشکری، اور اس نسبت سے اللہ کی نافرمانی و ناشکری کے لیے ہے، اس لیے عقل ان کو برا کہتی ہے۔

(ب) قبیح لعینہٖ شرعاً: (جس کو "قبیح لوصفہٖ" بھی کہتے ہیں)

۱۔تعریف:

وہ امر جس کو شریعت نے کسی وصف کی وجہ سے برا بتایا ہو، اگرچہ عقل اس کی برائی کو نہ سمجھتی ہو۔

۲-صورتیں: اس کی بھی دو ہیں:

(الف) قبیح بر بناء عدم اہلیت اور (ب) قبیح بر بناء عدم محلیت۔

(الف) قبیح بر بناء عدم اہلیت:

۱-تعریف:

وہ امر جس کو شریعت نے عدم اہلیت کی وجہ سے قبیح بتایا ہو۔

۲-مثال:

حالت ناپاکی میں نماز، کہ نماز ایک پسندیدہ عمل ہے، عقل ہر حال میں اسے اچھا ہی سمجھتی ہے، اس لیے کہ وہ محسن کے شکر کی بجا آوری ہے، مگر اس حال میں شریعت نے اسے قبیح بتا کر ممنوع قرار دیا ہے، بایں معنی کہ مُحدِث (ناپاک شخص) کو نماز کی ادائیگی کا اہل نہیں قرار دیتی۔

(ب) قبیح بر بناء عدم محلیت:

۱-تعریف:

وہ امر جس کو شریعت نے کسی عمل کا محل نہ ہونیکی وجہ سے قبیح بتایا ہو۔

۲-مثال:

آزاد کو بیچنا، کہ بیچنا عقلاً ایک پسندیدہ و جائز امر ہے، مگر شریعت نے اس بیع کو ممنوع قرار دیا ہے، بایں معنی کہ آزاد کو خرید و فروخت کا محل نہیں قرار دیتی، ایسے ہی مردار اور شراب و خون وغیرہ کو بیچنا۔

۳-حکم:

قبیح لعینہ کی تمام اقسام کا یہ ہے کہ کسی حال میں اور کسی کے لیے جائز نہیں، یعنی اقسام احکام میں سے حرام کے تحت داخل ہے اور اس کی حرمت منسوخ نہیں ہوتی۔(۱)

---

(۱) کشف ج ۱/ص ۲۶۲، حسامی ص ۴۲، اصول ص/۴۲، فواتح ج/۱/ص ۳۰۵و۶۷-۶۸، تیسیر الصول ج/۲/ص/۳۹۶۔

(ب)

قبیح لغیرہ

۱-تعریف:

وہ امر ممنوع جس کا قبح خود اس کے ذاتی وصف کی وجہ سے نہ ہو بلکہ تعلق رکھنے والی کسی چیز کی وجہ سے اسے قبیح قرار دیا گیا ہو۔

۲-اقسام:

دو ہیں: (الف) قبیح لغیرہ باعتبار وصف۔ (ب) قبیح لغیرہ باعتبار جمع۔

(الف) قبیح لغیرہ باعتبار وصف:

۱-تعریف:

وہ امر جس کا قبح کسی غیر مشروع وصف کو اختیار کر لینے کی وجہ سے ہو۔

۲-حکم:

ایسا امر اپنی ذات واصل کے اعتبار سے صحیح ومشروع اور اس وصف کے اعتبار سے غیر مشروع ہوتا ہے۔(۱)

اس لیے ایسے معاملات کو ختم کر دینا چاہیے، اگر ختم نہ کیا جائے تو اس پر

---

(۱) عبادات میں عید و بقرعید کا روزہ اس کی مثال ہے کہ نفس روزہ ایک پسندیدہ ومطلوب عمل ہے، اور عید و بقرعید کا دن اللہ کی جانب سے عام مہمانی یعنی کھانے پینے کی اجازت کا دن ہے، اور روزہ دن کو ہی رکھا جاتا ہے، اور یہ ممکن نہیں کہ روزہ بھی رکھ لے اور اس دن کا تقاضا بھی پورا کردے، اس لیے کہ روزہ پورے دن رہتا ہے، اور وقت روزہ کے لیے وصف کے درجہ میں ہے، اس لیے اس دن روزہ رکھنا اللہ کی ضیافت سے اعراض اور روزہ کے ساتھ ایک غیر مشروع وصف کو اختیار کرنا ہے، اگر کوئی روزہ رکھے تو اسے توڑ دینا چاہیے اور توڑنے کی وجہ سے قضا واجب نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ روزہ شمار نہیں ہوا، البتہ اگر کسی نے ان دونوں دنوں میں روزے کی نذر مانی اور دونوں میں روزہ رکھ لیا تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔ (التحریر ج ۱، ص ۳۳۴، التوضیح ج ۱، ص ۲۱۶-۲۱۷، نور وقمر، ص ۶۱-۶۲، حسامی ونظامی ص ۴۰)۔

احکام مرتب ہوتے ہیں، مگر حکم شرع کا خیال نہ رکھنے کا گناہ بھی پڑتا ہے۔

۳-مثال:

کسی ایسی شرط کے ساتھ خرید وفروخت جسے شریعت منع کرتی ہے، یہ ممنوع ہے، اگر کرے تو ختم کر دینا چاہیے، اگرچہ لین دین ہو چکا ہو، اور اگر لین دین کے بعد ختم نہ کیا جائے تو جانبین کو ملکیت کا فائدہ ہوگا مگر شریعت کی ممانعت کا لحاظ نہ کرنے کے گناہ کے ساتھ۔(۱)

(ب) قبیح لغیرہ باعتبار جمع: (☆)

۱-تعریف:

وہ امر ممنوع جس کو شریعت نے کسی غیر کے ساتھ پائے جانے کی وجہ سے قبیح قرار دیا ہو۔

۲-حکم:

ممانعت کے باوجود ایسا کام کر لینے پر معتبر قرار پاتا ہے اور اس پر احکام مرتب ہوتے ہیں، مگر شرع کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے قباحت کے ساتھ۔

۳-مثال:

اذان (۲) جمعہ سے لے کر نماز جمعہ کے ختم ہونے تک خرید وفروخت اور تمام وہ کام جو نماز سے مشغول رکھیں۔

ایسے تمام معاملات وکام منع ہیں، لیکن اس وقت میں کیے گئے خرید وفروخت

(۱) حسامی مع نظامی ص/ ۴۷۔ (۲) عبادات میں اس کی مثال کسی کی غصب کردہ زمین میں پڑھی جانے والی نماز ہے، نماز ایک مشروع عمل ہے مگر غصب کردہ زمین میں پڑھنے کی وجہ سے اس میں قباحت پیدا ہوگئی، حالانکہ نماز اپنی ملکیت میں یا دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہے، تاہم ایسی نماز معتبر ہے اور اس کو توڑنے کا حکم نہیں ہے۔ (حسامی مع نظامی ص/ ۴۶)۔

(☆) بعض لوگ اول کو قبیح بر بناء خارج لازم اور دوم کو قبیح بر بناء خارج غیر لازم بھی کہتے ہیں۔

وغیرہ کے تمام معاملات قباحت وگناہ کے ساتھ معتبر قرار پاتے ہیں، ان کو ختم کردینے کا حکم نہیں ہے، سامان وقیمت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

۳-حکم مجموعی ہر دو اقسام:

دونوں اقسام کے احکام ذکر کردیے گئے ہیں، مجموعی طور پر دونوں میں ممانعت کراہت تحریمہ کے درجہ کی ہوتی ہے، البتہ پہلی میں کراہت کے ساتھ فساد کا حکم لگتا ہے، اور دوسری میں صرف کراہت کا حکم ہوتا ہے(۱) اور اسی لیے پہلی قسم کو فقہاء "فاسد" اور دوسری کو "مکروہ" کا عنوان دیتے ہیں اور قبیح لعینہ کی صورتوں کو "باطل" کہتے ہیں۔

۴-مذکورہ اقسام اور شریعت کے ممنوع اعمال:

فقہاء نے تمام افعال کی دو قسمیں کی ہیں

(الف) افعال حسیہ اور (ب) افعال شرعیہ۔

(الف) افعال حسیہ

۱-تعریف:

وہ افعال جو شریعت کی آمد سے پہلے سے موجود ہیں، اور شریعت نے ان کی

---

(۱) [illegible]

صورت ومفہوم میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

۲-مثال:

قتل، زنا، چوری، یہ افعال شریعت کی آمد سے پہلے موجود تھے، شریعت نے ان کے حق میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔

(ب) افعال شرعیہ:

۱-تعریف:

وہ افعال جن کی موجودہ صورت وحکم سے تعارف شریعت کے ذریعہ ہوا، خواہ وہ شریعت کی آمد سے پہلے رہے ہوں اور شریعت نے ان کے حق میں کچھ تبدیلی کی ہو، یا ان کا وجود وعلم ہی شریعت کے ذریعہ ہوا ہو۔

۲-مثال:

نماز کو کسی ایسے وصف کے ساتھ ادا کرنا کہ نفس نماز اور فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جائے اور وہ وصف باعث گناہ قرار پائے، جیسے غصب کردہ زمین پر نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے، فریضہ ادا ہو جاتا ہے مگر کراہت تحریمی کے گناہ کے ساتھ۔

(ج) احکام:

۱-افعال حسیہ کی ممانعت قبیح لعینہ کے تحت آتی ہے، اس لیے کسی صورت میں اور کسی کے لیے جائز نہیں ہوتے، یعنی ممنوع افعال حسیہ حرام ہوتے ہیں۔

۲-افعال شرعیہ کی ممانعت قبیح لغیرہ کی دونوں اقسام کے تحت آتی ہے(۱)

---

(۱) (الف) کبھی افعال حسیہ کی ممانعت قبیح لغیرہ پر بھی محمول ہوتی ہے جیسے حالت حیض میں وطی کہ یہ عمل حسًا برا اور مذموم ہے مگر دلیل شرعی کی بنا پر اسے قبیح لغیرہ قرار دیا گیا ہے، اور وہ دلیل آیت ہے جس میں حیض کے ''اذیٰ''، یعنی باعث تکلیف امر ہونے کی وجہ سے اس سے روکا گیا ہے۔ (ب) کبھی قرائن کی بنا پر افعال شرعیہ کی ممانعت، قبیح لعینہ پر محمول ہوتی ہے، ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی فعل شرعی کو اس طور پر کیا جائے کہ وہ کسی درجہ میں بھی صحیح و معتبر نہ ہو، یعنی اس کے فرائض یا صحت کے شرائط میں کوئی کمی رہ جائے جیسے ناپاکی کی حالت میں نماز یا قبلہ رخ کیے بغیر نماز۔ (حسامی مع نظامی ص/۴۶-۴۷، تفسیر ج/۲،ص/۳۹۶-۳۹۸، التوضیح ج/۱،ص/۲۱۶)۔

یعنی ممنوع افعال شرعیہ مکروہ ہیں، خواہ مکروہ تحریمی ہوں یا مکروہ تنزیہی۔(۱)

۵- نہی اور فساد:

کبھی فقہاء ممنوع طریقہ پر کسی کام کے کرنے پر "فساد" کا حکم لگاتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں "صحت" کی تعبیر لاتے ہیں۔

یہ دونوں تعبیرات عبادات کے حق میں بھی استعمال ہوتی ہے اور معاملات کے حق میں بھی اور دونوں کے اعتبار سے فقہاء ان دونوں الفاظ کے مفہوم میں فرق کرتے ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:

(الف) عبادات کے حق میں:

۱-صحت:

کسی عبادت کا اس طور پر کرنا کہ اس کا مطالبہ ذمہ سے ساقط ہو جائے۔

۲-فساد:

کسی عبادت کو اس طور پر انجام دینا کہ مطالبہ ذمہ سے ساقط نہ ہو۔

(ب) معاملات کے حق میں:

۱-صحت:

کسی معاملہ کا اس طور پر کرنا کہ اس سے مقصود حکم اس پر مرتب ہو۔

۲-فساد:

کی دو شقیں ہیں:

ایک کو فساد محض اور دوسری کو بطلان سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

(۱) کشف ج/۱، ص/۲۵۶، تفسیر ج/۲، ص/۳۸۹-۳۹۰، ۳۹۸، التوضیح ج/۱، ص/۳۱۶-۳۱۷، التحریر ج/۱،ص/۳۳۰۔

(الف) فسادِ محض:

۱-تعریف:

کسی معاملہ کا اس طور پر کرنا کہ اصل کے اعتبار سے منعقد اور وصف کے اعتبار سے غیر منعقد ہو۔

۲-حکم:

قباحت وگناہ کے باوجود مفید حکم ہونا۔

۳-مثال:

قبیح لغیرہ کی پہلی دونوں صورتوں میں اسی قسم کا فساد پایا جاتا ہے۔

(ب) بطلان:

۱-تعریف:

معاملہ کا اس طور پر کرنا کہ اصل یا وصف کسی اعتبار سے منعقد نہ ہو۔

۲-حکم:

کسی اعتبار سے مفید نہ ہونا بلکہ موجب گناہ ہونا۔

۳-مثال:

قبیح لعینہ کی صورتیں اس کے تحت آتی ہیں، مثلاً آزاد آدمی یا شراب وغیرہ کو بیچنا۔

فقہاء قسم اول کے معاملات کو عموماً ''فاسد'' اور دوم کے معاملات کو عموماً ''باطل'' کا عنوان دیتے ہیں (۱)، اور عبادات میں نیز نکاح میں فساد و بطلان کے درمیان عموماً فرق نہیں کرتے، بلکہ فرق کا انکار کیا ہے، نماز کے فاسد و باطل ہونے کا نیز نکاح کے فاسد و باطل ہونے کا ایک ہی مفہوم ہے۔

---

(۱) تفسیر ج/۲،ص/ ۲۰۸-۲۱۰، کشف ج/۱،ص/ ۲۵۸-۲۵۹، التوضیح ج/۱،ص/ ۲۱۹-۲۲۰۔

مبحث سوم

مطلق و مقید

۱- مطلق:

(الف) تعریف: ۱- لغوی: آزاد۔

۲- اصطلاحی: وہ خاص جو اپنے حقیقی معنی پر بغیر کسی قید کے دلالت کرے۔

(ب) مثال:

انسان رجل، طائر، کہ ان الفاظ سے محض ان کے حقیقی معانی کسی قسم کی قید کے بغیر مراد ہیں۔

۲- مقید:

(الف) تعریف:

وہ خاص جو اپنے حقیقی معنی پر کسی قید کے اضافہ کے ساتھ دلالت کرے۔(۱)

(ب) قید:

قید سے ایسی تمام چیزیں مراد ہیں جن کی بناء پر مطلق اپنے حال پر باقی نہ رہے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں:

۱- صفت۔ ۲- شرط۔ ۳- زمان۔ ۴- مکان۔ ۵- عدد۔ ۶- حال۔(۲)

(۱) فواتح [illegible] ص ۳۶۰-۳۶۱، التوضیح ص ۶۹ [illegible] ص ۳۱۳ [illegible]
[illegible] ص ۸، ۱۵۱ [illegible] نے [illegible] تعریف [illegible]
غیر متعین [illegible] پر دلالت کرے اور مقید وہ خاص جو اپنے افراد میں سے [illegible]

۳-احکام:

مطلق کو اس کے اطلاق پر رکھنا اور مقید کو قید پر یعنی مطلق پر کسی قید کے اضافہ کے بغیر اور مقید پر قید کی رعایت کے ساتھ عمل کرنا۔(۱)

لہٰذا مطلق پر عمل کے لیے خاص کے مصداق افراد میں سے کسی ایک پر عمل کافی ہے اور مقید پر عمل کے لیے کسی ایسے افراد کی ضرورت ہوگی جس میں مذکورہ قید پائی جاتی ہو۔

۴-امثلہ:

قسم اور قتل دونوں کے کفارہ میں ایک غلام کو آزاد کرنے کا حکم ہے، البتہ قسم کے کفارے میں محض غلام کا ذکر ہے، کوئی قید نہیں لگی ہے، اور قتل کے کفارے میں غلام کے ساتھ مؤمن ہونے کی قید لگی ہے۔

اس لیے قسم کے کفارے میں کوئی بھی غلام آزاد کیا جا سکتا ہے، مسلمان ہو یا کافر، اور قتل کے کفارے والے غلام کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

۵-مطلق کا مقید حمل:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز جس کا بیان و ذکر چند مواقع پر ہوتا ہے، اس سے متعلق نصوص میں اطلاق و تقیید دونوں آتے ہیں، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت حال میں اطلاق پر عمل کیا جائے یا تقیید پر اور چونکہ ہر ایسی نص جس میں کسی حکم کو بیان کیا گیا ہو، دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے، ایک حکم دوسری حکم کا سبب اور اطلاق و تقیید کا تعلق دونوں میں سے ہر ایک سے ہوسکتا ہے، حکم میں اطلاق و تقیید کی کل چار

... (فواتح ج ۱، ص ۳۶۱-۳۶۲، التوضیح ص ۱۶۹، المدخل ص ۲۱۲، اصول الخلاف ص ۱۵۰) ... نشین رہے کہ مطلق و مقید کا تعلق خاص فردی سے نہیں ... (تفسیر ج ۲، ص ۱۸۷)۔

(۱) ... ج ۲، ص ۱۹۲-۱۹۵، التوضیح ص ۱۶۹۔

صورتیں نکلتی ہیں، جن کے الگ الگ احکام ہیں:

(ا) متحد السبب متحد الحکم۔ (ب) متحد السبب مختلف الحکم۔

(ج) مختلف السبب متحد الحکم۔ (د) مختلف السبب مختلف الحکم۔

ان میں سے پہلی میں مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں، یعنی مطلق کو مقید قرار دیتے ہیں، اور باقی تین میں نہیں، اور سبب کے ساتھ دونوں کے تعلق کی ایک صورت ہے، تفصیل ملاحظہ ہو۔

(الف) متحد السبب متحد الحکم:

یعنی ایک چیز سے متعلق حکم وسبب دونوں ایک ہوں۔

اس صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کریں گے، جیسے قرآن مجید میں حرام اشیاء کے ضمن میں ''خون'' کا تذکرہ ہے، سورہ مائدہ میں اس کا ذکر بغیر کسی قید اور سورہ انعام (ا) میں ''مفسوح'' یعنی بہنے والے کی قید لگی ہے، اور حکم یعنی خون کی حرمت اور اس کا سبب یعنی نجاست وقباحت ایک ہیں، اس لیے مطلق کو مقید قرار دیا جائے گا، اور اگر یہ معلوم ہو کہ کون پہلے اور کون بعد میں ہے تو بعد والی نص کو ناسخ اور پہلے والی کو منسوخ قرار دیں گے۔ (۲)

(ب) متحد السبب مختلف الحکم:

یعنی ایک چیز سے متعلق سبب تو ایک ہو مگر حکم مختلف ہو۔

جیسے وضو (۳) و تیمم، طہارت کی صورتیں ہیں، ان کا سبب ایک ہے، یعنی ارادہ نماز اور حکم مختلف کہ وضو کا چار اعضاء سے اور تیمم کا دو ہی سے تعلق ہے، ایک کو دوسرے پر نہیں محمول کریں گے۔

(ج) مختلف السبب متحد الحکم:

یعنی اسباب متعدد و مختلف ہوں اور حکم ایک ہو۔

---

(۱) المائدہ/۳، الانعام/۱۴۵۔ (۲) فواتح ج/۱، ص/۳۶۲-۳۶۳، المدخل ص/۲۱۴۔ (۳) المائدہ/۶۔

جیسے قتل خطا اور قسم دونوں کے کفارے میں غلام کے آزاد کرنے کا ذکر ہے، اول کے ساتھ ایمان کی قید لگی ہے اور دوم کے ساتھ نہیں اور اسباب متعدد ہیں، یعنی قتل اور قسم، اور حکم ایک ہے، یعنی غلام کی آزادی، مطلق کو مقید نہیں قرار دیں گے، قتل میں قید ایمان کا لحاظ ضروری ہے اور کفارہ قسم میں نہیں۔

(د) مختلف السبب مختلف الحکم:

یعنی اسباب بھی مختلف ہوں اور احکام بھی، مثلاً چوری کی سزا اور وضو، دونوں کے سلسلہ میں ہاتھ کا ذکر ہے، چوری کے سلسلہ میں بغیر کسی قید کے اور وضو کے سلسلہ میں کہنیوں کی قید لگی ہے (۱) اور اسباب بھی مختلف ہیں، کہ ایک جگہ چوری ہے اور ایک جگہ ارادۂ نماز، اور احکام بھی، کہ چوری میں ہاتھ کا کاٹنا ہے اور وضو میں دھلنا ہے، اس صورت میں بھی مطلق کو اپنے حال پر رکھیں گے اور چوری کی سزا میں وضو کی آیت کی وجہ سے کہنیوں کی قید نہیں لگے گی۔

(ہ) اسباب کے ساتھ اطلاق وتقیید:

کی صورت میں حکم ایک ہوتا ہے، اور اس میں بھی مطلق کو مقید نہیں قرار دیتے، بلکہ دونوں پر عمل کرتے ہیں، مثلاً صدقہ فطر کے سبب کے سلسلہ میں بعض احادیث میں محض کفالت و پرورش کی بنیاد پر صدقہ فطر دینے کا حکم ہے، غلام خواہ کافر ہو یا مسلم اور بعض میں اسلام کی قید لگی ہے (۲) تو مطلق کو مقید نہیں قرار دیں گے، اور ہر غلام خواہ مسلمان ہو یا کافر سب کی جانب سے صدقہ فطر ادا کیا جائے گا۔ (۳) (☆)

---

(۱) النساء/۹۲، المائدہ/۸۹۔ (۲) باب صدقۃ الفطر، مشکوٰۃ، اطلاق والی ابوداؤد ونسائی کی روایت ہے۔ (۳) فواتح ج/۱، ص/۳۶۱-۳۶۶، حسامی ونظامی ص/۲۵-۲۷، نور وقمر ص/۱۵۸-۱۶۰، کشف ج/۱، ص/۲۰۸-۲۰۱، تفسیر ج/۲، ص/۲۰۸-۲۱۶۔ (☆) شرائط حمل: (الف) کوئی دلیل حمل سے یعنی مطلق کو مقید ماننے وقرار دینے سے مانع نہ ہو۔ (ب) مطلق ومقید پر عمل وجمع کی کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو۔ (ج) حمل کی وجہ سے حکم کی ذات وعدد میں کوئی تبدیلی نہ ہو، بس حال ووصف بدل جائے۔ (د) مقید کے ساتھ کوئی ایسی تصریح وبیان نہ ہو جو اس قید کو خاص قرار دے۔ (ہ) اگر ایسے امر کا تذکرہ متعدد مواقع پر ہو تو مطلق یعنی بغیر کسی قید کے ہو۔ (و) حمل کا تعلق امر واثبات سے ہو، نہی ونفی سے نہ ہو۔ (تفسیر ج/۱، ص/۲۲۸، فواتح ج/۱، ص/۳۶۱، التوضیح ص/۱۶۹)۔

فصل دوم

عام

(لفظ کی معنی موضوع لہ کے اعتبار سے دوسری قسم)

۱-تعریف:

وہ لفظ جس کو ایک معنی ومفہوم کے غیر محصور افراد کے لیے ایک ہی مرتبہ میں وضع کیا گیا ہو۔(۱)

۲-عام ومطلق کے درمیان فرق:

یہ ہے کہ عام بیک وقت اپنے تمام افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور مطلق کا اطلاق اپنے افراد میں سے کسی ایک غیر متعین پر ہوتا ہے، اس لیے ایک کے بجائے دوسرا بطور بدل (۲) یعنی دوسرے کی جگہ مراد ہوتا ہے، جیسے "تحریر رقبة" میں۔

---

(۱) کشف ج ۱، ص/۳۳، التوضیح ص/۸۱، تفسیر ج ۲، ص ۱۰، اصول الخلاف ص ۱۸۱۔ (۲) (الف) تعریف مذکور میں ایک ہی معنی ومفہوم کے افراد کی قید سے ایک جنس ونوع کے افراد مراد ہیں، اور یہ قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ عام کے معنی بھی ایک ہوتے ہیں، جیسے خاص کے البتہ فرق وضع میں افراد کے لحاظ وعدم لحاظ کا ہوتا ہے۔
(ب) عام کے غیر محصور افراد کے مجموعہ ہونے کی اصولی دو صورتیں ہیں، اول لفظ کا باعتبار صیغہ عموم کا مقتضی ہونا یعنی اس کا صیغہ وصورت ہی عموم وجماعت کے لیے ہو جیسے تمام الفاظ جمع، دوم لفظ کے معنی کا عام ہونا اگرچہ صیغہ جماعت کے لیے نہ ہو، پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں، اول معنی موضوع لہ کا پوری جماعت پر صادق ہو جانا جیسے "من وما" (بمعنی جو) کہ ان کا مصداق ایک فرد بھی ہو سکتا ہے اور ہر ایک بھی، دوم جماعت پر اطلاق کے لیے وضع کیا جانا جیسے قوم ورہط وغیرہ جو الفاظ تین تو تین اور اس سے زائد افراد کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ (التوضیح ص ۱۲۸، نظامی ص/د، نور ص/۶۷)۔

''رقبہ'' مطلق ہے، عام نہیں، اس لیے کہ اس سے کوئی ایک فرد مراد ہے، اور لفظ ''رقاب'' عام ہے کہ اس سے تمام افراد مراد ہیں۔(۱)(☆)

۴- الفاظ عموم:

۱- وہ تمام اسماء جن پر ''ال'' استغراقی داخل ہو، خواہ جمع کی کوئی قسم ہو، اور اسم جمع واسم جنس ہو یا اسم مفرد۔

۲- جمع نکرہ- نزد بعض۔

۳- وہ اسماء جن پر ''ال'' جنسی داخل ہو- نزد بعض۔

۴- واحد یا جمع جو معرفہ کے طرف مضاف ہو، اور اضافت استغراق کے لیے ہو۔

۵- اسماء شرط۔ ۶- اسماء استفہام۔

۷- اسماء موصولہ، خواہ کوئی صیغہ وصورت ہو، جبکہ ان کا استعمال متعین افراد کے لیے نہ ہو۔

۸- نکرہ نفی کے تحت۔ ۹- نکرہ شرط کے تحت۔

۱۰- نکرہ جس کی صفت کوئی عام وصف ہو۔

۱۱- نکرہ اثبات کے تحت، بعض مواقع پر، جیسے "علمت نفس ما أحضرت" أي علمت كل نفس ما أحضرت.

۱۲- وہ اسماء جن کی طرف کل (۲) یا جمیع یا ان کے جیسے الفاظ کی اضافت ہو۔

---

(۱) تفسیر ج/۲، ص/۱۱-۱۲، ارشاد، ص/۱۰۔ (۲) کل کا مضاف الیہ اسم نکرہ بھی ہوتا ہے اور معرفہ بھی، اگر نکرہ مفرد مضاف الیہ ہو تو عموم افراد کا فائدہ دیتا ہے، یعنی مضاف الیہ کے تمام افراد پر دلالت کرتا ہے، ''کل عبد'' سے تمام غلام مراد ہیں اور اگر مفرد معرفہ ہو تو عموم اجزاء کا فائدہ دیتا ہے یعنی مضاف الیہ کے تمام اجزاء پر دلالت کرتا ہے جیسے ''کل العبد'' کہ اس سے غلام کے بدن کے تمام اجزاء واعضاء مراد ہوتے ہیں۔ (نور، ص/۷۶)۔

(☆) اصولیین کی اصطلاح میں اسی مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ عام کا عموم شمولی اور مطلق کا بدلی ہوتا ہے۔ (تفسیر ج/۲، ص/۱۱-۱۲، ارشاد، ص/۱۰۷)۔

۱۳-تمام وہ اسماء جو جماعت وجمعیت کے معنی دیتے ہیں، جیسے معشر، معاشر، عامة، کافة، قاطبة، رهط، قوم، جماعة، جمع، جميع وغیرہ۔(۱)

۴-اقسام واحکام:

(الف) عام کا ایک عام حکم یہ ہے کہ عمل کے حق میں لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے، اوراس سبب کا نہیں جو اس لفظ عام کے لیے کسی حکم کے بیان کا باعث بنا ہو، بہت سے احکام کی آیات کا نزول خاص واقعات کی بناء پر محض افراد کے حق میں ہوا ہے، مگر چونکہ الفاظ عام ہیں، اس لیے حکم عام قرار دیا گیا ہے، مثلاً چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کی آیت خاص واقعہ پر نازل ہوئی ہے، مگر حکم عام رکھا گیا ہے، اس لیے کہ لفظ عام ہے۔(۲)

(ب) اس کے علاوہ احکام عام کی اقسام کے اعتبار سے مختلف ہیں اور عام کی اصولی دو اقسام ہیں:

۱-عام محمول برعموم۔۲-عام محمول برخصوص۔

۱-عام محمول برعموم:

(الف) تعریف:

وہ عام جو اپنے عموم پر محمول ہو اوراس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہ ہو۔

(ب) صورتیں: اس کی دو ہیں: ۱-عام محمول برعموم قطعاً۔۲-عام مطلق۔

۱-عام محمول برعموم قطعاً:

(الف) تعریف:

وہ عام جس کو تخصیص سے مانع کسی قرینہ کی وجہ سے عموم پر محمول کیا جائے۔

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۲۶۰، ۲۶۸، التوضیح ص/۱۲۸-۱۶۶، نور وقمر، ص/۷۴-۸۲، تفسیر ج/۲، ص/۱۲-۱۸، المدخل ص/۱۴۶۔(۲) فواتح ج/۱، ص/۲۹۰، التوضیح ۱۶۹۔

(ب) مثال:

"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (۱)، اس آیت میں ایک عام ضابطہ کا بیان ہے کہ ہم نے ہر جاندار شے کو پانی کے واسطے سے پیدا کیا ہے، تو عام ضابطہ کا بیان یہاں تخصیص سے مانع قرینہ ہے۔

۲- عام مطلق:

(الف) تعریف:

وہ عام جس کا عموم پر حمل تخصیص کی کسی دلیل کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ہو۔

(ب) مثال:

"فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" (۲) میں ایک عام بات فرمائی گئی کہ جو کچھ ہو سکے نماز میں قرآن پڑھا کرو، اور تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں، اس لیے عموم مراد ہے۔

۳- حکم- اقسام عام محمول بر عموم:

لفظ کے مدلول ومعنی کے لیے حکم مذکور کا قطعیت کے ساتھ ثابت ہونا، یعنی عام کی یہ دونوں اقسام عمل اور اعتقاد کے حق میں خاص کی مانند ہیں۔

حکم مذکور کی بنا پر مثال دوم کے تحت نماز میں قرآن مجید کے صرف اتنے حصے کا پڑھ لینا کافی ہے، جسے قرآن کہا جا سکے۔ (۳)(☆)

---

(۱) الانبیاء ۲۱۔ (۲) المزمل ۲۰۔ (۳) فواتح ج ۱ ص ۲۶۵، کشف ج ۱ ص ۳۰۴-۳۰۶۔

(☆) البتہ کبھی عام کا خاص سے تعارض ہوتا ہے، اس صورت میں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کون پہلے اور کون بعد میں ہے تو اگر خاص عام سے بعد ہو اور عام سے متصل ہو تو مخصوص قرار دیں گے [illegible] تفصیل [illegible] ہیں۔ اور اگر عام سے متصل نہ ہو بلکہ بعد میں ہو تو خاص [illegible] ناسخ قرار دیں گے، اور اگر [illegible] بعد میں ہو تو خاص سے پہلے ناسخ [illegible] اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو [illegible] تعارض ہوا اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ (فواتح ج ۱ ص ۲۶۵، توضیح ج ۱ ص ۴۱، تفسیر ج ۲ ص ۱۲۵-۱۲۷)۔

۲-عام محمول بر خصوص:

(الف) تعریف:

وہ عام جس کے بعض افراد کو حکم مذکور سے باہر قرار دیا جائے۔

(ب) صورتیں:

اس کی بھی دو ہیں:

۱-عام مخصوص بر بناء قرینہ۔ ۲-عام مخصوص بر بناء دلیل۔

۱-عام مخصوص بر بناء قرینہ:

(الف) تعریف:

وہ عام جس کے بعض افراد کو کسی قرینہ (۱) کی وجہ سے حکم مذکور سے باہر قرار دیا گیا ہو۔

(ب) حکم:

قرینہ کی بناء پر جن افراد کے حق میں اسے خاص کیا گیا، ان کے حق میں ''خاص'' اور ''عام'' کی قسم اول کی مانند ہے، یعنی قطعیت کے ساتھ اس کا اعتبار اور اس پر عمل ضروری ہے۔

(ج) مثال:

''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا'' (۲)

(اور لوگوں پر خدا کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے)۔

اس میں لفظ ''النـاس'' عام ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم تمام انسانوں اور کم از کم تمام مسلمانوں کے لیے ہو، لیکن قرینہ عقلیہ کی وجہ سے یہ لفظ خصوص پر محمول

(۱) قرینہ سے یہاں لفظی قرینہ نہیں مراد ہے بلکہ عقل، حس و عادت یا لفظ کے حقیقی مفہوم میں نقص یا زیادتی وغیرہ۔ (نور وقمر، ص/۰۷، التلویح ص/ ۱۱۹۔ (۲) آل عمران/ ۹۷۔

ہے، اور اس سے بعض افراد مراد ہیں، یعنی بالغ و عاقل مسلمان اس لیے کہ بچے اور مجنون پر کوئی فریضہ و مطالبہ عائد نہیں ہوتا۔

۲- عام مخصوص بر بناء دلیل:

(الف) تعریف:

وہ عام جس کے بعض افراد کو کسی دلیل کی وجہ سے حکم مذکور سے خارج قرار دیا گیا ہو۔

(ب) حکم:

ایسا عام ''ظنی'' شمار ہوتا ہے، جن افراد کو دلیل کے ذریعہ نکال دیا گیا، ان کے علاوہ جو رہ جائیں ان کے حق میں عمل واجب ہوتا ہے، اس احتمال کے ساتھ کہ شاید کسی دوسری دلیل کی وجہ سے مزید کچھ افراد نکل جائیں، اور اگر کوئی دلیل ایسی مل جائے جو مزید کچھ افراد کے باہر ہونے پر دلالت کرے تو ان کو بھی باہر قرار دیا جائے گا۔

(ج) مثال:

"وَأُحِلَّ لَكُم مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ" (۱) جن عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، ان کے ذکر کے بعد اس آیت میں ان کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح کی حلت کو بیان کیا گیا ہے، مگر دوسری نصوص سے مزید کچھ عورتوں کا بھی استثناء ثابت ہے، اس لیے یہ نص جس میں لفظ "مـــا" عام ہے، خصوص پر محمول ہے، جس کی دلیل دوسری نصوص ہیں۔ (۲)

---

(۱) النساء۔ (۲) التوضیح ص/ ۱۱۹-۱۲۱، تفسیر ج/ ۲، ص/ ۱۰۲-۱۰۴، کشف ج/ ۱، ص/ ۲۹۴، فواتح ج/ ۱، ص/ ۳۰۸، عام مذکور دو دو اصولی و ضمنی چار اقسام احقر نے ترتیب دی ہیں جس کی بنیاد التوضیح، تفسیر النصوص اور نور و قمر میں مذکور تفصیلات ہیں۔

تخصیص

۱-تعریف:

کسی دلیل کی بناء پر عام کو اس کے افراد میں منحصر کرنا (۱) ذرا وضاحت کے ساتھ یوں کہیے:

کسی دلیل کی بناء پر عام کو اس کے معنی موضوع لہ یعنی عموم سے خصوص کی طرف پھیرنا۔ (۲)

۲-شرائط:

دو ہیں: (الف) دلیل مخصص (عام کو خاص قرار دینے والی دلیل) کا اس عام سے متصل ہونا جسے وہ خاص قرار دے رہی ہو۔

(ب) مستقل ہونا، یعنی وہ کلام جس میں عام مخصوص مذکور ہے، دلیل مخصص، اس کا جزء نہ ہو، خواہ کلام ہی نہ ہو، یا کلام ہو مگر مستقل جملہ کی صورت میں ہو، جملہ کے جزء کی حیثیت میں نہ ہو۔ (۳)

۳-مثال برائے توضیح:

ایک شخص کا کسی سے یوں کہنا "فلاں چیز کسی کو نہ دینا اور زید کو دینا" اس میں دو جملے ہیں، پہلا فلاں چیز کسی کو نہ دینا، جس میں "کسی" عام لفظ ہے، دوسرا جملہ جو کہ

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۳۰۰، تفسیر ج/۲، ص/۷۸۔ (۲) کشف ج/۱، ص/۳۰۶، المدخل ص/۱۹۸۔

(۳) بلکہ اگر دوسرا جملہ متصل نہ ہو تو نسخ کہتے ہیں اور متصل ہو مگر مستقل نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ مانا جاتا ہے، گویا کہ کہنے والے نے صرف یہ کہا ہے کہ زید کو دو اور کسی کا تذکرہ ہی نہیں کیا ہے۔ (المدخل ص/۲۰۳-۲۰۴، تفسیر ج/۲، ص/۱۰۰-۱۰۱، کشف ج/۱، ص/۳۰۷، التوضیح ج/۱، ص/۴۲-۴۳)۔

پہلے سے ملا ہوا بھی ہے اور مستقل بھی، اس نے اس عام کو خاص کر دیا ہے، اور زید کو حکم مذکور سے نکال دیا ہے، اگر دوسرا جملہ کچھ وقفہ کے بعد کہا جائے تو یہ حیثیت نہیں ہوگی جیسے کہا گر یوں کہا جائے کہ ''کسی کو نہ دینا، بجز زید کے'' تو یہ صورت بھی اصطلاحاً تخصیص نہیں کہلائے گی (۱)، اس لیے کہ ''بجز زید کے'' پورا جملہ نہیں ہے۔

اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جن افراد کو نکالا جاتا ہے، وہ کبھی معلوم و متعین ہوتے ہیں، اور کبھی مجہول یعنی غیر معلوم، جیسے مثال مذکور میں اگر یوں کہا جائے کہ ''کسی کو نہ دینا اور اپنی قوم کے ایک آدمی کو دے دینا'' تو یہاں قوم کا جو ایک آدمی نکالا گیا وہ مجہول ہے، متعین نہیں ہے، اور اگر نام لے کر کہا جائے جیسا کہ پہلی مثال میں ہے تو نکالا جانے والا فرد معلوم و متعین ہوگا۔

۴-تنبیہ:

یہ دونوں شرطیں اولین تخصیص کے لیے ہیں، اور اگر کسی عام میں ان دونوں شرطوں کی جامع دلیل سے ایک مرتبہ تخصیص ہو جائے تو بعد کی تخصیصات کے لیے یہ شرطیں نہیں۔(۲)

۵-حکم:

''عام مخصوص'' کے احکام آپ کے سامنے آچکے ہیں:

(الف) اگر عام کو قرینہ عقلیہ وغیرہ کی وجہ سے خاص قرار دیا جائے تو قطعی ہی رہتا ہے، جیسا کہ عام کا اس وقت حکم ہوتا ہے، جبکہ وہ مخصوص نہ قرار دیا گیا ہو۔

(ب) اگر عام کو کسی دلیل قولی کی بناء پر خاص قرار دیا جائے تو وہ قطعی نہیں رہ جاتا۔ بلکہ ظنی قرار پاتا ہے (۳) اور تخصیص ایک مرتبہ کے بعد دلائل کی وجہ سے دوبارہ وسہ بارہ بھی ہو سکتی ہے۔

---

(۱) التوضیح ج/۱، ص/۴۲، فواتح ج/۱، ص/۳۰۰-۳۰۲، کشف ج/۱، ص/۳۰۶۔ (۲) فواتح ج/۱، ص/۳۴۹، ۳۵۷، نور، ص/۲۰۲-۲۰۳۔ (۳) التوضیح ج/۱، ص/۱۲۱۔

۶- تخصیص کی حد:

ذکر کیا جا چکا ہے کہ تخصیص کی حقیقت عام کے بعض افراد کو حکم مذکور سے باہر قرار دینا ہے، اور ایک عام میں دلائل کی بناء پر متعدد مرتبہ تخصیص کا عمل جاری ہو سکتا ہے، لیکن تخصیص کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تخصیص برابر جاری رہے، حتی کہ عام کے تحت ایک فرد بھی نہ رہ جائے، اس لیے کہ یہ نوبت آنے پر لفظ عام مخصوص نہیں رہ جائے گا بلکہ متروک ہو جائے گا، یعنی اس پر عمل کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہے گی اور یہ ممنوع و مذموم ہے کہ کسی حکم پر عمل بالکلیہ ترک کر دیا جائے، اس وجہ سے تخصیص کی ایک حد متعین ہے اور وہ یہ کہ:

تخصیص اس وقت تک ہوتی رہے گی جب تک کہ نص متروک العمل نہ ہو یعنی اس پر عمل ترک نہ ہو، یعنی اس عام کے تحت کم از کم ایک فرد باقی رہے اور اگر جمع نکرہ جیسے رجال ونساء یا ہم معنی جمع الفاظ جیسے رہط اور قوم وغیرہ میں تخصیص ہو تو کم از کم تین افراد اس کے تحت رہ جائیں تاکہ جمع کا کم از کم جو مصداق ہے وہ پایا جا سکے۔(۱)

۷- مخصَّصات: (یعنی وہ امور جن میں تخصیص ہوتی ہے)

قرآن وحدیث کی نصوص وعبارات ہیں۔

۸- مخصِّصات: (یعنی وہ امور جو تخصیص کا باعث ہوتے ہیں)

۱- قرآن مجید۔ ۲- حدیث متواتر۔ ۳- حدیث مشہور۔ ۴- خبر واحد۔
۵- اجماع متواتر۔ ۶- اجماع مشہور۔ ۷- اجماع آحادی۔ ۸- فعل رسول۔
۹- تقریر رسول۔ ۱۰- قول صحابی۔ ۱۱- فعل صحابی۔ ۱۲- تقریر صحابی۔ ۱۳- عرف عملی۔
۱۴- عرف قولی۔ ۱۵- عقل وقیاس۔(۲)

---

(۱) فواتح ج ۱ ص ۳۰۶-۳۰۷، التوضیح ص ۱۳۳ و ۱۳۵، نور ص ۸۲-۸۳۔ (۲) فواتح ج ۱ ص ۳۴۵-۳۶۰، المدخل ص ۲۱۰-۲۱۴، تخریج ج ۱ ص ۸۵-۹۳، متواتر، مشہور، خبر واحد، حدیث واجماع اور تقریر، عرف، قیاس سب کی تفصیلات وتعریفات آگے آنے والی ہیں۔

البتہ یہ خیال رہے کہ یہ امور ہر حال میں اور ہر عام کے لیے تخصیص کا باعث نہیں بنتے، بلکہ چونکہ بعض عام قطعی ہوتا ہے اور بعض ظنی۔

قطعی:

جو قرآن مجید یا مشہور و متواتر حدیث میں ہو، اور اس میں کوئی تخصیص نہ ہوئی ہو۔

ظنی:

وہ عام جو اوپر مذکور کسی صورت کے مطابق ہو، اور اس میں تخصیص ہو چکی ہو، نیز جس کا ذکر عام احادیث میں ہو۔

''عام قطعی'' کی پہلی تخصیص کے لیے مخصِّص کا قطعی ہونا ضروری ہے، اس لیے اس کی تخصیص صرف کسی دوسری آیت یا حدیث متواتر و مشہور یا اجماع متواتر و مشہور کے ذریعہ ہو سکتی ہے، نیز حِس (۱) اور عقل و عرف کے ذریعہ بھی۔

عام محمول بر خصوص کی دونوں اقسام کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

اور ''عام ظنی'' نیز ''عام قطعی'' کی مزید تخصیصات کے لیے دلیل کا قطعی ہونا ضروری نہیں ہے، اس لیے مذکورہ تمام امور کے ذریعہ تخصیص ہو سکتی ہے۔ (۲)

۹- تخصیص و تقیید کے درمیان فرق:

لفظ کے عموم کو ختم کرنے کی ایک صورت تقیید ہے، جس کی تفصیلات آپ مطلق اور مقید کی بحث میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، تخصیص و تقیید کے درمیان یہ فرق تو ظاہر ہے کہ تخصیص کا تعلق عام سے ہے اور تقیید کا مطلق سے ہے اور عام و مطلق کے درمیان فرق ہے، مزید یہ کہ:

(الف) تخصیص کا مفہوم ہے: ''لفظ کے لغوی مفہوم میں تصرف کرنا۔''

---

(۱) حِس کے ذریعہ تخصیص جیسے ملکہ سبا کی بابت فرمایا گیا "واوتیت من کل شیء" لفظ "شیء" کے تحت مملکت سلیمان بھی داخل تھی مگر ظاہر ہے کہ وہ مراد نہیں، حِس اس کی نفی کرتی ہے، عرف کی مثال انڈے سے ہر انڈا مراد نہیں ہوتا۔ (۲) المدخل ص/ ۲۱۹، فواتح ج/ ۱، ص/ ۳۴۹ و ۳۵۷۔

اور تقیید ہے: ''لغوی مفہوم پر کسی قید و مفہوم کا اضافہ۔''

جیسے ''الرجل'' کا ایک لغوی مفہوم ہے، اس کے ساتھ ''الغنی'' یا ''الفقیر'' وغیرہ کی قید لگا دی جائے تو ''الرجل'' کے مفہوم کے ساتھ ایک ایسے مفہوم کا اضافہ ہو جائے گا جس پر صرف لفظ ''الرجل'' دلالت نہیں کرتا۔

اور تخصیص کی صورت یہ ہے کہ اس لفظ کا مصداق جتنے افراد ہوں، ان میں سے کچھ کو کم کر دیا جائے۔

(ب) تخصیص کے بعد بھی عام کا اصل مصداق و مفہوم ہی معتبر و معمول بہ رہتا ہے، اور تقیید کی صورت میں اس کے ساتھ دوسرے مفہوم کی قید لگ جاتی ہے۔

(ج) مقیِّد از قبیل کلام ہی ہوتا ہے، اور مخصِّص غیر کلام بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ مخصِّص کی تفصیلات سے ظاہر ہے۔

(د) مخصِّص اگر کلام ہو تو جملہ ہونا ضروری ہے، اور مقیِّد (قید پر دلالت کرنے والا) غیر جملہ بھی ہو سکتا ہے۔(۱)

المدخل ص/۲۱۰-۲۱۱، کشف ج/۳، ص/۱۹۸۔

فصل سوم

مشترک

۱-تعریف:

مشترک وہ لفظ ہے جس کو دو یا دو سے زائد معانی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔(۱)

۲-عام ومشترک کے درمیان فرق:

(الف) عام کا موضوع لہ یعنی وہ معنی جس کے لیے اس کو اپنایا جاتا ہے، ایک ہوتا ہے، اور مشترک کا موضوع لہ متعدد ہوتا ہے۔

یعنی مشترک متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے، جب کہ عام ایک ہی معنی پر دلالت کرتا ہے، البتہ معنی کا مصداق متعدد افراد ہوتے ہیں۔

(ب) عام کی وضع ایک مرتبہ اور مشترک کو اس کے موضوع لہ معانی کے لیے اکثر (۲) ایک سے زائد مرتبہ وضع کیا جاتا ہے۔

(ج) عام کے مدلول میں تعدد ہوتا ہے، مگر حصر نہیں ہوتا اور مشترک کا مدلول متعدد ہونے کے ساتھ محصور بھی ہوتا ہے۔

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۱۹۸، کشف ج/۱، ص/۱۳۴، معانی سے موضوع لہ مراد ہے جس کا مصداق ذوات واشیاء بھی ہوتی ہیں اور افعال واوصاف بھی، مثلاً لفظ عین کا مصداق ذوات ہیں، آنکھ، سورج، جاسوس وغیرہ اور لفظ اخفاء کا مصداق ہے چھپانا وظاہر کرنا (عمدہ ص/۱۲، نظامی ص/۶) ایسے ہی ''من'' وغیرہ حروف جارہ کے متعدد معانی آتے ہیں۔ (۲) اکثر کی قید اس لیے ہے کہ مشترک معنوی کی وضع میں تعدد نہیں ہوتا بلکہ اصل معنی موضوع لہ کے مناسب مشترک رکھنے والے متعدد امور میں اس کا استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ آپ مشترک معنوی اور اسباب اشتراک کی تفصیلات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(د) عام سے اس کے مدلول تمام افراد بیک وقت مراد لیے جا سکتے ہیں اور مشترک کے مدلول متعدد معانی میں سے صرف ایک ہی کو ایک وقت میں مراد لیا جا سکتا ہے۔(۱)

۳- اسباب اشتراک (یعنی وہ امور جو کسی لفظ کے متعدد معانی میں استعمال کا باعث بنتے ہیں):

(الف) واضع کا مختلف ہونا، ملک وقوم کے اعتبار سے، کہ ایک قوم و علاقہ کے لوگ کسی لفظ کو جس معنی کے لیے وضع کرتے ہیں، دوسری قوم و علاقے کے لوگ اسی لفظ کو کسی دوسرے معنی کے لیے وضع کرتے ہیں۔

(ب) ایک ہی قوم وعلاقے کے لوگوں کا ایک ہی لفظ کو مختلف اوقات میں مختلف معانی میں استعمال کرنا۔

(ج) کسی لفظ کے معنی حقیقی کے بجائے معنی اصطلاحی میں استعمال کرنا، جیسے شریعت اور علوم وفنون کی اصطلاحات۔

(د) معنی حقیقی کے بجائے معنی مجازی میں اس طور پر استعمال کہ مجازی معنی بھی بمنزلہ حقیقت ہو جائیں۔

(ہ) دونوں معانی کے درمیان کسی ایسی مناسبت کا ہونا جو کسی لفظ کے اصل معنی کے پیش نظر دونوں معانی کے لیے اس لفظ کے استعمال کا باعث ہو، اور بعد میں ہر دو کے لیے اسے موضوع سمجھ لیا جائے۔(۲)

۴- اقسام:

دو ہیں: (الف) مشترک لفظی۔ (ب) مشترک معنوی۔

(الف) مشترک لفظی: (جس کو مشترک لغوی بھی کہتے ہیں)

---

(۱) تذکرہ۔ (۲) عمدہ ص/۱۲، کشف ج/۱، ص/۳۹، تفسیر ج/۲، ص/۱۳۶-۱۳۷۔

۱-تعریف:

وہ مشترک جو مختلف اشیاء و معانی کو تعبیر کرنے کے لیے کئی مرتبہ میں وضع کیا گیا ہو۔

۲-مثال:

لفظ عین کہ اس کو آنکھ، چشمہ، گھٹنہ وغیرہ مختلف اشیاء کے لیے متعدد مرتبہ وضع کیا گیا ہے۔

(ب) مشترک معنوی:

۱-تعریف:

وہ مشترک جس کو کسی ایسے مفہوم و معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہو، جو چند چیزوں کے درمیان مشترک ہو اور اس مناسبت سے ہر ایک کے لیے الگ الگ اس کا استعمال کیا جائے، اس طور پر کہ یہ سمجھا جانے لگے کہ اس لفظ کو ان معانی میں سے ہر ہر ایک کے لیے مستقلاً وضع کیا گیا ہے۔

۲-مثال:

لفظ ''قرء'' اصل میں اس کا موضوع لہ ہر ایسا وقت ہے جس میں کسی کام کے ہونے یا کرنے کی عادت بن جائے، اسی مناسبت سے: (الف) باری سے آنے والے بخار۔ (ب) حیض۔ (ج) طہر وغیرہ سب کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، اس لیے کہ سب میں مذکورہ مفہوم یعنی کسی وقت میں کسی خاص کام کی عادت بن جانا پایا جاتا ہے۔

اسباب اشتراک کی پہلی چار صورتوں پر مشتمل مشترک ''مشترک لفظی'' اور آخری صورت پر مشتمل ''مشترک معنوی'' کہلاتا ہے۔(۱)

---

(۱) [illegible] ... عبارات کتب سے ماخوذ ہے، کسی کتاب میں اس کو نہیں مل سکی ہے۔

۵-حکم مشترک:

ایک وقت میں ایک سے زائد معانی نہیں مراد لیے جا سکتے بلکہ ایک ہی معنی کا کسی موقع کے لیے تعین نہ ہو، عمل کے حق میں توقف کیا جائے گا اور کسی ایک معنی کے راجح قرار پانے پر، اس پر عمل کیا جائے گا۔ (۱)

۶-ذرائع رجحان:

مشترک کے چند معانی میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینے کے ذرائع ہیں:

(الف) سباق کلام (کلام کا گزشتہ حصہ)۔

(ب) سیاق کلام (کلام کا اگلا حصہ)۔

(ج) موقع کلام۔

مثلاً جو لفظ شریعت میں یا کسی علم وفن میں کوئی خاص مفہوم رکھتا ہو تو شرعی کتابوں اور اس علم کی کتابوں میں اس سے وہی معروف معنی مراد لیے جائیں گے، البتہ اگر کوئی قرینہ لغوی معنی کے مراد لینے پر موجود ہو تو لغوی معنی مراد ہوں گے۔

(د) لفظ کے حقیقی معنی اور موقع کی مناسبت۔ (۲)

۷-امثلہ:

(الف) اسم مشترک۔ جیسے عین۔

(ب) فعل مشترک۔ جیسے عسعس (آگے ہونا اور پیچھے ہونا دونوں معانی)۔

(ج) حرف مشترک۔ "من" جس کے کئی معنی آتے ہیں۔ (۳)

(د) قرآن کریم میں مطلقہ کی مدت تین قروء بیان فرمائی گئی اور قروء "حیض و طہر" دونوں معانی کے لیے آتا ہے۔ احناف نے غور وفکر کے ذریعہ اسے حیض کے معنی قرار دیا ہے۔ (۴)

---

(۱) فواتح [illegible] ص ۲۰۱، [illegible] ص ۸ [illegible] ص ۸۴ [illegible] ص ۹۔

(۲) نور ص ۱۵، نظامی ص ۱ [illegible] ص ۲ [illegible] ص ۱۳۹۔ (۳) [illegible] ص ۱۳۲۔ (۴) نور ص ۸۲۔

فصل چہارم

مؤوّل (☆)

۱-تعریف:

وہ لفظ مشترک جس کے کسی ایک معنی کو قرائن ظنیہ کی بناء پر باعتبار مراد راجح قرار دیا جائے۔(۱)

قرائن ظنیہ سے قیاس، خبر واحد اور مشترک کی ترجیح کے ذکر کردہ ذرائع مراد ہیں۔

۲-حکم:

عمل کرنا لازم ہے، مگر خطا کے احتمال کے ساتھ، اس لیے کہ ممکن ہے کہ دوسرے معنی مراد ہوں، جیسے ہم نہ سمجھ سکے ہوں۔(۲)

۳-مثال:

مشترک کی مثال میں قرء کے جب ایک معنی متعین ہو گئے یعنی حیض تو وہ مؤوّل قرار پایا۔

---

(۱) نور، ص ۸۵، التوضیح ص/ ۸۸، نظامی ص/ ۶، عمدہ، ص/ ۱۳۔ (۲) اسی لیے مؤول ظنی الدلالہ شمار ہوتا ہے۔ (حسامی ص/ ۷، نور، ص ۸۵)۔

(☆) مؤول معنی موضوع لہ کے اعتبار سے لفظ کی چوتھی قسم ہے اور مشترک تیسری اور مؤول دراصل مستقل کوئی قسم نہیں ہے، جیسا کہ تعریف سے آپ کو معلوم ہو جائے گا، اسی لیے بعض حضرات نے تین ہی اقسام کو ذکر کیا ہے۔

۴۔تعبیر:

مشترک کے چند معانی میں سے کسی ایک کے رجحان کے بعد جیسے اس کو مؤول کہا جاتا ہے، ایک صورت میں اسے مفسَّر بھی کہا جاتا ہے۔

(الف)تعریف:

وہ مشترک جس کے کسی ایک معنی کی تعیین کسی دلیل قطعی کے ذریعہ ہو۔

دلیل قطعی کے تحت قرآن وحدیث کی دلیل قطعی کے علاوہ خود متکلم کا بیان بھی شامل ہے۔

(ب)حکم:

اس پر بغیر کسی احتمال کے عمل لازم ہوتا ہے۔(۱)

(ج)مثال:

کوئی شخص اپنی گفتگو میں لفظ ''عین'' کو استعمال کرے جو کہ کئی معنی میں آتا ہے (آنکھ، پانی کا چشمہ وغیرہ) اور ساتھ ہی یہ کہہ دے کہ میں نے اس سے آنکھ یا جاسوس یا پانی کا چشمہ مراد لیا ہے۔

بالفاظ دیگر آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی ایک معنی کے تعین کے اعتبار سے مشترک کی دو اقسام ہیں:

اگر تعین گمان غالب کے ساتھ ہو تو اسے ''مؤول'' اور اگر قطعیت کے ساتھ ہو تو ''مفسر'' کہتے ہیں۔

---

(۱) اصول و مدہ، ص/۱۴، التوضیح ص/۸۸، نظامی ص/۲۔

باب دوم
تقسیم دوم
(باعتبار ظہور معنی)

معنی کے ظاہر و واضح ہونے کے اعتبار سے لفظ کی چار اقسام ہیں، اور یہ چاروں اقسام دراصل ظہور کے مراتب کے اعتبار سے ہیں، یعنی:

۱-ظاہر۔۲-نص۔۳-مفسر۔۴-محکم۔

اور یہ چاروں گذشتہ اقسام کے بالمقابل نہیں ہیں، بلکہ یہ چاروں ان میں سے کسی کے ساتھ بھی پائے جاسکتے ہیں۔

۱-ظاہر:

(الف) تعریف:

وہ لفظ جس کے معنی کو سننے والا سنتے ہی مزید کسی غور و فکر کے بغیر سمجھ لے۔

(ب) حکم:

عمل کرنا واجب ہے، مگر اس احتمال کے ساتھ کہ شاید اس لفظ میں کوئی تاویل یا تخصیص ہو یا منسوخ ہو۔

(ج) مثال:

"أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" کہ ہر سننے والا اس سے بیع کی حلت

اور ربا کی حرمت کو سمجھ لیتا ہے، تاہم اس میں بھی کسی تاویل وتخصیص ناسخ کا احتمال موجود ہے۔

۲-نص:

(الف) تعریف:

۱-لغوی: عبارت کلام، صریح کلام۔

۲-اصطلاحی: وہ ظاہر جو مقصود کلام بھی ہو، یعنی ایسا لفظ جس کے معنی کو مخاطب سنتے ہی سمجھ لے اور متکلم اسی معنی کو بیان کرنے کے لیے اس لفظ و کلام کو لایا ہو۔ (☆)

(ب) حکم:

تاویل ونسخ کے امکان کے ساتھ عمل کرنا واجب ہے۔

(ج) مثال:

مثال سابق ''نص'' کی بھی مثال ہے، اس لیے کہ اس کے ذریعہ بیع کی حلت اور ربا کی حرمت کو بیان کر کے دونوں کے درمیان فرق کو سمجھانا مقصود بھی ہے۔

۲-مفسَّر:

(الف) تعریف:

وہ ظاہر جو مقصود کلام ہونے کے ساتھ اس قدر واضح ہو کہ تاویل وتخصیص کے احتمال سے خالی ہو۔

خواہ یہ وضاحت خود لفظ کے معنی کی وجہ سے ہو یا اللہ اور اس کے رسول کے بیان کی وجہ سے ہو اور رسول کا بیان خواہ قولی ہو یا فعلی۔

(☆) نص ہر دلیل سمعی یعنی قرآن وحدیث کی دلیل کو بھی کہتے ہیں، بلکہ اجماع کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ (فواتح ج/۲، ص/۱۹)۔

(ب) حکم:

عمل واجب ہے، البتہ نسخ کا احتمال رہتا ہے۔

(ج) مثال:

"قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً" (تمام مشرکوں سے جنگ کرو)، معنی کے ظہور اور مشرکین کے ساتھ قتال کے حکم کو بیان کرنے کی غرض کے ساتھ "کافۃ" کی قید کی وجہ سے تخصیص کے احتمال سے خالی ہے، اس لیے مفسر ہے نیز "أَقِيمُوا الصَّلاَةَ وَآتُوا الزَّكوٰةَ" جیسی آیات میں "صلوٰۃ وزکوٰۃ" کے الفاظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریح وبیان (۱) فرمادینے کی وجہ سے، ہر قسم کی تاویل سے خالی ہیں اور مفسر ہیں۔

(د) اقسام: دو ہیں:

۱- اول وہ مفسر جو اپنے لفظ وصیغہ ہی کی رو سے تاویل وتخصیص کے احتمال سے خالی ہو، جیسے اعداد کہ ان میں تاویل وتخصیص کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

۲- وہ مفسر جو لفظاً اس کا احتمال رکھتا ہو اور کسی قطعی تصریح ودلیل کی وجہ سے اس کا یہ احتمال ختم کردیا جائے، ایسا مفسر اصطلاحی طور پر کبھی عام ہوتا ہے، جس میں تخصیص کے احتمال کو ختم کیا جاتا ہے، جیسے "فَسَجَدَ الْمَلاَئِكَةُ كُلُّهُمْ" میں ملائکہ عام ہے، "کلھم" کی قید لگا کر اس میں تخصیص کے احتمال کو ختم کردیا گیا ہے، اور کبھی مجمل ہوتا ہے، جس کی توضیح کی جاتی ہے اور اس سے تاویل کے احتمال کو ختم کیا جاتا ہے، جیسے کہ دوسری مثال ایسے ہی آیت "فَسَجَدَ الْمَلاَئِكَةُ كُلُّهُمْ" کے ساتھ "أَجْمَعُونَ" کی قید لگا کر اس تاویل کے احتمال کو ختم کیا گیا ہے کہ فرشتوں نے سجدہ الگ الگ کیا، یا ایک ساتھ، اس لفظ نے متعین کردیا کہ انھوں نے ایک ساتھ سجدہ کیا۔ (۲)

---

(۱) ظاہر ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے، اس لیے کسی ایسے لفظ کے حق میں خود خداوندی تصریح کا اعتبار ہوگا، نہ کہ بندوں میں سے کسی کی تشریح وتوضیح کا، مگر چونکہ شرحیات کے باب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان وفرمان ایک ہی شمار ہوتا ہے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات کا حکم بھی خداوندی تصریحات کا ہے، جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے۔ (۲) کشف ج/۱ص/۵۰، نظامی ص/۸، تفسیر ج/۱ص/۱۶۸و۱۶۹، اصول ص/۱۴۔

۴۔محکم:

(الف)تعریف:

۱۔لغوی: پختہ،مضبوط۔

۲۔اصطلاحی: وہ ظاہر جو مقصود کلام ہونے کے ساتھ تاویل و تخصیص اور نسخ ہر احتمال سے خالی ہو۔

(ب)حکم:

بغیر کسی احتمال وتردد کے عمل لازم ہے۔

(ج)اقسام:

دو ہیں:۱۔محکم لذاتہ۔۲۔محکم لغیرہ۔

۱۔محکم لذاتہ:

وہ محکم جو اپنے معنی کے اعتبار سے احکام کے مخالف اوصاف سے خالی ہو اوراس کی بھی دوصورتیں ہیں۔

(الف) عبارت میں کوئی ایسا لفظ موجود ہو جو ابدیت (ہمیشگی یعنی کبھی منسوخ نہ ہونے) کو بتاتا ہو، جیسے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح کی ممانعت والی آیت "وَلَا أَنْ تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا" (۱)(اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے ان کے بعد کسی سے نکاح کرو) کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔

(ب) نفس مضمون ہی نسخ کا احتمال نہ رکھتا ہو، مثلاً اس کا تعلق عقائد یا اصول اخلاق سے ہو، جیسے "إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ."

---

(۱)الاحزاب ۵۳۔

۴-محکم لغیرہ:

جو لفظ و معنی کے اعتبار سے محکم نہ ہو، یعنی نسخ کا امکان و گنجائش رکھتا ہو، مگر حکم نسخ کے آنے سے پہلے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جانے کی وجہ سے وہ نسخ سے محفوظ ہو کر ابدی قرار پا گیا ہو، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد گزشتہ تینوں اقسام یعنی ظاہر نص و مفسر بھی اب نسخ کے حق میں محکم ہیں۔

۵-چاروں اقسام کا باہمی ربط:

یہ ہے کہ ہر بعد کی قسم میں پہلی قسم کے مفہوم کی پوری پوری رعایت ہوتی ہے، جیسا کہ تعریفات میں واضح کر دیا گیا ہے، چنانچہ نص کی تعریف میں ظاہر کی اور مفسر کی تعریف میں ظاہر و نص، دونوں کی اور محکم میں سابق تینوں اقسام یا ان کی حقیقتوں کی قید لگی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ کبھی یہ چاروں ایک ہی عبارت میں جمع ہو جاتی ہیں، جیسے ارشاد باری تعالیٰ "فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ" (پس سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا)، مفہوم کے واضح ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے، اور شیطان کے علاوہ تمام فرشتوں کے سجدہ کو بیان کرنے کی غرض کے پیش نظر نص ہے اور چونکہ لفظ "کلھم" پوری جماعت کے سجدہ کرنے کو اور لفظ "أجمعون" بیک وقت سجدہ کرنے کو بتا رہا ہے، اور اس نے انفرادی سجدہ کے احتمال کو ختم کر دیا ہے، اس لیے مفسر ہے۔

اور چونکہ ایک واقعہ کا بیان ہے جس میں نسخ کا امکان و سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لیے محکم ہے۔

۶-مراتب:

(لیکن اسی باہمی تعلق کے ساتھ یہ بھی ہے کہ) چاروں میں فرق مراتب ہے، اسی ترتیب کے اعتبار سے جس ترتیب سے ان کو ذکر کیا گیا ہے، یعنی اول سے چہارم کی طرف اول سب سے کم تر اور محکم سب سے برتر ہے، اس فرق مراتب کا

یا یوں کہیے اس کے فائدہ کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جبکہ کسی چیز سے متعلق ان میں سے دو یا چند کا تعارض ہو تو قوی ترین کو اختیار کیا جاتا ہے اور اسی پر عمل ہوتا ہے، جیسے "أُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ" (۱) (ان کے سوا دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں)۔ چار سے زائد بیویوں کے رکھنے کے جواز کے حق میں ظاہر ہے، اور "فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَ رُبَاعَ" (۲) (جو عورتیں تم کو پسند ہیں دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کرلو)۔ چار ہی پر انحصار کے حق میں نص ہے، لہٰذا نص کو ظاہر پر ترجیح ہوگی۔ (۳)

(۱) النساء/۲۴۔ (۲) النساء/۳۔ (۳) فواتح ج/۲، ص/۱۹-۲۰، کشف ج/۱، ص/۱۴۴ وما بعد، نور، ص/۸۵-۸۸، حسامی ونظامی ص/۷-۸، تفسیر ج/۱، ص/۱۳۲ تا آخر بحث ص/۱۹۷، التوضیح ص/۹۰-۹۲۔

باب سوم

تقسیم سوم

(باعتبار خفاء معنی)

معنی کے خفاء(۱) یعنی عدم ظہور کے اعتبار سے بھی لفظ کی چار اقسام ہیں:

۱-خفی ـ ۲-مشکل ـ ۳-مجمل ـ ۴-متشابہ ـ اور چاروں ترتیب وار گزشتہ چاروں اقسام کے بالمقابل ہیں، یعنی خفی ظاہر کا، مشکل نص کا، مجمل مفسر کا، متشابہ محکم کا مقابل ہے۔

۱-خفی:

(الف) تعریف: ۱-لغوی: پوشیدہ۔

۲-اصطلاحی: وہ لفظ جس کے معنی از روئے لفظ واضح ہوں، لیکن کسی دوسری وجہ سے اس میں خفا پایا جائے۔ (جو معمولی سے غور و فکر کے ذریعہ دور ہو جائے۔ یعنی کوئی دوسری چیز اس کے ظہور کو دبادے اور اس کی وجہ سے کچھ غور و فکر کی ضرورت ہو)۔

(ب) وجوہ خفاء:

مثلاً اس لفظ کے مصداق جو افراد ہوں، ان میں سے بعض کا کوئی خاص نام ہو، اس وجہ سے کہ اس لفظ کے معنی میں جو خصوصی وصف ملحوظ ہو۔

---

(۱) ذکر کیا جا چکا ہے کہ تقسیم دوم کی اقسام کے بالمقابل چار اقسام ہیں اور جیسے تقسیم دوم میں معنی کے ظہور کا اعتبار ہے، اس میں معنی کے خفاء کا اعتبار ہے اور عموماً اس تقسیم کو مستقلاً نہیں ذکر کیا گیا ہے، بلکہ سابق تقسیم کے مقابلہ کی وجہ سے اسی کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

بعض افراد میں اس کی ایسی کمی یا زیادتی پائی جاتی ہو جو کہ دوسرے افراد سے ان کو ممتاز کرتی ہو، اور اس خصوصی نام یا امتیاز کی وجہ سے ظاہری اطلاق و استعمال میں لفظ ان افراد کو شامل نہ ہو۔(۱)

(ج) حکم:

غور وفکر کے ذریعہ خفاء کی وجہ معلوم کرنا، مثلاً یہ کہ خفاء اگر زیادتی کی وجہ سے ہو تو ظاہر کے حکم میں داخل کریں گے، ورنہ خارج رکھیں گے۔

(د) مثال:

لفظ ''سارق'' کی ایک خاص حقیقت ہے اور وہ ہے، کسی شخص کے مال محفوظ کو چپکے سے یعنی اس کی بے خبری میں لے لینا، یہ مفہوم چور کے حق میں تو ظاہر ہے لیکن جیب کترے اور کفن چور کے حق میں خفی (غیر واضح) ہے، حالانکہ ''غیر کے مال کا بغیر اجازت لے لینا'' تینوں میں قدر مشترک ہے، لیکن ان دو کے لیے مستقل نام ہیں، جس کی وجہ سے جیب کترے میں چور کے عمل دو وصف پر زیادتی ہے کہ چور محفوظ مال کو، مالک کی ناواقفیت کے ساتھ لے جاتا ہے، خواہ وہ موقع پر موجود ہی نہ ہو یا موجود ہو مگر سو رہا ہو اور جیب کترا جاگنے اور ہوشیار رہنے کی حالت میں اس کی مشغولیت سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور کفن چور کے عمل میں کمی ہے کہ کفن محفوظ نہیں ہوتا، نہ اس کا کوئی محافظ ہوتا ہے، اس لیے جیب کترے کو چور کا حکم دیا گیا ہے، اور کفن چور کو اس حکم سے خارج قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ مشکل:

(الف) تعریف:

وہ لفظ جس کی مراد خود لفظ کی رو سے اس درجہ مخفی ہو کہ کافی غور وفکر کے بغیر

---

(۱) تفسیر ج:۱، ص ۲۳۱۔

اس کا خفا دور نہ ہو سکے۔

(ب) وجوہ اشکال:

۱- لفظ کا بطور اشتراک یا مجاز متعدد معانی میں استعمال ہونا اور اس کی وجہ سے موقع پر مراد معنی کا واضح نہ ہونا۔

۲ معنی مجازی کا معنی موضوع لہ سے زیادہ مشہور ہونا۔

۳- کسی شے کا ذو وجہین ہونا، اس طور پر کہ ہر وجہ الگ حکم کا تقاضا کرتی ہو۔

۴- کسی دوسری نص سے تعارض۔

۵- نادر وغامض استعارہ کا استعمال۔(۱)

(ج) حکم:

غور وفکر کے ذریعہ قرائن کی مدد سے مراد کی وضاحت وتعیین۔

(د) مثالیں:

۱- (بربناء اشتراک) "فأتوا حرثكم أنىٰ شئتم" (۲) (تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ) اس آیت میں لفظ "أنّــــى" مشترک ہے، اس کے متعدد معانی آتے ہیں، اس لیے اس کی مراد میں خفاء پیدا ہو گیا ہے، غور وفکر کر کے قرائن سے مدد لے کر مختلف حضرات نے الگ الگ رائے قائم کی ہے، کسی نے بمعنی "کیف" (جیسے وکیسے) کسی نے "متی" (جب) کسی نے بمعنی "أین" (جہاں) قرار دیا ہے۔

۲- "وَإِنْ كُنتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوا" (۳) (اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو نہا کر پاک ہو جایا کرو) اس آیت میں غسل جنابت میں مبالغہ کے ساتھ جسم کو دھلنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ آیت ظاہر بدن کے حق میں واضح ہے، اس لیے

---

(۱) مذکرہ، مرآۃ ج/۱، ص/۴۰۸، تفسیر ج/۱، ص/۲۵۴-۲۵۵، نور، ص/۹۱، توضیح ص/۲۹۲، نظامی ص/۹۔ بعض حضرات نے اول صورت کے لیے اور بعض نے تیسری کے لیے "غموض معنی" کی تعبیر اختیار کی ہے، ویسے پہلی تینوں صورتیں اس تعبیر کے تحت آتی ہیں۔ (۲) البقرہ/۲۲۳۔ (۳) المائدہ/۶۔

باطن کا دھلنا ساقط ہے، لیکن منہ اور ناک کے حق میں تردد ہو گیا ہے کہ ان کی دو جہتیں ہیں، ظاہر بھی ہیں، اور باطن بھی، چنانچہ ان کے لیے دوسرے احکام اسی قسم کے ہیں، مثلاً تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور باہر سے کچھ اندر جائے تو ٹوٹ جاتا ہے۔ "غسل جنابت" کے حق میں مبالغہ کی وجہ سے "کلی" کو فرض قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ "مَآ أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ" (۱) (تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی وجہ سے ہے) اور "قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" (۲) (کہہ دو کہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے) دونوں میں باعتبار مضمون تعارض ہے، جو واضح ہے، اس کو یوں دور کیا گیا ہے کہ پہلی آیت میں اعمال کا ظاہری سبب ہونا اور دوسری میں اللہ تعالیٰ کا مسبّب و مؤثر حقیقی ہونا پیش نظر ہے۔ (☆)

۴۔ جنت کے برتنوں کی تعریف میں فرمایا گیا ہے "قَوَارِيْرَ مِنْ فِضَّةٍ" (۳) (شیشے چاندی کے) اور "قارورۃ" چاندی کا نہیں، بلکہ شیشہ کا ہوتا ہے، غور سے یہ سمجھا گیا ہے کہ اس کی بنیاد نادر و غامض (جلدی سمجھ میں نہ آنے والا) استعارہ ہے، اس لیے کہ یہاں مراد یہ ہے وہ برتن شیشے کے جیسے صاف اور چاندی جیسے سفید ہوں گے۔

۳۔ مجمل:

(الف) تعریف:

۱۔ لغوی: مجمل بمعنی مبہم، غیر واضح۔

۲۔ اصطلاحی: وہ مشکل جس کا خفا متکلم کی تصریح کے علاوہ غور و فکر یا کسی دوسرے ذریعہ سے دور نہ ہو سکے۔

---

(۱) النساء/ ۷۹۔ (۲) النساء/ ۷۸۔ (۳) الدہر/ ۱۶۔

(☆) مشکل کا حکم اشکال کی تمام وجوہ کو سامنے رکھ کر ذکر کیا گیا ہے، ورنہ عام طور سے حکم یہ مذکور ہے، اولاً لفظ کے مستعمل و محتمل معانی کی تحقیق پھر غور و فکر کے ذریعہ قرائن کی مدد سے موقع پر مراد معنی کی تعیین کرنا، مگر یہ تعبیر جیسا کہ ظاہر ہے تمام صورتوں کو حاوی نہ ہو گی۔

(ب) وجوہ اجمال:

۱-غرابت یعنی لفظ کا غیر معروف ہونا جیسے "إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا" (۱) (کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے)۔

۲-صرفی اعتبار سے اشتباہ کہ لفظ کی نوعیت نہ معلوم ہو سکے، جیسے لفظ "مختار" کہ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں ہو سکتا ہے۔

۳-لغت کے معروف معنی کے بجائے کوئی دوسرے جدید معنی کا مراد لینا، جیسے صلاۃ، زکوٰۃ، حج، ربا، وغیرہ کہ سب کا ایک لغوی مفہوم ہے اور وہ معروف تھا، مگر شریعت نے دوسرے مفاہیم کے لیے ان کو استعمال کیا ہے۔

۴-ضمیر کے مرجع کا عدم تعین جیسے "فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ" (۲) (اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ) میں مثلہ کی ضمیر کہ متعدد چیزیں، اس کا مرجع بن سکتی ہیں۔

۵-اشتراک یعنی لفظ کا مشترک ہونا اور کسی ایک معنی کی تعیین و ترجیح کے قرینہ کا موجود نہ ہونا۔

۶-حکم کا جس چیز سے تعلق ہو، اس کی مقدار معلوم نہ ہو، جیسے "آتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ" (۳) (اور کھیتی کاٹنے کا دن خدا کا حق بھی ادا کرو) کھیتی کا حق نکالنے کا حکم ہے، مگر مقدار کی تعیین نہیں۔

۷-(☆) عبارت کے الفاظ کا اس طرح آگے پیچھے ہو جانا کہ ان کے باہمی ربط و تعلق کا سمجھنا دشوار ہو، جیسے سورۂ مائدہ رکوع/۱۴ کی آیات نمبر/۱۰۶ و ۱۰۷ یعنی "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ" الآیۃ، اور اس کے بعد والی آیت۔ (۴)

---

(۱) المعارج/۱۹۔ (۲) البقرہ/۲۳۔ (۳) الانعام/۱۴۱۔ (۴) ارشاد الفحول ص/۱۶۹، کشف ج/۱، ص/۴۳، ۵۵-۵۶، تلویح ج/۱، ص/۱۲۷، تفسیر ج/۱، ص/۲۷۹۔

(☆) ان وجوہ میں اول، سوم اور ہفتم زیادہ معروف ہیں، اور عموماً انھیں کو ذکر کیا گیا ہے۔

(ج) حکم:

مراد کے برحق ہونے کا یقین رکھتے ہوئے مراد کے واضح ہونے تک عمل میں توقف کرنا۔ (۱)

(د) وضاحت مراد کا ذریعہ:

جیسا کہ تعریف کی قیود سے ظاہر ہے، متکلم کا بیان ہے کہ وہ بیان کرے کہ میری یہ مراد ہے، خواہ خود سے بیان کرے یا دریافت کرنے پر بتائے۔

(ہ) بیان کا وقت:

بیان متصلاً یعنی مجمل کے ساتھ ہی ساتھ بھی ہوتا ہے، اور منفصلاً یعنی مجمل کے کچھ عرصہ بعد بھی متصلاً جیسے "إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا" میں "هَلُوعًا" کا بیان معاً بعد "إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا" (۲) (جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے) سے اور منفصلاً جیسے "وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" (۳) (اس روز بہت سے منہ بارونق ہوں گے اور اپنے رب سے محو دیدار ہوں گے) میں "إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" کا بیان "لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ" (۴) (نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں) سے جو اس کے کچھ عرصہ بعد آیا ہے اور اس کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ پہلی آیت میں اللہ کو دیکھنے سے اس قسم کا دیکھنا مراد نہیں جیسا کہ تمام چیزوں کے لیے ہوا کرتا ہے کہ انسان جس چیز کو دیکھتا ہے اس کی پوری کیفیت و حقیقت کو جان لیا کرتا ہے۔

(و) بیان کی صورتیں:

یہاں قول سے بھی ہوتا ہے اور فعل سے بھی بلکہ آپ بیان کی مستقل بحث میں پڑھیں گے کہ سکوت و اشارہ سے بھی ہوتا ہے مگر معروف یہ دو چیزیں ہیں اور ان میں

---

(۱) [illegible] ص ۹۲ [illegible] ص ۹۹ [illegible] ص ۱۹۹ (۲) معارج: ۲۰، ۲۱ (۳) قیامہ: ۲۲-۲۳
(۴) انعام: ۱۰۳

بھی زیادہ تر قول سے ہوتا ہے۔

فعل کی مثال جیسے "وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ" (۱) (اپنے سروں کا مسح کرو) کے ذریعہ وضو میں سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے، مگر مقدار نہیں بیان کی گئی ہے، اس لیے یہ مجمل ہے جس کا بیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں فعلاً منقول ہے، جس میں یہ منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور پیشانی کی بقدر سر کا مسح فرمایا۔ (۲)

(ز) مراحل بیان اور باعتبار مراحل بیان، مجمل کا حکم:

بیان کے دو مراحل ہیں: ۱- بیان شافی۔ ۲- بیان غیر شافی۔

۱- بیان شافی:

جس سے متکلم کی مراد پورے طور پر اس درجہ واضح ہو جائے کہ پھر مزید استفسار یا تحقیق وغور فکر کی ضرورت نہ رہ جائے، پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ یہ بیان قطعی ہو، اس صورت میں مجمل، بعد بیان مفسر قرار پاتا ہے، جیسے صلاۃ، زکوٰۃ وغیرہ احکام شرع بایں معنی مجملات میں سے ہیں کہ شریعت نے ان کا مفہوم ان کے لغوی مفہوم سے جداگانہ متعین کیا ہے، لیکن قرآن وحدیث میں ان کے بیانات شافی بھی ہیں اور قطعی بھی، اس لیے یہ سب مفسر کے تحت داخل ہیں۔

دوم یہ کہ بیان شافی ہو مگر ظنی ہو، قطعی نہ ہو، اس صورت میں مجمل بعد بیان مؤوّل قرار پاتا ہے، جیسے سر کے مسح کا بیان فعلی ہونے کے باوجود شافی ہے مگر قطعی نہیں ظنی ہے، اس لیے کہ حدیث ہے اور وہ بھی ایسی کہ جس کا ثبوت قطعی نہیں ہے، اس لیے یہ مجمل مؤوّل قرار دیا گیا ہے۔

۲- بیان غیر شافی:

وہ بیان جس سے متکلم کی مراد کی وضاحت ہو مگر اس درجہ نہیں کہ مزید جستجو اور

---

(۱) المائدہ/۶۔ (۲) مسلم۔

غور وفکر کی ضرورت نہ رہ جائے بلکہ یہ ضرورت باقی رہے۔

اس صورت میں مجمل بعد بیان مشکل قرار پاتا ہے، اور اس کے لیے مشکل کے احکام ہوتے ہیں، یعنی لغوی معانی اور استعمالات کی تحقیق اور غور وفکر و قرائن کے ذریعہ معنی کی تعیین کی جاتی ہے (۱) جیسے "الرِّبا" آیات قرآنیہ میں اس وجہ سے مجمل ہے کہ اس کے لغوی معنی ہیں زیادتی اور ظاہر ہے کہ زیادتی خرید وفروخت میں بھی ہوتی ہے اور وہ حرام نہیں ہے اس لیے ربا سے ہر زیادتی مراد نہیں بلکہ خاص زیادتی مراد ہے، جس کو قرآن مجید میں متعین نہیں فرمایا گیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اس کے محل و مصداق کو متعین فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے کہ "سونے کو سونے، چاندی کو چاندی، گیہوں کو گیہوں، جو کو جو، کھجور کو کھجور، نمک کو نمک کے عوض برابر سرابر اور ہاتھوں ہاتھ بیچا کرو اور زائد لینا دینا ربا ہے۔" (۲)

اس سے "ربا" کے چند مواقع معلوم ہو گئے، لیکن یہ بیان شافی نہیں ہے اس لیے کہ اس میں یہ تصریح نہیں کہ ربا کا انھیں چھ میں انحصار ہے یا یہ کہ وہ دوسری چیزوں کو بھی شامل ہے، اور اگر دوسری کو شامل ہے تو اس کی ممانعت کی علت کیا ہے، جس کی بنیاد پر تعمیم کی جائے، اس لیے یہ آیت مجمل کی حد سے تو نکل گئی، مگر مشکل کے تحت داخل سمجھی گئی اور فقہاء نے غور وفکر و قرائن کی مدد سے علت و مواقع کی تعیین و تفصیل فرمائی ہے۔ (۳)

(ح) تنبیہ:

یہ ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ "مجمل" کے بیان کا موقع صرف عہد رسالت تک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں قرائن یا حدیث سے اس کا

---

(۱) اس لیے بعض حضرات نے مجمل کا حکم استفسار اور معانی کی تحقیق اور غور وفکر سے مراد کی تعیین بتایا ہے، حالانکہ جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے یہ ہر مجمل کا حکم نہیں ہے۔ (نور و قمر، ص ۹۱-۹۳، تفسیر ج ۱، ص ۲۹۴)۔

(۲) مسلم، مشکوٰۃ ص/۲۴۴۔ (۳) التوضیح ص/۲۹۴، نظامی ص/۱۰، تفسیر ج/۱، ص/۲۹۴، نور، ص/۹۲۔

بیان ہو سکتا ہے اور جو چیزیں محتاج بیان تھیں، ان کو بیان فرما بھی دیا گیا، خواہ شافی ہو یا غیر شافی۔(۱)

(ط) امثلہ:

مستقل اس عنوان کے تحت مثالیں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے اس لیے کہ مباحث کے ضمن میں متعدد مثالیں آ گئی ہیں۔

۴-متشابہ:

(الف) تعریف:

وہ مجمل کہ جس کی مراد کا علم نہ ہو سکے۔

اس لیے کہ نہ تو متکلم نے کسی موقع پر وضاحت کی ہو اور نہ ہی کوئی ایسا قرینہ پایا جاتا ہو جس کے ذریعہ مراد کی تعیین ہو سکے۔(۲)

(ب) حکم:

مراد کے برحق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے سکوت اختیار کرنا۔

(ج) اقسام مع امثلہ:

دو ہیں: ۱-اول وہ متشابہ جس کے معنی کا بالکل علم نہیں، جیسے حروف مقطعات یعنی قرآن کی متعدد سورتوں کے آغاز میں مذکور حروف تہجی، جو بظاہر حروف تہجی ہیں، اور کلام عرب میں اس کے علاوہ کسی دوسرے معنی کے لیے استعمال نہیں ہوتے۔

۲-دوم وہ متشابہ جس کے معنی از روئے لغت معلوم ہوں، لیکن کلام خداوندی میں اس کی وضاحت و تعیین نہ کی گئی ہو اور ظاہر یعنی معروف مفہوم کو مراد لینا جائز نہ ہو،

---

(۱) فتح بن ج۱ ص ۲۹۲ - ۲۹۳، ۲۹۹۔ (۲) بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ اگر مراد کا علم محض عقل ہی سے غور و فکر سے ہو جائے تو "مشکل" کہلائے گا اور اگر نقل کے بغیر نہ ہو سکے تو "مجمل" اور اگر کسی کے ذریعہ نہ ہو سکے تو "متشابہ" (التوضیح ص ۲۹۲، فواتح ج ۲، ص ۲۰-۲۴)۔

جیسے "یداہ مبسوطتان" (۱) (اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں)۔ ایسے ہی وہ تمام الفاظ جن کی نسبت مخلوقات کی طرف کی جاتی ہے، اور انھیں اللہ کی طرف منسوب کیا جائے، جیسے سننا، دیکھنا، بولنا وغیرہ کہ ان کا لغوی مفہوم معلوم ہے اور لیکن یہاں ان کا مراد لینا جائز نہیں ہے۔

(د) تنبیہ:

متشابہ کا مذکورہ بالا حکم، دنیا کی زندگی تک ہے اور افراد امت کے لیے ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی مراد کا علم تھا، تمام صحابہ وتابعین اور متقدمین محققین کا یہی مذہب رہا ہے، ایک جماعت کے اختلاف کے ساتھ مگر کہا جاتا ہے کہ جیسے اکثر متاخرین نے متشابہات کے ایک حصے کی لغت کی مدد اور اصول شرع کی رعایت کے ساتھ افہام اور تفہیم کی غرض سے تشریح وتوضیح فرمائی ہے، مثلاً ''اللہ کے ہاتھ'' سے اس کی ''قدرت'' اور ''اللہ کے چہرہ'' سے اس کی ''ذات'' کو مراد لیا جائے، اسی طرح بعض متقدمین نے بھی ان کی تشریح کی ہے۔ (۲)

---

(۱) المائدہ۔ (۲) نور وقمر، ص ۹۳-۹۴، عمدہ ص/۲۵، حسامی ونظامی ص ۱۰، کشف ج/۱، ص/۵۵، التوضیح ص/۲۹۴-۲۹۵، فواتح ج ۲، ص ۲۲۔

پیچھے اجمالی طور سے متشابہ کی مراد کے علم کی بابت اختلاف ذکر کیا گیا ہے۔ متقدمین میں اختلاف کرنے والی جماعت میں امام شافعی اور بعض صحابہ وتابعین بھی ہیں، چنانچہ بعض صحابہ وتابعین سے بھی متشابہات کی مراد کی تعیین وتوضیح منقول ہے، اور امام شافعی کا اختلاف تو معروف ومشہور ہے اور اس کی بنیاد بھی وہ آیت ہے جس میں متشابہات اور اس کی بابت اہل ایمان اور اہل زیغ کے ردعمل کا ذکر ہے۔ اس میں یہ ٹکڑا بھی ہے "وما یعلم تاویلہ إلا اللہ والراسخون فی العلم یقولون" الآیہ۔ (آل عمران ۷) مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے)۔ امام شافعی وغیرہ کا فرمان ہے کہ وقف "فی العلم" پر ہے، لہٰذا مطلب یہ ہے کہ علمی رسوخ کے حاملین ان کی مراد سے واقف ہیں، اور دوسرے حضرات کہتے ہیں "إلا اللہ" پر، کہ اللہ نے اسے اپنی ذات تک یا زیادہ سے زیادہ رسول کی ذات تک محدود رکھا ہے، لیکن اس موضوع پر بحث کرنے والوں نے تصریح کی ہے کہ احوط متقدمین کی ہی رائے ہے اور ساتھ ہی یہ کہ یہ اختلاف حقیقی نہیں ہے، جس نے انکار کیا ہے، قطعی تعیین وتوضیح کا کیا ہے، اور جس نے جو کہا ہے تو قطعی توضیح کے طور پر نہیں بلکہ محض تفہیم وتمثیل کے طور پر، اس کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے "والراسخون فی العلم" پر وقف منقول ہے اور ساتھ ہی یہ ارشاد کہ ''میں راسخین میں سے ہوں'' =

(ہ) موقع:

متشابہات اگرچہ کتاب وسنت دونوں میں موجود ہیں، مگر ان کا تعلق احکام تکلیفیہ اور فقہیات سے نہیں ہے، ان سے متعلق کوئی عبارت ولفظ ایسا نہیں ہے جس کی مراد کا کم از کم گمان غالب کے درجہ میں علم نہ ہو، بلکہ متشابہات کا تعلق عقائد سے ہے، کہ جس کا حاصل، مان لینا اور تسلیم کر لینا ہے، عمل نہیں۔(۱)

(و) مراتب:

ان چاروں کی باہمی ترتیب، ان کے ذکر کی ترتیب کے اعتبار سے ہے، خفی سب سے ادنیٰ اور متشابہ سب سے اعلیٰ ہے، جیسا کہ تفصیلات سے ظاہر ہے۔(۲)

(ز) باہمی ربط:

ان کا بھی، ان کے بالمقابل اقسام کی مانند ہے کہ ان میں بھی ہر بعد والے میں پہلے والے کا مفہوم شامل ہے، جیسا کہ تعریفات سے ظاہر ہے، اسی لیے مشکل کے حکم میں دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں، معانی کی طلب وتلاش اور غور وفکر کے ذریعہ معانی مراد کی تعیین اور مجمل کے حکم کے تحت مشکل کے حکم کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

= اور مقطعات کی تفسیر میں بہت کچھ منقول ہے، ان سے ہی "اِلا اللّٰہ" پر بھی وقف منقول ہے، اور اگلے ٹکڑے کی قرأت بایں الفاظ "ویقول الراسخون فی العلم" جس کے بعد اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی کہ متشابہات کی مراد کے علم میں وہ بھی شریک وشامل ہوں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج/۱، ص/۳۴۷، اور طبری)۔

(۱) تفسیر ج/۱، ص/۳۱۲-۳۱۳، ۳۱۸-۳۱۹۔ (۲) نظامی ص/۱۰، قمر، ص/۸۹۔

باب چہارم
تقسیم چہارم
(لفظ کے استعمال کے اعتبار سے)

تمہید:

گفتگو میں الفاظ و جملوں کو کبھی تو ان کے ''معنی موضوع لہٗ''، یعنی جس معنی کو ادا کرنے کے لیے ان کو اختیار و ایجاد کیا گیا ہو، اس کے لیے ان کو استعمال کیا جاتا ہے، اور کبھی ''معنی غیر موضوع لہٗ''، یعنی کسی ایسے معنی کے لیے ان کا استعمال ہوتا ہے جس کو ادا کرنے کے لیے ان کی ایجاد نہیں ہوتی، اس استعمال کے اعتبار سے لفظ کی دو اقسام ہیں: ۱-حقیقت، ۲-مجاز۔ اور ان میں سے ہر ایک کی دو دو اقسام ہیں: صریح و کنایہ، ان چاروں کا تعلق عام و خاص دونوں سے ہوتا ہے:

۱-حقیقت: (☆)

(الف) تعریف:

۱-لغوی: "فَعِیلَۃٌ" کے وزن پر "حَقَّ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: ثابت ہونا، حقیقت بمعنی ثابت ہے، اور اصل لفظ ''حقیق'' ہے، اس کے ساتھ ساتھ "ۃ" عربی قاعدہ کی رو سے اس لیے لگی ہے کہ صفت کا صیغہ ہونے کے باوجود بطور اسم اس کا

(☆) حقیقت و مجاز اصل میں الفاظ کے عوارض میں سے ہیں، توسعاً الفاظ کی اقسام کہہ دیتے ہیں۔ (نور، ص/۹۴، نظامی ص/۱۱)۔

استعمال ہوتا ہے۔

۲-اصطلاحی: ''وہ لفظ جس کو اپنے معنی موضوع لہ کے لیے استعمال کیا جائے۔''

☆ عام ہے کہ وضع لغوی وشرعی ہو یا عرفی واصطلاحی، چاروں میں سے کسی کی رو سے لفظ کو جس معنی ومفہوم کے لیے وضع کیا گیا ہو، اگر اسی کے تحت اسی معنی ومفہوم کے لیے اس کا استعمال ہو تو حقیقت کہلائے گا، جیسے لفظ ''صلاۃ'' کا ایک لغوی مفہوم ہے یعنی ''دعا'' اور ایک شرعی مفہوم ہے یعنی ''نماز'' لغت کی رو سے اول ''حقیقت'' اور دوم ''مجاز'' ہے، اور شرع کی رو سے دوم حقیقت ہے اور اول مجاز ہے۔(۱)

(ب) حکم:

لفظ کو جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو، اسی کا اعتبار ہوگا۔(۲)

(ج) مثال:

"یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا" (۳) (اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو) کہ اس آیت میں حقیقت رکوع وسجدہ کا ہی حکم دینا مقصود ہے۔

۲-مجاز:

(الف) تعریف:

وہ لفظ (۴) جو کسی قرینہ ومناسبت کی وجہ سے معنی غیر موضوع لہ کے لیے استعمال کیا جائے۔(۵)

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۲۰۳، التوضیح ص/۱۸۴ و ۲۱۶، نور، ص/۹۴-۹۵، حسامی ص/۱۳۔ (۲) نور، ص/۹۴۔ (۳) الحج/۷۷۔ (۴) لفظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجاز صرف مفردات یعنی ایک ایک کلمہ میں تو ہوتا ہے، جملے یعنی ان کے مجموعے میں نہیں ہوتا بلکہ جیسے مفرد میں ہوتا ہے، مرکبات اور جملوں میں بھی ہوتا ہے، جیسے محاورات وضرب الامثال کہ ان کا استعمال بطور مجاز ہی ہوتا ہے۔ (۵) فواتح ج/۱، ص/۲۰۳، توضیح ص/۱۸۴، نور، ص/۹۴، حسامی ص/۱۱۔ البتہ ان کتابوں میں قرینہ کی قید مذکور نہیں، اگرچہ معتبر ہے۔

(ب) شرائط:

لفظ کو معنی موضوع لہ کے بجائے معنی غیر موضوع کے لیے استعمال کرنے کی دو شرطیں ہیں، جیسا کہ تعریف سے ظاہر ہے۔

اول قرینہ جو اس کا تقاضا کرے اور دوم مناسبت جس کو عموماً ''علاقہ'' کے لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے، ان دونوں سے متعلق ضروری تفصیل آگے آرہی ہے۔(۱)

(ج) مثال:

"وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ" ایک تفسیر کے مطابق اس میں رکوع نماز پڑھنے کے معنی میں ہے قرینہ مع الراکعین ہے کہ مقصد باجماعت نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہے نہ کہ جماعت بنا کر محض رکوع کرنے کا، اور مناسبت یہ ہے کہ رکوع نماز کا جزء وحصہ ہے اور کسی چیز کے جزء وحصے کو ذکر کر کے پوری کو مراد لے لیا کرتے ہیں۔

(د) حکم:

معنی غیر موضوع لہ کا اعتبار ہوگا اور اسی کو مراد لیا جائے گا۔

(ہ) لفظ کا حقیقت ومجاز دونوں کو محتمل ہونا:

اگر کوئی لفظ دونوں کو محتمل ہو تو حقیقت کو ترجیح ہوتی ہے، اس لیے کہ اصل حقیقت ہی ہے البتہ اگر کوئی آدمی ایسے لفظ کو بول کر مجاز کی نیت کر لے تو مجاز مراد ہوگا اور اگر مجاز ہی ممکن ہو تو بغیر نیت وہی مراد ہوگا، جیسے اگر اپنی بیوی سے یوں کہے "حررتك" (میں نے تجھ کو آزاد کر دیا) تو اس کے تحت حقیقت بھی ممکن ہے کہ کام وخدمت سے آزادی مراد ہو، اور مجاز بھی کہ نکاح کی قید سے آزادی مراد ہو، اس لیے اگر مجاز کی نیت کرے تو مجاز مراد ہوگا، اور اگر کسی آزاد عورت سے کہے ''مجھے اپنی ذات کا مالک

(۱) مجاز کا تحقیق ان دونوں شرطوں کے وجود پر موقوف ہے اور ضرورت پر موقوف نہیں ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت کا استعمال ممکن نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اختیار کیا جاتا ہے۔ (نور، ص/ ۹۵، حسامی ۱۳، فواتح ج/۱، ص/۲۱۵، توضیح /۲۱۶)۔

بنادے'' تو مجاز ہی مراد ہوگا، یعنی بذریعہ نکاح مالک بنانا، اس لیے کہ حقیقت یہاں ممکن ہی نہیں ہے کہ آزاد انسان نہ کسی کی ملکیت میں ہوتا ہے اور نہ جا سکتا ہے۔(۱)

(و) حقیقت ومجاز دونوں کو جمع کرنا:

کسی لفظ سے ایک ہی وقت میں دونوں کو مراد لینا جائز نہیں جیسے شیر کے لفظ سے ایک ہی موقع پر بہادر بھی مراد لیں اور خاص جانور بھی۔(۲)

(ز) حقیقت ومجاز دونوں کا الغاء:

ایسے بھی مواقع آتے ہیں کہ جہاں کلام سے نہ حقیقت مراد لی جاسکتی ہے اور نہ مجاز، ایسے موقع پر کلام مہمل ولغو قرار پاتا ہے، مثلاً ایک شخص کی بیوی اتنی عمر کی ہو کہ اس عمر کی اس کی لڑکی ہو سکتی ہو، اور اس بیوی کا نسب یعنی باپ و خاندان معلوم و معروف ہو، ایسی بیوی کو اگر شوہر اپنی بیٹی کہے تو نہ حقیقت مراد ہوگی اور نہ مجاز، حقیقت اس لیے مراد نہیں ہوگی کہ اس کا خاندان معلوم ومعروف ہے اور مجاز اس لیے کہ کہنے والے کی بیوی ہے۔(۳)

(ح) عموم مجاز:

یوں تو حقیقت ومجاز دونوں کو ایک لفظ سے بیک وقت مراد نہیں لے سکتے، مگر ایک صورت دونوں کو جمع کرنے کی معروف ہے، جسے ''عموم مجاز'' کہتے ہیں:

۱-تعریف:

وہ لفظ جس کے معنی مجازی اتنے عام ہوں کہ حقیقت بھی اس کے مصداق و افراد میں شامل ہو۔

۲-حکم:

ایسے لفظ سے یہی عموم مراد لیا جائے گا اور وہی معتبر ہوگا۔

---

(۱) اصول وعمدہ، ص/۱۹، حسامی ص/۱۶۔ (۲) فواتح ج/۱، ص/۲۱۶، حسامی ص/۱۴، نور، ص/۹۶، توضیح ص/۲۱۶۔
(۳) فواتح ج/۱، ص/۲۲۱، توضیح ص/۲۲۸-۲۲۹، نور، ص/۱۱۰۔

۳-مثال:

"کسی کے گھر میں پیر رکھنا" کہتے ہیں: "میں فلاں کے گھر میں پیر نہیں رکھوں گا" اس لفظ کے مجازی معنی ہیں: داخل ہونا، جس کے تحت پیر رکھنے کی تمام صورتیں آتی ہیں، حقیقی بھی، کہ پیر کو جوتے وغیرہ کے بغیر زمین پر رکھا جائے، اور مجازی بھی، کہ جوتے پہن کر پیر رکھا جائے یا سواری کو واسطہ بنا کر، البتہ اگر اس لفظ سے کوئی خاص صورت مراد لے، مثلاً پہلی، تو اسی کا اعتبار ہوگا۔(۱)

(ط) ذرائع علم:

حقیقت کا علم اہل لغت سے ہوتا ہے کہ وہی یہ متعین کرتے ہیں کہ کس معنی کی ادائیگی کے لیے کس لفظ کو ایجاد کیا گیا ہے، اور مجاز کا معاملہ یہ ہے کہ زبان سے واقف کوئی بھی شخص غور و فکر کے ذریعہ مناسبت کی کسی صورت کے سمجھ میں آنے پر لفظ کو غیر موضوع لہ معنی کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔(۲)

تنبیہ:

اگر کسی لفظ کو کسی مناسبت کے بغیر کسی معنی کے لیے استعمال کیا جائے تو اس لفظ کو "مرتجل" کہتے ہیں اور کسی لفظ کا اس طور پر استعمال کہ اس سے کوئی معنی مراد نہ ہوں، "ہزل" کہلاتا ہے۔(۳)

قرینہ

۱-تعریف:

وہ امر جو معنی موضوع لہ کے بجائے غیر موضوع لہ کے مراد ہونے پر دلالت کرے۔(۴)

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۲۱۶، نور، ص/۱۰۱، حسامی ص/۱۵۔ (۲) اصول و عمدہ ص/۱۵۔ (۳) نظامی ص/۱۱، فواتح ج/۱، ص/۲۰۳۔ (۴) توضیح ص/۱۳۰۔

۲-اقسام:

دو ہیں: (الف) قرینہ لفظیہ، (ب) قرینہ معنویہ۔

(الف) قرینہ لفظیہ:

تعریف:

وہ لفظ جو حقیقت کے بجائے مجاز کے مراد ہونے پر دلالت کرے۔

۳-مثال:

"وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ" (اور جھکادے ان کے آگے کندھے عاجزی سے) میں "الذل" (عاجزی) قرینہ ہے کہ "خفض جناح" (بازو کے جھکانے) سے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

(ب) قرینہ معنویہ:

۱-تعریف:

وہ امر معنوی جو حقیقت کے بجائے مجاز کے مراد ہونے پر دلالت کرے۔

۲-مثال:

عرف وعادت وغیرہ، جیسے قدم رکھنے سے، دخول مراد ہونا۔

۳-صورتیں:

ان دونوں اقسام کے تحت پانچ نکلتی ہیں، جنھیں عموماً حقیقت کو چھوڑنے کی "دواعی ومقتضی امور" کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

(الف) محل کلام۔ (ب) غرض متکلم۔ (ج) سیاق کلام۔

(د) نفس کلام۔ (ہ) عرف وعادت۔

(الف) محل کلام

۱-تعریف:

کلام کے موقع ومحل کا حقیقت کو قبول نہ کرنا۔

۲-مثال:

کوئی آدمی اپنے ایسے غلام کے متعلق کہ جس کی عمر کا اس کا لڑکا نہیں ہوسکتا۔ یا ایسے غلام کے متعلق کہ جس کا نسب وخاندان معروف ہو، یہ کہے کہ "یہ میرا بیٹا ہے" تو اس کلیہ کلام اس غلام کی عمر کی زیادتی اور نسب کی شہرت کی بنا پر مجاز پر ہی محمول ہوگا۔

(ب) غرض کلام:

۱-تعریف:

کلام ومتکلم کی غرض کا حقیقی معنی کو قبول نہ کرنا۔

۲-مثال:

ایک شخص نے کسی کو کھانے کی دعوت دی اور وہ قسم کھا کر انکار کردے، یوں کہے: "میں نہیں کھاؤں گا" تو اگرچہ الفاظ عام ہیں کہ جن کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ وہ کبھی نہ کھائے گا، مگر غرض کے پیش نظر اس سے خصوصی کھانا مراد ہوتا ہے، یعنی وہی کھانا جس کے لیے اس کو دعوت دی گئی تھی۔

(ج) سیاق کلام:

۱-تعریف:

کلام کے ماقبل ومابعد کا حقیقی معنی کو قبول نہ کرنا۔

۲-مثال:

ارشاد باری تعالیٰ "فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ" (تو جو چاہے

ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے) اس سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کی جانب سے ایمان وکفر کا اختیار ہے، مگر اس کے معاً بعد اس فرمان "إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا" (۱) (ہم نے ظالموں کے لیے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے) نے یہ بتایا کہ یہ بات بطور تنبیہ وڈانٹ کے فرمائی گئی ہے۔

(د) نفس کلام:

۱-تعریف:

خود کلام کا حقیقی مفہوم کو قبول نہ کرنا خواہ کلام میں مذکور کسی قید کی وجہ سے یا خود لفظ کے اپنے معنی وحقیقت کی وجہ سے۔

۲-امثلہ:

"وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ" (۲) (اور جھکے رہو ان کے لیے عجز و نیاز سے) میں "ذل" کی قید "جناح" کے حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہے۔

اور کوئی یوں کہے: "میرے سارے مملوک آزاد ہیں" تو اس کے مُکاتَب (۳) غلام اس کے تحت نہیں آتے، اس لیے کہ مملوک کا لفظ معنیً ان کو شامل نہیں کہ مملوک اس کو کہتے ہیں جو کہ پورے طور پر ملکیت میں ہو اور مکاتب کا معاملہ یہ نہیں ہے۔

(ہ) محاورۂ کلام یعنی عرف وعادت:

۱-تعریف:

متکلم کے علاقہ اور کلام کے محاورہ کا حقیقی معنی کو قبول نہ کرنا جسے عرف و عادت کہہ دیا کرتے ہیں۔

---

(۱) الکہف ۲۹۔ (۲) الاسراء ۲۴۔ (۳) مکاتب وہ غلام جس سے آقا نے کچھ مال لے کر خاص صورت میں آزادی کا معاملہ کیا ہو، اس معاملہ کی وجہ سے ایسا غلام پورے طور پر آقا کا مملوک نہیں رہ جاتا اور مملوک کا لفظ اس کے لیے آتا ہے جو پورے طور پر ملکیت میں ہو، اس لیے یہ لفظ اس کو شامل نہیں ہوتا۔

۲-مثال:

قدم رکھنا کہ اس سے داخل ہونا مراد لیا جاتا ہے، درخت کا کھانا کہ اس سے اس کے پھل کا کھانا مراد لیا جاتا ہے۔(۱)

☆ ان میں سے سیاق کلام اور نفس کلام کی پہلی صورت ''قرینہ لفظیہ'' اور باقی صورتیں ''قرینہ معنویہ'' کے تحت آتی ہیں۔

مناسبت

۱-تعریف:

(الف) لغوی: دو چیزوں کی کسی وصف میں شرکت۔

(ب) اصطلاحی: معنی موضوع لہ (یعنی حقیقت) اور معنی غیر موضوع لہ (یعنی مجاز) دونوں کا کسی وصف میں شریک ہونا۔

یا یوں کہیے کہ وہ وصف جو معنی موضوع لہ اور غیر موضوع لہ کے درمیان ربط پیدا کرتا ہو۔(۲)

۲-مناسبت کی صورتیں:

علماء بلاغت نے پچیس ذکر کی ہیں، تفصیل بلاغت کی کتابوں میں ملے گی، یہاں اجمالی فہرست اور اصول فقہ سے متعلق معلومات ملاحظہ فرمائیں:

۱-سبب کا مسبب پر۔ ۲-مسبب کا سبب پر۔ ۳-کل کا بعض پر۔ ۴-بعض کا کل پر۔ ۵-عام کا خاص پر۔ ۶-خاص کا عام پر۔ ۷-حال کا محل پر۔ ۸-محل کا حال پر۔ ۹-مضاف کا مضاف الیہ پر۔ ۱۰-مضاف الیہ کا مضاف پر۔ ۱۱-لازم کا ملزوم پر۔ ۱۲-ملزوم کا لازم پر۔ ۱۳-مطلق کا مقید پر۔ ۱۴-مقید کا مطلق پر۔ ۱۵-انجام کا حال پر۔ ۱۶-ماضی کا حال واستقبال پر۔ ۱۷-کسی چیز کا اس سے متصل وقریب کی چیز پر۔

---

(۱) نور، ص/۱۱۱-۱۱۲، حسامی ص/ ۱۷-۱۸، توضیح ص/۲۲۴-۲۲۵۔ (۲) حاشیہ مختصر ص/ ۱۶۹۔

۱۸-کسی چیز کے آلہ و ذریعہ کا نفس اس شے پر۔ ۱۹-دو ضدوں میں سے ایک کا دوسرے پر۔ ۲۰-مبدل منہ کا بدل پر اطلاق نیز۔ ۲۱-نکرہ کو اثبات کے تحت عموم کے لیے لانا۔ ۲۲-معرف باللام سے فرد واحد کو مراد لینا۔ ۲۳-حذف۔ ۲۴-زیادتی۔ ۲۵-تشبیہ۔(۱)

۳-اصطلاحات:

ان صورتوں کے لیے اصطلاحی تعبیر کے حق میں علماء نے ان کو دو حصوں میں قرار دیا ہے:

(الف) اول سے لے کر ۲۴ رتک۔ (ب) آخری یعنی پچیسویں صورت۔

اور دونوں حصوں کے الگ الگ عناوین تجویز کیے ہیں۔

علماء بلاغت:

پہلے کو''مجاز مرسل'' اور دوسرے کو''استعارہ'' سے تعبیر کرتے ہیں اور۔

علماء اصول:

پہلے حصے کے لیے''اتصال صوری'' اور دوسرے کے لیے''اتصال معنوی'' کی تعبیرات لاتے ہیں۔ اور''مجاز مرسل'' و''استعارہ'' کی تعبیرات کا مفہوم ان کے نزدیک ایک ہی ہے، یعنی''کسی مناسبت کی وجہ سے معنی غیر موضوع لہ کو مراد لینا'' خواہ مناسبت کی کوئی صورت و وجہ ہو۔

(الف) اتصال صوری:

۱-تعریف:

موضوع لہ یعنی حقیقت''غیر موضوع لہ'' یعنی مجاز کا صورۃً ایک دوسرے سے متعلق ہونا۔

---

(۱) فواتح ج/۱،ص/۲۰۳، نظامی ص/۱۱۔

۲-مثال:

میں عام طور سے دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں: (الف) سبب ومسبب کا آپس میں تعلق۔ (ب) علت ومعلول کا آپس میں تعلق۔

(ب) اتصال معنوی:

۱-تعریف:

حقیقت ومجاز کا اپنے حقیقی مصداق سے الگ کسی وصف میں شریک ہونا۔

☆ اسی معنی کو اہل بلاغت ''وجہ شبہ'' کہتے ہیں، اس لیے کہ یہ صورت تشبیہ کی ہے۔

۲-مثال:

دو چیزوں کا مشروعیت یا عدم مشروعیت کی وجہ میں شریک ہونا اور اس کی وجہ سے احکام میں موافقت ومناسبت جیسے نشہ کی وجہ سے شراب کی جیسی کسی دوسری چیز کا حرام ہونا۔

☆ تعریف میں ''وصف'' اور مثال میں ''وجہ'' سے ایک ہی چیز مراد ہے، اسی کو اہل بلاغت تشبیہ کی صورت ہونے کی وجہ سے ''وجہ شبہ'' کہتے ہیں اور فقہاء ''علت حکم''۔

(ج) توضیح امثلہ اتصال صوری:

ذکر کیا جا چکا ہے کہ اصولیین اتصال صوری کی دو مثالیں ذکر کیا کرتے ہیں:

۱-سبب ومسبب کا تعلق۔ ۲-علت ومعلول کا تعلق۔ (۱)

---

(۱) اور یہ بھی دراصل ایک ہی مثال کی دو شقیں ہیں، اس لیے کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سبب اور علت ''احکام وضعیہ'' کی اقسام ہیں اور عمل کے دواعی یعنی ان امور سے ہیں جو شے کے وجود وثبوت کا تقاضا کرتے ہیں، تو گویا انھوں نے انھیں کے ضمن میں اس اصل کو لے لیا۔

۱- سبب ومسبب:

یعنی حقیقت ومجاز کا آپس میں سبب ومسبب ہونا کہ ایک سبب ہو اور دوسرا اس کا مسبب یعنی اس پر مرتب ہونے والا اس صورت میں سبب سے مسبب کا مراد لینا صحیح ہے مگر مسبب سے سبب کا مراد لینا صحیح نہیں ہے۔(۱) مثلاً مرد کو عورت پر دو قسم کی ملکیتیں حاصل ہو سکتی ہیں، ایک ملک متعہ یعنی اس سے خاص انداز کے انتفاع کا مالک ہونا جو کہ زوجین کے درمیان ہوا کرتا ہے، اس کا حصول ''نکاح'' کے ذریعہ ہوتا ہے، دوسرے ملک رقبہ یعنی ذات کی ملکیت، یہ مرد کو باندی پر حاصل ہوا کرتی ہے، جو کسی ذریعہ سے اس کی ملکیت میں آجائے اور یہ ملکیت مخصوص شرطوں کے ساتھ ''ملک متعہ'' کے حصول کا ذریعہ بھی بنتی ہے، اور اس صورت میں ملک رقبہ کے حصول کا ذریعہ سبب اور ملک متعہ مسبب قرار پائی ہے، یعنی دونوں میں سبب ومسبب کا تعلق ہے، اس لیے ملک رقبہ کے حصول کا ذریعہ بننے والے الفاظ سے ملک متعہ کا حصول مراد لیا جا سکتا ہے۔(۲)

یعنی خرید وفروخت اور ہبہ وتملیک کے الفاظ کو نکاح جو ملک متعہ کے حصول کا ذریعہ ہے اس کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، ایسے ہی ملک رقبہ کو ختم کرنے والے الفاظ سے ملک متعہ کا ختم کرنا مراد لیا جا سکتا ہے، مثلاً آزادی کے لفظ سے طلاق کو مراد لینا جس سے رشتہ نکاح کو ختم کیا جاتا ہے، لیکن اس کا عکس صحیح نہیں ہے، یعنی ملک متعہ کے حصول کا ذریعہ بننے والے الفاظ مثلاً نکاح تزوج وغیرہ سے ملک رقبہ کے حصول کو اور ملک متعہ کے زوال کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ مثلاً طلاق وغیرہ سے ملک رقبہ کے زوال کو نہیں مراد لے سکتے۔

---

(۱) یعنی فقہ کی رو سے، بلاغت کی رو سے صحیح ہے۔(۲) فواتح ج/۱، ص/۲۲۳-۲۲۴، التوضیح ص/۲۰۱، نور، ص/۱۰۴-۱۰۶، حسامی ص/۱۱-۱۲۔

۲-علت ومعلول:

یعنی حقیقت ومجاز کا آپس میں علت ومعلول ہونا کہ ایک علت ہو اور دوسرا معلول، اس صورت میں کسی ایک سے دوسرے کو مراد لیا جاسکتا ہے، یعنی علت سے معلول کو، اور معلول سے علت کو، مثلاً خریدنا، ملکیت کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے، خریدنا علت اور ملکیت معلول ہے، ایک سے دوسرے کو مراد لیا جاسکتا ہے، یعنی خریدنے سے ملکیت کو اور ملکیت سے خریدنے کو، الّا یہ کہ شرعاً کوئی قباحت لازم آتی ہو تو ایسا درست نہ ہوگا۔

اقسام حقیقت

تمہید:

حقیقت میں دو تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) باعتبار استعمال۔(ب) باعتبار ارادہ یعنی مراد کے اعتبار سے۔

(الف) تقسیم اول:

باعتبار استعمال حقیقت کی تین اقسام ہیں:

۱-متعذرہ۔۲-مہجورہ۔۳-مستعملہ۔

۱-متعذرہ:

(الف) تعریف:

۱-لغوی: دشوار۔

۲-اصطلاحی: وہ حقیقت جس کا اختیار کرنا یا تو ممکن ہی نہ ہو یا ممکن تو ہو مگر نہایت مشقت کے ساتھ۔

(ب) حکم:

مجاز ہی مراد ہوتا ہے، حقیقت پر اعتبار و عمل نہیں ہوتا۔

(ج) مثال:

کسی نے کہا میں یہ پتیلی نہیں کھاؤں گا، ۲- یا یہ درخت نہیں کھاؤں گا۔ پہلی صورت میں چونکہ حقیقت ممکن نہیں ہے اس لیے جو چیز پتیلی کے اندر ہو یا اس میں پکائی جائے وہ مراد ہوگی، حتی کہ اگر کسی طریقے سے پتیلی کو کھالیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور دوسری صورت میں اگر چہ عین درخت کا کھانا ممکن ہے مگر عادت کے خلاف ہے اور نہایت مشقت کے ساتھ کھایا جا سکتا ہے، اس لیے اس سے اس کا پھل یا پتی جو چیز کھائی جاتی ہو، وہ مراد ہوگی یا اس کی قیمت اور اس سے حاصل کی جانے والی چیز، اور اس صورت میں بھی درخت کے کھالینے پر قسم نہیں ٹوٹے گی۔

تنبیہ:

یہ حکم ان درختوں کا ہے جو خود نہیں کھائے جاتے، اور جو پودے و درخت کھائے جاتے ہیں، ان میں انھیں کا کھانا مراد ہوگا، ایسے ہی اگر پتیلی کھائی جانے والی کسی چیز سے بنائی گئی ہو تو اس کا اعتبار ہوگا، مثلاً شکر کی ہو۔

۲- مہجورہ:

(الف) تعریف:

۱- لغوی: چھوڑی ہوئی۔

۲- اصطلاحی: وہ حقیقت جس پر عمل ہونے کے باوجود متروک ہو۔

(خواہ عادۃً متروک ہو کہ عرف و عادت اس کے نہ کرنے اور نہ ماننے کی ہو یا شرعاً متروک ہو کہ شریعت اس سے منع کرتی ہو)۔

(ب)حکم:

مجاز ہی مراد ہوتا ہے، حقیقت پر اعتبار و عمل نہیں ہوتا۔

(ج)مثال:

قدم رکھنا کہ عرف میں اس سے پیر کا رکھنا ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ ''داخل ہونا'' مراد لیا جاتا ہے، لہٰذا اگر کسی شخص نے کسی گھر میں قدم نہ رکھنے کی قسم کھائی تو گھر کے اندر داخل ہونے سے ہی اس کی قسم ٹوٹے گی، خواہ داخلہ کسی صورت میں ہو، اور اگر صرف پیر گھر کے اندر کر لے اور باقی جسم گھر سے باہر ہو یعنی دخول کی صورت نہ پائی جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

۳-مستعملہ:

(الف)تعریف:

وہ حقیقت جس کا استعمال واعتبار رائج ہو۔

(ب)اقسام:

دو ہیں: ۱- جس کا مجاز متعارف ہو۔ ۲- جس کا مجاز متعارف نہ ہو۔

۱-مجاز متعارف:

(الف)تعریف:

وہ مجاز جس کا استعمال عام ہو یعنی عوام وخواص سب اس سے واقف ہوں، اس وجہ سے کہ اس کا استعمال حقیقت سے زیادہ ہو۔

(ب)حکم:

امام صاحب کے نزدیک حقیقت پر عمل ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک عموم مجاز پر۔(۱)

---

(۱) عموم مجاز کی تعریف گزر چکی ہے۔

(ج) مثال:

کسی نے قسم کھائی کہ گیہوں نہیں کھائے گا، اور گیہوں کے متعلق عام معمول اس کی روٹی سے کھانے کا ہے، امام صاحب کہتے ہیں اگر گیہوں کو ہی کھائے گا تو قسم ٹوٹے گی ورنہ نہیں، اور صاحبین کہتے ہیں کہ خواہ گیہوں کو کھائے یا اس کی روٹی یا اس کے آٹے سے بنائی جانے والی کوئی چیز مگر ستو کے علاوہ تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

۲- مجاز غیر متعارف:

(الف) تعریف:

وہ مجاز جس کا استعمال مشہور ورائج نہ ہو یعنی تمام لوگ اس سے واقف نہ ہوں۔

(ب) حکم:

حقیقت پر عمل ہوگا۔(۱)(☆)

(ب) تقسیم دوم باعتبار ارادہ:

حقیقت کی دو اقسام ہیں: ۱- کاملہ۔ ۲- قاصرہ۔

---

(۱) نور، ص/ ۱۰۷-۱۰۸، فواتح ج/ ۱، ص/ ۲۲۰-۲۲۱، توضیح ص/ ۲۲۷-۲۲۸، حسامی ص/ ۱٦-۱۷۔

(☆) فقہاء نے اس موقع پر یہ بحث فرمائی ہے کہ ان حضرات کے اس اختلاف کی بنیاد ایک دوسرا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ مجاز حقیقت کی فرع و نائب کس اعتبار سے ہے، امام صاحب فرماتے ہیں: یہ نیابت وفرعیت باعتبار لفظ ہے، یعنی مجاز کے اعتبار کے لیے یہ ضروری وکافی ہے کہ زبان کی رو سے انسان کا کلام صحیح ہو، مثلاً اگر عربی زبان استعمال کی جائے تو باعتبار عربیت کلام صحیح ہو، اب اگر حقیقت ممکن ہو تو اس پر عمل کریں گے ورنہ مجاز پر۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نیابت وفرعیت حکم کے اعتبار سے ہے، یعنی مجاز کے اعتبار کے لیے یہ ضروری ہے کہ حقیقت پر عمل ممکن ہو، پھر اگر اس پر عمل کر سکیں تو عمل کریں گے اور اگر کسی مانع کی وجہ سے عمل نہ ہو سکے تو مجاز کو اختیار کریں گے، مثلاً: ایک شخص نے اپنی عمر سے زائد عمر کے اپنے غلام کے متعلق کہا "ھذا ابنی" (یہ میرا بیٹا ہے)، امام صاحب فرماتے ہیں: چونکہ اس کا یہ جملہ باعتبار زبان صحیح ہے اور حقیقت ممکن و مراد نہیں، اس لیے مجاز مراد لے کر اس غلام کو آزاد قرار دیں گے، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ چونکہ اس عمر کے غلام پر حقیقت صادق نہیں آتی، اس لیے کہ لڑکا باپ سے بڑی عمر کا نہیں ہو سکتا، لہٰذا مجاز کا مراد لینا درست نہ ہوگا۔

۱-حقیقت کاملہ:

(الف)تعریف:

وہ حقیقت جس کے تمام افراد مراد لیے جائیں۔

۲-حقیقت قاصرہ:

(الف)تعریف:

وہ حقیقت جس کے بعض افراد مراد لیے جائیں۔

(ب)حکم ومثال:

یہ ضروری نہیں کہ حقیقت سے حقیقت کاملہ ہی مراد لی جائے، بلکہ حقیقت قاصرہ بھی مراد لی جاسکتی ہے، مثلاً لفظ انڈے سے اگر تمام جانوروں کے انڈے مراد لیے جائیں تو ''حقیقت کاملہ'' کہلائے گی، اور اگر بعض جانوروں کے مراد ہوں تو ''حقیقت قاصرہ'' بلکہ عرف وعادت کی بنا پر بسا اوقات حقیقت قاصرہ ہی مراد ہوتی ہے، الا یہ کہ حقیقت کاملہ کی نیت کر لی جائے مثلاً انڈے سے جن جانوروں کا انڈا کھایا جاتا ہے، انھیں کا انڈا مراد ہوتا ہے، ایسے ہی گوشت میں بھی ہوتا ہے۔(۱)

صریح وکنایہ

صریح:

(الف)تعریف:

وہ لفظ جس کی مراد ظاہر ہو۔(یعنی محض لفظ کے سننے سے سمجھ لی جائے، جان لی جائے اور اس کے جاننے کے لیے متکلم کی نیت کے علم کی ضرورت نہ ہو)۔

---

(۱)اصول وعمدہ ص/ ۲۵۔

(ب) حکم:

اثر کا عین کلام پر مرتب ہونا (یعنی نیت کی ضرورت اور اس کا اعتبار نہیں ہے، البتہ اگر لفظ گنجائش رکھتا ہو تو عدالت میں تو نہیں مگر "فیما بینه و بین الله" نیت کا اعتبار ہو سکتا ہے۔ (۱)

(ج) مثال:

۱- حقیقت میں طلاق کے وہ الفاظ جو طلاق پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں کہ ان کو زبان سے نکالنے پر طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

۲- مجاز میں کسی لفظ کو متعارف، مجازی معنی کے لیے استعمال کرنا۔

کنایہ:

(الف) تعریف:

وہ لفظ جس کی مراد ظاہر نہ ہو (کہ محض لفظ کے سننے سے جان لی جائے)۔

(ب) حکم:

مراد کے ظاہر ہونے تک توقف کرنا۔

(ج) ذرائع ظہور مراد:

مراد کے ظہور کے دو ذرائع ہیں:

اولؔ موقع و محل کی گفتگو مثلاً طلاق کی گفتگو کے موقع پر طلاق کے الفاظ کنائی کا استعمال۔

دومؔ متکلم کی نیت مثلاً طلاق کے الفاظ کنائی کا طلاق کی نیت سے کہنا، جبکہ طلاق کی گفتگو نہ چل رہی ہو۔

---

(۱) عمدہ ص/۲۰، فواتح ج/۱، ص/۲۲۶، فیما بینه و بین الله کا مطلب ہے کہ مفتی اس کی نیت کے مطابق ہی فتویٰ دے گا۔

☆ کنایہ کی مراد کے ظہور کے یہی ذرائع کنایہ کے ''قرائن'' کہلاتے ہیں، یعنی قرائن کا اعتبار مجاز کی طرح کنایہ میں بھی ہوتا ہے، اور یہ قرائن لفظی بھی ہوتے ہیں اور معنوی بھی، چنانچہ موقع ومحل کی گفتگو لفظی اور نیت معنوی قرینہ ہے، البتہ مجاز وکنایہ کے قرائن میں فرق یہ ہے کہ اول کی ضرورت حقیقی معنی کے بجائے دوسرے معنی کو مراد لینے کے لیے ہوتی ہے اور دوم کی ضرورت مراد کی تعیین وظہور کے لیے ہوتی ہے۔

(د) مثال:

۱- حقیقت میں ایک شخص جس کے متعلق کسی مجلس میں گفتگو چل رہی ہو، اس کے آجانے پر آپس میں یہ کہنا، وہ آ گیا۔

۲- مجاز میں "اعتدی" کہہ کر طلاق کی نیت کرنا، اس میں کنایہ بھی ہے، اور مجاز بھی، کنایہ اس وجہ سے کہ "اعتد" کے معنی ہیں: گننا وشمار کرنا، خواہ کوئی چیز گنی وشمار کی جائے، یہاں ساتھ میں ایسی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے، اس لیے محض لفظ سے مراد ظاہر نہیں، لہٰذا یہ کنایہ ہے، متکلم نے نیت کے ذریعہ تعیین کی ہے کہ ''ایام عدت'' کا شمار کرنا مراد لیا جائے، اور مجاز اس وجہ سے ہے کہ اس سے طلاق مراد ہے، اس لیے کہ وہ عدت کے دنوں کے گننے کا سبب ہوتی ہے۔(۱)

(ہ) صریح وکنایہ:

ان دونوں میں صریح اصل ہے، اس لیے کہ اس کی مراد ظاہر ہوتی ہے اور لفظ میں اصل یہی ہے کہ مراد ظاہر ہو۔

☆ کنایات کے معنی کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے ان سے اہم احکام مثلاً حدود کا ثبوت نہیں ہوتا، اس لیے کہ متکلم کی نیت یا موقع ومحل کی تعیین کے باوجود مراد کے خلاف کا احتمال باقی رہتا ہے، اور حدود کا معاملہ احتیاط کا ہے، جیسے کسی نے کنایہ

(۱) فواتح ج/۱، ص/۲۲۶، التوضیح ص/۱۸۹، نور، ص/۱۴۲-۱۴۳، حسامی ونظامی ص/۱۸۔

کے الفاظ سے چوری کا اقرار کیا تو سزا نہ دی جائے گی۔ (۱)

☆ وہ مشترک جس کے کوئی ایک معنی معروف ہوں، اس کے لیے اس کا استعمال نیز مجاز متعارف اور وہ مجاز جس کا قرینہ ساتھ میں ہو، اسی طرح حقیقت مستعملہ اور اقسام ظہور سب صریح کے تحت آتے ہیں۔

اور غیر مشہور معنی میں مشترک کا استعمال اور مجاز متعارف ہونے سے پہلے نیز حقیقت مہجورہ اگر کوئی اس کو مراد لے، اور خفاء کی چاروں اقسام، کنایہ کے تحت آتی ہیں۔ (۲)

---

(۱) نور، ص/۱۳۵، توضیح ص/۲۸۸، حسامی ص/۱۹-۲۰۔ (۲) فواتح ج/۱، ص/۲۲۶، نور، ص/۴۳، التوضیح ص/۱۸۹، اصول ص/۲۰)۔

باب پنجم
تقسیم پنجم
(متکلم کی مراد کو سمجھنے کی صورتیں)

تمہید:

لفظ کی متکلم کی مراد پر دلالت کی (۱)، یا یوں کہیے کہ متکلم کی مراد سے واقفیت (۲) کی چار صورتیں ہیں:

۱-عبارۃ النص (☆) ۲-اشارۃ النص ۔۳-دلالۃ النص ۔۴-اقتضاء النص ۔

۱-عبارۃ النص:

(الف) تعریف:

۱-لغوی: عبارۃ بیان کرنا، وضاحت کرنا، نص لفظ وعبارت عبارۃ النص، نص

---

(۱) یا یوں کہیے کلام سے احکام کے استنباط کی یا عبارت سے احکام پر استدلال کی الخ۔ (۲) توضیح ص/۲۹۵، حسامی ص/۲۰، نور، ص/۱۴۶۔

(☆) یہاں نص سے تقسیم دوم کی چاروں اقسام میں سے قسم دوم نہیں مراد ہے، بلکہ جیسا کہ اس موقع پر حاشیہ میں تصریح کردی گئی ہے ہر دلیل سمعی وقطعی کو بھی نص کہہ دیا کرتے ہیں، یعنی نص کا لفظ عبارت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے بلکہ لغوی معنی اس کے عبارت کے ہی ہیں، اسی لیے بیان کرنے وتصریح کرنے کے مفہوم میں اس مادے سے فعل اور اس کے متعلقات بھی آتے ہیں جیسا کہ اہل علم بخوبی واقف ہیں، یہاں پر یہ لفظ عبارت ولفظ کے مفہوم میں ہے اور عبارۃ النص، عین النص اور نفس النفس ونفس لفظ کے معنی میں ہے اور تقسیم دوم کی چاروں اقسام نیز دوسری تقسیمات کی اقسام بھی اس کے تحت آتی ہے، یعنی اس کے مصادیق وافراد میں سے ہیں، یہ بات الگ ہے کہ انھیں باہم امتیازات میں نص اور عبارۃ النص کے درمیان اصطلاحی فرق کو متن میں واضح کردیا گیا ہے۔ (نور، ص/۱۵۶، تفسیر ج/۱، ص/۶۵ ۴، نظامی ص/۴۰)۔

کی وضاحت۔

۲- اصطلاحی: کلام کے وہ معنی ومفہوم جس کے لیے کلام کو لایا گیا ہو، یا لفظ کا کسی تامل کے بغیر اس حکم پر دلالت کرنا جس کے لیے اس کو لایا گیا ہو۔

☆ عام ہے کہ کلام کا اس معنی وحکم کے لیے لانا اصالۃً ہو کہ وہی معنی کلام سے مقصود ہوں یا تبعاً کہ مقصود کچھ اور ہو مگر ضمناً یہ بھی بلا تأمل سمجھا جائے۔(۱)

(ب) نص وعبارۃ النص:

کا فرق توضیح بالا سے ظاہر ہے کہ دونوں میں قدر مشترک کلام کا کسی معنی کے لیے لانا ہے اور فرق یہ ہے کہ نص میں اصالۃً اسی معنی کے لیے لایا جاتا ہے، یعنی جو معنی سمجھے جاتے ہیں، وہی مقصود بھی ہوتے ہیں، اور عبارۃ النص میں اس کی قید نہیں بلکہ جو معنی تبعاً حاصل ہو رہے ہوں، اس کے لیے بھی لانا معتبر ہوتا ہے۔(۲)

(ج) مثال:

"فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ."(۳)

(تو نکاح کرو، ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں، دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا جو باندیاں تمہاری ملک میں ہوں ان پر)۔

اس آیت سے تین احکام سمجھے جاتے ہیں: اولؔ نکاح کا جواز۔ دومؔ ایک

(۱) حسامی ص/۲۰، نور، ص/۱۴۶، تفسیر ج/۱، ص/۴۶۹، مذکرہ، فواتح ج/۱، ص/۴۰۶، کشف ج/۱، ص/۶۸۔
(۲) تفسیر ج/۱، ص/۴۷۱، عبارۃ النص کے مدلول کو منطوق کہتے ہیں جو لفظ کا معنی موضوع لہ ہوتا ہے۔
(۳) النساء/۳

سے زائد چار تک بیویوں کا جواز۔ ۳-سوم اگر ظلم و جور کا اندیشہ ہو تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کا وجوب۔

ان میں سے آخری دو اصالۃً مقصود ہیں اور اول تبعاً (۱) تینوں احکام کی نسبت سے یہ مثال عبارۃ النص کی بنے گی اور صرف آخری دو کی نسبت سے نص کی۔

۲-اشارۃ النص:

(الف) تعریف:

کلام کے وہ معنی جو لفظ سے از روئے لغت معمولی غور و فکر کے بعد سمجھے جائیں، اس طور پر کہ نہ تو اس معنی کے لیے کلام کو لایا گیا ہو اور نہ ہی وہ کلام سے مقصود ہوں، یا یوں کہیے۔

لفظ کا کسی ایسے حکم پر دلالت کرنا جو نہ تو مقصود کلام ہوں اور نہ کلام کو اس کے لیے لایا گیا ہو اور نہ ہی پورے طور پر ظاہر (۲) و واضح ہوں۔ (۳)

(ب) حکم ہر دو اقسام:

دونوں پر عمل و اعتبار لازم ہے۔ (۴)

(ج) مثال:

"وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ" (۵) (اور جس کا بچہ ہے اس

---

(۱) تفسیر ج/۱، ص/۴۷۲-۴۷۳۔ (۲) اسی وجہ سے اس میں عبارۃ النص کے برخلاف غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے (مذکرہ) اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ تمام اشارات یکساں درجہ کے نہیں ہوتے، ان میں بھی ظہور و خفاء کے اعتبار سے فرق مراتب ہوتا ہے، بعض کا علم ادنیٰ غور و فکر سے ہوتا ہے اور بعض کے لیے ذرا گہرے تامل کی ضرورت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اشارات کی مراد کے سمجھنے میں اشخاص و اذہان کا بہت اختلاف ہوتا ہے جیسا کہ فقہیات میں معروف ہے، اور اشارہ کے خفاء کی وجہ سے ہی کہا گیا ہے کہ عبارت اور اشارہ میں وہی نسبت ہے جو کنایہ و صریح اور مشکل و نص میں ہے۔ (تفسیر ج/۱، ص/۴۹۱، اصول سر، ج/۱، ص/۲۳۶۔ (۳) نور، ص/۱۴۶، اصول ص/۲۸، کشف ج/۱، ص/۶۸-۶۹، فواتح ج/۱، ص/۴۰۷، توضیح ص/۲۹۷۔ (۴) نور، ص/۱۴۷، حسامی ص/۲۰۔ (۵) البقرہ/۲۳۳۔

کے ذمہ ان (دودھ پلانے والیوں) کا کھانا اور کپڑا ہے) یہ عبارۃ النص و اشارۃ النص دونوں کی مثال ہے۔

عبارۃ النص کی یوں کہ اس سے دودھ پلانے والی عورتوں کے نفقہ کے وجوب کو بیان کرنا مقصود ہے جو عبارت سے کسی غور و فکر کے بغیر سمجھ میں آ رہا ہے، اور اشارۃ النص کی یوں کہ معمولی سے غور و فکر کے بعد یہ بھی سمجھ میں آ رہا ہے کہ بچوں کا نسب ان کے آباء (باپوں) کی جانب سے ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ بچے کو باپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ یہ نہ تو عبارت سے مقصود ہے اور نہ کلام کو اس کے لیے لایا گیا ہے، اور پورے طور پر ظاہر بھی نہیں ہر ایک اول وہلہ میں اس مفہوم کو جان و سمجھ لے یہی مفہوم ''اشارۃ النص'' ہے۔(۱)

۳- دلالۃ النص:

(الف) تعریف:

وہ معنی جو عبارت میں مذکور حکم کی علت کے طور پر عبارت کے معنی سے از روئے لغت سمجھے جائیں، یا یوں کہیے لفظ کا کلام میں ذکر کردہ حکم کی ایسی علت پر دلالت کرنا جسے ہر اہل زبان سمجھ سکے۔(۲)

☆ مطلب یہ ہے کہ دلالۃ النص کا مصداق حکم مذکور کی علت ہوتی ہے، مگر احکام کی عام علتوں کی طرح اس کا سمجھنا اور عبارت سے نکالنا اجتہاد کے ذریعہ نہیں

---

(۱) توضیح، ص/۳۰۱، نور، ص/۱۴۶، کشف ج/۱، ص/۶۹، تفسیر ج/۱، ص/۴۸۲، مذکرہ میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے: لفظ کا اپنے منطوق (موضوع لہ) کے مسکوت عنہ کے لیے منطوق کے حکم کے ثبوت پر دلالت کرنا، کسی ایسی علت کی بنا پر جسے عبارت سے ہر صاحب زبان سمجھ سکے۔ (۲) توضیح ج/۱، ص/۱۳۱، حسامی ص/۲۰، نور، ص/۱۴۸، فواتح ج/۱، ص/۴۰۸، اصول ص/۳۰، دلالۃ النص کا مصداق عبارۃ النص کے مدلول کا لازم ہوتا ہے، جس کو لفظ کا ''مفہوم موافق'' کہتے ہیں، جیسے ''تافیف'' کے معنی منطوق ہیں ''اُف اُف کہنا'' اور اس کا لازم یعنی مفہوم موافق ہے۔ ''ایلام'' یعنی تکلیف پہنچانا، جیسے کہ عبارۃ النص اور اشارۃ النص دونوں کا تعلق لفظ سے ہوتا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ اشارۃ النص مقصود نہیں ہوتا، اسی لیے اس کی طرف ذہن کو مستقلاً منتقل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہوتا، بلکہ خود زبان کے تقاضے کی وجہ سے اسی عبارت سے اس کو سمجھا جاتا ہے، جس میں وہ حکم مذکور ہو۔

(ب) دلالۃ النص و قیاس میں فرق:

مذکورہ بالا توضیح سے یہ بات ظاہر ہے کہ دلالۃ النص اور قیاس میں اشتراک بھی ہے اور فرق بھی۔

قدر مشترک امر یہ ہے کہ دونوں کے ذریعہ حکم کی علت کا علم ہوتا ہے اور دونوں کو عبارت سے نکال دو سمجھا جاتا ہے، اور فرق یہ ہے کہ دلالۃ النص کی بنیاد زبان ہوتی ہے اور قیاس کا دارو مدار اجتہاد و استنباط پر، یہی وجہ ہے کہ اول کا اہل ہر صاحب زبان ہوتا ہے اور دوم کا صرف صاحب اجتہاد و استنباط، اور اول پر عمل و اعتبار جمہور امت کا ہے اور دوم کی بابت ایک جماعت کا اختلاف ہے۔(۱)

(ج) حکم:

علت کے عموم کی بناء پر حکم کا عام ہونا۔(۲) یعنی علت جہاں جہاں پائی جائے گی وہاں وہاں حکم مذکور کا اجراء ہوگا، بایں معنی کہ یہ حکم تمام ان مواقع و امور کو شامل ہوگا۔(۳)

(د) مثال:

"لَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ" (ان دونوں سے اُف نہ کہو) اولاد کو حکم دیا گیا ہے کہ ماں باپ کی کسی بات پر ان سے اف نہ کہو، قرآن کے الفاظ صرف اتنے ہی ہیں مگر ہر صاحب زبان ان کو پڑھ کر اور سن کر یہ سمجھتا ہے کہ مقصد صرف اسی لفظ کے کہنے سے روکنا نہیں ہے بلکہ تکلیف پہنچانے سے روکنا و منع کرنا مقصود ہے، خواہ اس کی کوئی

---

(۱) محمود ص ۳۰، نور ص ۱۲۸، فواتح ج ۱ ص ۴۱۰-۴۱۱، آپ ہر فرق کی قیاس کی تعریف و تعلیقات کے تحت حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ (۲) اصول ص ۳۰۔ (۳) اس توضیح کا مقصد یہ ہے کہ یہاں عموم سے عموم اصطلاحی مراد نہیں بلکہ شمول مراد ہے۔ (قمر ص ۱۲۹)۔

صورت ہو، اس لیے کہ ان سے ''اُف کہنا'' تکلیف کا ذریعہ ہے، لہٰذا تکلیف کے ہر ذریعہ وصورت (۱) کی ممانعت ہوگی، خواہ قول ہو یا فعل۔ (۲)

۴- اقتضاء النص:

(الف) تعریف:

۱- لغوی: اقتضاء: تقاضا کرنا، مقتضی جس کا تقاضا کیا جائے۔

۲- اصطلاحی: عبارت کے الفاظ سے خارج وہ معنی ومفہوم کہ جس کا شرعاً یا عقلاً کلام کی صحت کے لیے اعتبار کیا جائے یا یوں کہیے عبارت کا اپنے الفاظ کے معانی سے زائد کسی ایسے معنی پر دلالت کرنا کہ جس پر شرعاً یا عقلاً کلام کا صدق یا صحت موقوف ہو۔ (۳)

☆ مطلب یہ ہے کہ اقتضاء النص کا مصداق عبارت کے کسی لفظ کا مدلول ومعنی نہیں ہوتا مگر عبارت کے صدق وصحت کے لیے اس معنی کو عبارت کے منطوق کے ساتھ مانا جاتا ہے۔

(ب) حکم:

بقدر ضرورت زائد معنی کا اعتبار اور اس پر عمل کرنا۔ (۴)

بقدر ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم جتنے کے مان لینے پر کلام کا صدق یا صحت ثابت ہو جائے، بس اسی کے اعتبار کی اجازت ہے، زائد کی نہیں۔

(ج) صورتیں وامثلہ:

تعریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ شرعاً یا عقلاً کلام کی صحت یا صدق کے لیے

---

(۱) دلالۃ النص اور اقتضاء النص جس کا ذکر آرہا ہے دونوں عبارت کے لوازم معنی میں سے ہوتے ہیں، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اقتضاء کا مدلول لازم مقدم ہوتا ہے بایں معنی کہ اس پر عبارت کی صحت موقوف ہوتی ہے۔ اور دلالۃ النص کا مدلول ایسا لازم کہ اس پر عبارت کے صدق وصحت کا توقف نہیں ہوتا بلکہ وہ لفظ کے منطوق وموضوع لہ کی علت ہوتا ہے۔ (۲) فواتح ج/۱، ص/۴۰۸، التوضیح ص/۲۰۳، نور، ص/۱۴۸، حسامی ص/۲۱۔ (۳) فواتح ج/۱، ص/۴۱۱، توضیح ج/۱، ص/۱۳۷، تفسیر ج/۱، ص/۵۴۸۔ (۴) فواتح ج/۱، ص/۴۱۱، توضیح ص/۳۰۸۔

اقتضاء کی نوبت آتی ہے، اس لیے اس کی دو صورتیں ہیں، اول جس کا اعتبار صدق کے لیے ہو، دوم جس کا اعتبار صحت کے لیے ہو، پھر دوسری صورت کی دو شقیں ہیں:
۱- جس کا اعتبار شرعاً صحت کے لیے ہو۔ ۲- جس کا اعتبار عقلاً صحت کے لیے۔ اس طرح کل تین صورتیں ہو جاتی ہیں:

۱- شرعاً صدق کی صورت:

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس معنی کو نہ مانا جائے تو شریعت کی رو سے صدق وسچائی کا ثبوت نہ ہو سکے گا، جیسے ایک مشہور ارشاد نبوی ہے: "إن الله وضع عن أمتي الخطاء والنسیان" (۱)، (اللہ نے میری امت سے خطا ونسیان کو ختم کر دیا ہے) ظاہر ہے کہ نہ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امت سے خطا ونسیان کا صدور نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ خطا ونسیان سے اگر کوئی عمل ہو جائے تو اس کے ہو جانے کے بعد اس عمل کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

اس لیے کہ امت برابر ان میں مبتلا ہے اور جو عمل وجود میں آ جاتا ہے وہ ختم نہیں کیا جا سکتا، اور ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جس کے سچ نہ ہونے یعنی جھوٹ ہونے کا کوئی امکان نہیں پیدا ہوتا، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ اس میں "الخطأ والنسیان" سے پہلے ایک لفظ ہے جو اسے واقع وحقیقت کے مطابق کر دیتا ہے اور وہ ہے لفظ "إثم" یا "حکم" اور اس کا مفہوم ہے کہ "خطاء ونسیان کا گناہ" یا "ان کا حکم" اس امت سے اٹھا لیا گیا ہے۔

۲- عقلاً صحت کی صورت:

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زائد معنی کا اعتبار نہ کیا جائے تو عقل کی رو سے کلام صحیح نہ ہو، مثلاً ارشاد ربانی ہے: "وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ" (بستی سے پوچھئے) ظاہر ہے کہ عقلاً پوچھ گچھ بلکہ گفتگو کسی انسان ہی سے ہو سکتی ہے، دوسرے جاندار سے بھی

---

(۱) ابن ماجہ وبیہقی، مشکوۃ ص/۵۸۴۔

نہیں، چہ جائیکہ جمادات، گاؤں وبستی وغیرہ، اس لیے بظاہر یہ کلام صحیح نہیں ہوگا۔

جب تک کہ "القریۃ" سے کوئی ایسا لفظ نہ مانا جائے، جو انسانوں کے لیے استعمال ہوتا ہو، جیسے اہل، اصحاب وغیرہ۔

۳- شرعاً صحت کی صورت:

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زائد معنی کا اعتبار نہ کیا جائے تو شریعت کی رو سے کلام صحیح نہ ہو، مثلاً قرآن مجید میں مختلف مواقع پر "تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ" (گردن کے آزاد کرنے) کا حکم آیا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی ایسے آدمی کی گردن آزاد کردی جائے جو غلام نہ ہو، اس لیے کہ وہ تو آزاد ہی ہے، اس کی آزادی کا کیا سوال، اور نہ یہ مراد ہے کہ کسی کے غلام کو پکڑ کر آزاد کردیا جائے، اس لیے کہ دوسرے کی ملکیت پر نہ تو کسی کو تصرف کا حق ہے نہ اس کے تصرف کا اعتبار ہے، اس لیے ان شرعی احکام کے پیش نظر ان آیات میں "رقبہ" کے ساتھ "مملوکۃ لہ" کی قید لگے گی، یعنی ایسی گردن کے آزاد کرنے کا حکم ہے جو آزاد کرنے والے کی ملکیت میں ہو، خواہ پہلے سے ہو یا بوقت آزادی اس کی ملکیت کو حاصل کیا ہو۔(۱)(☆)

---

(۱) تفسیر ج ۱، ص ۵۲۸-۵۲۹، مذکرہ ج ۲، ص ۲۸۔

(☆) کسی کلام و عبارت کی تصحیح کے لیے جس زائد معنی و لفظ کا اعتبار کیا جاتا ہے اس کے لیے تین تعبیرات آتی ہیں: ۱- مقتضی۔ ۲- مقدر۔ ۳- محذوف۔ اصطلاح کی رو سے ان تینوں کا باہم کیا تعلق ہے، ان کی کیا تعریفات ہیں، اس میں کچھ تفصیل ہے۔ بعض تینوں کی تعریفات الگ الگ کرتے ہیں، بعض ان میں سے بعض کو متحد قرار دیتے ہیں، مثلاً صاحب عمدہ فرماتے ہیں: مقتضی وہ زائد معنی جس کا اعتبار شرع یا عقل کی رو سے کلام کی صحت کے لیے ہو، مقدر وہ زائد معنی جس کا اعتبار لغت، شرع، عقل تینوں میں سے کسی کی رو سے ہو اور محذوف جس کا اعتبار لغت کی رو سے ہو (عمدہ ص ۳۱)۔ بعض نے مقدر کی جو تعریف مذکور ہے وہ مقتضی کی ذکر کی ہے (مذکرہ شامی)۔ ویسے یہ قول زیادہ معروف ہے کہ جس کا ثبوت شریعت کی رو سے ہو، وہ مقتضی اور جس کا ثبوت لغت و عقل کی رو سے ہو، وہ محذوف کہلاتا ہے (حسامی ص/۲۲، نور ص/۱۵۱، فواتح ص/۴۱۲، کشف ج ۱، ص ۷۵-۷۶، اصول سرخی ج ۱، ص ۲۵۱، التوضیح ج ۱، ص ۱۲۷)۔ محذوف کو کبھی مضمر بھی کہہ دیا کرتے ہیں اور مقدر بھی، محذوف و مقدر کے درمیان کچھ فرق نہیں کرتے ہوئے، لیکن مقتضی و محذوف کے درمیان اصطلاحی فرق یہ تمام متاخرین احناف کا مذہب ہے جیسا کہ صاحب فواتح نے جمہور احناف کا یہی مذہب بتایا ہے (ج ۱، ص/۴۱۲) مگر جیسا کہ صاحب تفسیر =

(د) مقتضیٰ کا تعدد:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک عبارت میں بطور مقتضی متعدد الفاظ کے آنے کا احتمال ہوتا ہے، جن کے معانی باہم مختلف ہوتے ہیں، اس وقت ایسا کلام، مشترک کے قبیل سے قرار پاتا ہے، اور اجتہاد کے ذریعہ مقتضی کی تعیین ہوتی ہے اور اس صورت میں مجتہدین کے اختلاف ذوق ومسلک کی وجہ سے مقتضی میں اختلاف بھی ہوتا ہے، مثلاً ایک حدیث ہے: "على اليد ما أخذت" (ہاتھ وہ چیز ہے جو وہ لے) اس میں لفظ "ما" سے پہلے کوئی لفظ مقدر ماننے کی ضرورت ہے، جو لفظ "حفظ" بھی ہوسکتا ہے، تو مفہوم یہ ہوگا کہ جو چیز لی جائے اس کی حفاظت لازم ہے، اور لفظ "ضمان" بھی، تو مفہوم یہ ہوگا کہ جو چیز لی جائے گی اس کا ضمان دینا ہوگا، بعض نے لفظ "حفظ" کو مانا ہے اور حدیث کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ مال کی حفاظت لازم ہے، اور ضائع ہوجانے پر اس کا ضمان وتاوان نہیں، اور بعض نے لفظ "ضمان" کو مانا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ لی ہوئی چیز اگر باقی نہ رہ گئی تو اس کا تاوان وبھگتان لازم ہوگا۔(۱)

(ہ) مقتضی کی تعیین کے ذرائع:

دو ہیں: اول دلائل۔ دوم قرائن۔(۲)

= نے تفصیل سے وضاحت کی ہے کہ متقدمین احناف مثلاً ابوزید دبوسی وغیرہ تقریباً سب کے سب، دوسروں کی طرح دونوں کو ایک قرار دیتے ہیں (تقویم الادلہ ص/۲۴۴، تفسیر ج/۱، ص/۵۵۰-۵۵۱)۔ قائلین فرق نے اس وجہ فرق کے ساتھ کہ مقتضی کا ثبوت شرعی اور محذوف کا لغوی ہوتا ہے، عموماً ایک وجہ فرق یہ ذکر کی ہے کہ مقتضی کے ماننے سے عبارت کے الفاظ کی ترتیب واعراب نہیں بدلتا، اور محذوف سے بدل جاتا ہے، مگر چونکہ بہت سے مواقع پر اس کے خلاف بھی ثابت ہے، اس لیے اس وجہ فرق کو رد کیا گیا ہے (حسامی ونظامی ص/۲۲، نور وقمر ص/۱۵۰، کشف ج/۲، ص/۵۶۴-۵۶۵، التوضیح ج/۱، ص/۱۴۱) صاحب فواتح نے اس فرق کو بعض صورتوں کے ساتھ خاص کیا ہے (ج/۱، ص/۴۱۲) مگر اسے پسند نہیں کیا گیا ہے (تفسیر ج/۱، ص/۵۵۵ و۵۵۹) محذوف ومقدر کا فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مقدر مانند مذکور کے ہوتا ہے یعنی عبارت کے الفاظ میں موجود نہ ہونے کے باوجود اس کا عمل عبارت کے الفاظ میں پایا و مانا جاتا ہے اور محذوف کا حذف کی صورت میں کوئی عمل واثر باقی نہیں رہتا (کافیہ سعیدیہ ص/۶۴) لیکن اس فرق کا ہر موقع پر لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ اکثر غیر مذکور کے لیے لفظ محذوف ہی لایا جاتا ہے۔

(۱) اصول التشریع ص/۲۳۰، تفسیر ج/۱، ص/۵۶۱۔ (۲) مذکرہ۔

۵-اقسام مذکور کا عموم وخصوص سے تعلق:

۱-عبارۃ النص و اشارۃ النص دونوں کا تعلق عموم و خصوص دونوں سے ہوسکتا ہے۔(۱)

۲-دلالۃ النص کا مصداق تمام ان مواقع کو حاوی ہوتا ہے جہاں اس کا وجود ہو، مگر بمعنی شمول بمعنی عموم اصطلاحی نہیں، اسی لیے اس میں تخصیص نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ عموم وخصوص اوصاف الفاظ ہیں اور دلالۃ النص کا تعلق موضوع لہ کے لوازم سے ہے۔

۳-اقتضاء النص میں مقتضی خاص میں لفظ بھی ہوسکتا ہے، اور عام بھی، البتہ چونکہ مقتضی کا اعتبار اس حد تک ہوگا کہ جتنے کی کلام کی صحت وصدق کے لیے ضرورت ہو، اس لیے اگر مقتضی کوئی عام لفظ ہوتو اس کو عموم پر نہیں محمول کیا جائے گا، جیسے صدق کی صورت کی مثال میں جو حدیث مذکور ہے، اس میں اگر لفظ ''اثم'' کو مقتضی مانا جائے تو خاص ہوگا، اور اگر ''حکم'' کو مانا جائے تو عام ہوگا، مگر چونکہ حکم سے حکم اخروی مراد لے لینے پر کلام صادق قرار پا جاتا ہے، اس لیے اس میں تعمیم کر کے اس کے ساتھ دنیوی کو مراد لینے کی ضرورت نہیں اور حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ آخرت میں ان امور پر کوئی حکم مرتب نہ ہوگا، یعنی گناہ وگرفت نہ ہوگی، اور چونکہ دنیوی مراد نہیں اس لیے دنیوی حکم مرتب ہوگا، مثلاً بھول کر نماز میں بات کر لینے سے نماز فاسد ہو جائے گی، طلاق بھولے سے بھی ہو جائے گی۔

اور مقتضی کے عام ہونے کی صورت میں اس میں تخصیص بھی نہیں ہوسکتی اس لیے کہ تخصیص زبان سے کہے جانے والے لفظ میں ہوتی ہے، مثلاً کسی نے قسم کھائی بخدا میں نہیں کھاؤں گا اور یہ نہیں ذکر کیا کہ کیا نہ کھائے گا، تو ظاہر ہے کہ مراد تو کھانے والی چیز ہی ہے، اس لیے تمام کھانے والی چیزیں اس کے تحت داخل ہوں گی اور اگر قسم

---

(۱) نور، ص/ ۱۴۷، حسامی ص/۲۲۔

کھاتے وقت بعض خاص کی نیت کرلے تو نیت معتبر نہ ہوگی، کسی بھی چیز کے کھانے سے قسم جاتی رہے گی، اس لیے کہ کھانے والی چیز کے معنی رکھنے والا کوئی لفظ زبان سے نہیں کہا۔(۱)

۶-اقسام مذکورہ کے مدلولات کی قطعیت وظنیت :

(الف) عبارۃ النص کا مدلول ہر حال میں قطعی ہوتا ہے۔

(ب) اشارۃ النص کا مدلول بھی قطعی اور کبھی ظنی ہوتا ہے۔

(ج) دلالۃ النص کا مدلول بھی کبھی قطعی اور کبھی ظنی ہوتا ہے۔(۲)

(د) مقتضی اپنے تعین کے بعد قطعی قرار پاتا ہے، اسی لیے قیاس پر مقدم ہوتا ہے۔(۳)

۷-مراتب:

چاروں میں ترتیب ذکری کے اعتبار سے مراتب کا فرق ہے، اول یعنی عبارۃ النص اعلیٰ اور آخری یعنی اقتضاء النص سب سے ادنیٰ ہے، اس فرق مراتب کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جبکہ ان کے مدلولات آپس میں متعارض ہوں تو جو قوی ہوتا ہے اس کو اس سے کمتر پر ترجیح ہوتی ہے، یعنی اول کو دوم پر، دوم کو سوم پر، سوم کو چہارم پر۔

مثلاً ایک حدیث کی عبارت میں حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن بتائی گئی ہے، اور دوسری حدیث میں یہ مضمون ہے کہ عورتیں اپنی عمر کا نصف حصہ گھروں میں نماز و روزہ کے بغیر گزارتی ہیں، اس سے اشارۃً آخری مدت پندرہ دن سمجھ میں آتی ہے، اس لیے کہ ہر ماہ کا نصف پندرہ دن ہوتا ہے، اور اسی حساب

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۳۱۲، نور، ص/۱۵۲، حسامی و نظامی ص/۲۲، تفسیر ج/۱، ص/۵۶۲-۵۶۳ و ۵۶۵ و مابعد۔

(۲) نور و قمر ص/۱۴۷-۱۴۸، کشف ج/۱، ص/۷۰ و ۷۳، فواتح ج/۱، ص/۴۰۹، تفسیر ج/۱، ص/۴۹۴ و ۵۲۶۔ اشارہ و دلالت کی قطعیت کا ثبوت قرائن سے ہوتا ہے، دلالۃ النص کے بالمقابل قیاس ظنی ہوتا ہے اس لیے کہ اس کی علت اکثر مستنبطہ ہوتی ہے، اور اگر علت منصوصہ ہو تو علت قطعی ہوتی ہے، مگر اس پر مبنی حکم ظنی ہی ہوتا ہے (نور ص/۱۴۹)۔(۳) حسامی و نظامی ص/۲۱، نور و قمر ص/۱۵۱۔

سے نصف عمر بنے گی، تو عبارت و اشارہ دونوں کے مدلولات میں تعارض ہوگیا، عبارت کے مدلول کو ترجیح دیتے ہوئے آخری مدت دس دن قرار دی گئی ہے۔(۱)

۸- جامع مثال:

چوتھے پارے کی آخری آیت "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ" جس میں ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے شادی کرنا جائز نہیں ہے، وہ آیت ان چاروں اقسام کی جامع ہے، اور وہ یوں ہے کہ مائیں اور وہ تمام عورتیں جن کا تذکرہ آیت کے الفاظ میں ہے ان کی حرمت عبارۃ النص سے ثابت ہے، اور رضاعی خالہ کی حرمت اشارۃ النص سے ثابت ہے، اس لیے کہ دودھ پلانے والی کو ماں کہا گیا ہے، لہٰذا اس کی بہن خالہ قرار پائے گی اور پھوپھیوں وخالاؤں کی حرمت سے دلالۃً دادی ونانی کی حرمت بھی سمجھ میں آتی ہے، اس لیے کہ علت مشترک ہے اور وہ قرب قرابت ہے، بلکہ دادی ونانی اس میں فائق ہیں کہ ان کی قرابت صرف ایک واسطہ سے ہے، یعنی باپ یا ماں کے واسطے سے اور خالہ وپھوپھی کی حرمت میں ماں وباپ اور ان کے والدین واسطہ بنتے ہیں، اور "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ" کے الفاظ اقتضاء کے تحت آتے ہیں، یوں کہ ان عورتوں کی ذوات کی حرمت بیان کرنی مقصود نہیں ہے، بلکہ ان سے شادی کی، اس لیے عبارت اصل میں یوں بنے گی: "حُرِّمَ عليكم التزوّج بالمذكورات". (۲)

---

(۱) حسامی ونظامی ص/۲۰-۲۱، نور ص/۱۴۷-۱۴۸، ۱۵۱، فواتح ج/۱، ص/۴۱۲، تفسیر ج/۱، ص/۵۸۲ تا آخر بحث۔
(۲) مذکرہ۔

نقشہ نمبر ۶

ضمیمہ ص ۱۷۳

دلالت

- (۱) دلالت منطوق
  - (۱) منطوق صریح
  - (۲) منطوق غیر صریح
    - (۱) غیر صریح مقصود
    - (۲) غیر صریح غیر مقصود
- (۲) دلالت مفہوم
  - (۱) دلالت مفہوم موافق
  - (۲) دلالت مفہوم مخالف
    - (۱) مفہوم لقب
    - (۲) مفہوم حصر
    - (۳) مفہوم وصف
    - (۴) مفہوم شرط
    - (۵) مفہوم غایۃ

بیان

- (۱) بیان فعلی
- (۲) بیان قولی
  - (۱) بیان تقریر
  - (۲) بیان تفسیر
  - (۳) بیان تغییر
  - (۴) بیان ضرورت
    - (۱) سکوت بمنزلہ نطق
    - (۲) حال متکلم
    - (۳) دھوکہ کا دفعیہ
    - (۴) طول کلام سے احتراز
  - (۵) بیان تبدیل (نسخ)
    - (۱) منسوخ التلاوۃ والحکم
    - (۲) منسوخ التلاوۃ
    - (۳) منسوخ الحکم
    - (۴) منسوخ الوصف

ضمیمہ

مفہوم

دلالت:

(الف) تعریف:

۱-لغوی وعرفی: ایک چیز کا دوسری چیز کو بتانا۔

۲-اصطلاحی (۱): لفظ کا اپنے معنی کو بتانا۔

(ب) اقسام:

دو ہیں: ۱-دلالت منطوق۔ ۲-دلالت مفہوم۔

☆ لفظ کے ''منطوق'' سے اس کے اصل معنی موضوع لہ کو مراد لیتے ہیں، اس کے بالمقابل اصل میں ''مسکوت عنہ'' کا لفظ آتا ہے جس سے معنی مطابقی یا تضمنی یا التزامی (۲)، جس کے لیے لفظ کو استعمال کیا جائے، اس کے ساتھ سمجھا جانے والا مطلب مراد ہوتا ہے، جس کو لفظ از روئے لغت کی طرح شامل نہیں ہوگا، مگر اس کے معانی کے ساتھ جن کو منطوق کہتے ہیں، سمجھا ضرور جاتا ہے، خواہ منطوق کے موافق ہو یا مخالف، اصطلاح میں اسی کو ''مفہوم'' کہتے ہیں، اسی لیے دلالت کی دوسری قسم ''دلالت مفہوم'' (۳) ذکر کی گئی ہے۔ (۴)

---

(۱) یعنی باعتبار اصول فقہ نہ کہ منطق۔ (۲) معنی مطابقی، یعنی لفظ کا کامل موضوع لہ، تضمنی موضوع کا جزء، التزامی موضوع لہ کا لازم۔ (۳) مفہوم کے تحت تقریباً اسی انداز کی تفصیلات آتی ہیں، جو آپ تقسیم پنجم کے تحت ملاحظہ فرما چکے ہیں، فرق تعبیر کا ہے اور اس کا کہ سابق تفصیلات احناف کی مختار اور ان کے یہاں مروج ہیں، اور اس کے تحت آنے والی تفصیلات شوافع کے یہاں اور بعض حضرات کی توضیح کے مطابق متکلمین کے یہاں مروج ہیں =

۱- دلالت منطوق:

(الف) تعریف:

لفظ کا اپنے پورے موضوع لہ یا اس کے جزء یا لازم پر دلالت کرنا۔(۱)

(ب) اقسام:

دو ہیں: دلالت منطوق صریح۔ دلالت منطوق غیر صریح۔

۱- دلالت منطوق صریح:

(الف) تعریف:

لفظ کا اپنے پورے موضوع لہ یا جزء پر دلالت کرنا۔

(ب) مثال:

لفظ زید سے زید کی ذات یا اس کے جسم کا کوئی حصہ مراد لینا۔

☆ نزد احناف: اسی کو ''عبارۃ النص'' کہتے ہیں۔

۲- دلالت منطوق غیر صریح:

(الف) تعریف:

لفظ کا اپنے لازم پر دلالت کرنا۔

= ان تفصیلات میں کسی حد تک احناف وشوافع کا اتفاق ہے، تعبیرات کے فرق کے ساتھ، اور کسی حد تک اختلاف ہے اور چونکہ اختلافی امور میں اس کے تحت مفہوم مخالف کی بحث آتی ہے جو اصول فقہ کی اہم ابحاث اور اصول اختلاف میں سے ایک اہم اصل ہے، اس لیے اس بحث کو اہمیت حاصل ہے، اسی وجہ سے ''اصول فقہ حنفی'' کی کتابوں میں بھی یہ بحث کسی نہ کسی انداز سے مسطور ہے (فواتح ج/۱، ص/۴۱۳ و مابعد، نور ص/۱۵۳-۱۵۷) اسی اہمیت اور کتب فقہ اور فقہی مباحث میں بکثرت مفہوم مخالف کا ذکر آنے کی وجہ سے مناسب ہی نہیں۔ (۴) مستفاد از تفسیر ج/۱، ص/۵۹۱-۵۹۲، اصول الخلاف ص/۱۴۸۔

(۱) تفسیر ج/۱، ص/۵۹۱، توضیح میں عبارۃ النص کی بعینہٖ یہی تعریف ہے (نور ص/۱۵۳-۱۵۷)۔ اسی اہمیت اور کتب فقہ اور فقہی مباحث میں بکثرت مفہوم مخالف کا ذکر آنے کی وجہ سے مناسب ہی نہیں بلکہ مفید وضروری معلوم ہوا کہ یہ بحث بھی مناسب انداز اور سہل اسلوب میں بقدر ضرورت لے لی جائے۔

(ب) مثال:

شیر سے اس کی بہادری مراد لینا۔

(ج) صورتیں:

اس کی بھی دو ہیں: ۱- وہ دلالت جو لفظ سے مقصود ہو۔ ۲- وہ دلالت جو لفظ سے مقصود نہ ہو۔

۱- دلالت غیر صریح مقصود:

کی بھی دو صورتیں نکلتی ہیں: اوّل یہ کہ کلام کا صدق یا صحت شرعاً یا عقلاً اس دلالت پر موقوف ہو، اس کو ''دلالۃ اقتضاء'' کہتے ہیں۔

☆ نزد احناف: یہی ''اقتضاء النص'' ہے۔

دوم یہ کہ کلام میں مذکور حکم کسی ایسے وصف کے ساتھ اس انداز پر ملا ہو کہ اگر اس وصف کو علت نہ مانا جائے تو اس کا یہ اتصال اور اس موقع پر آنا لغو قرار پائے، اس کو ''دلالۃ تنبیہ وایماء'' کہتے ہیں، مثلاً ''السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا'' (۱) (جو مرد یا عورت چوری کرے اس کے ہاتھ کاٹ دو) میں چوری کے ذکر کے بعد ''فَ'' کے ساتھ قطع ید کا حکم اس پر دلالت کرتا ہے کہ چوری ہاتھ کے کاٹے جانے کی علت ہے۔

☆ نزد احناف: یہ صورت کسی درجہ میں ''دلالۃ النص'' کے تحت آتی ہے، ورنہ تو اصلاً شوافع کی تقسیم کے مطابق ''مفہوم موافق'' ''دلالۃ النص'' کا مصداق ہے۔

۲- دلالت غیر صریح غیر مقصود:

یعنی منطوق کی وہ غیر صریح دلالت جو مقصود نہ ہو، غیر صریح سے لازم پر دلالت مراد ہے، اس کو ''دلالۃ اشارہ'' کہتے ہیں۔

---

(۱) المائدہ/ ۳۸۔

☆نزد احناف: یہی ''اشارۃ النص'' ہے۔(۱)

۲-دلالت مفہوم:

(الف) تعریف:

لفظ کا کسی ایسے معنی پر دلالت کرنا جسے منطوق شامل نہ ہو۔(۲) یعنی جو معنی نہ تو لفظ کا تمام موضوع لہ ہوں نہ موضوع لہ کا جزء اور نہ لازم بلکہ کسی مناسبت کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ سمجھے جائیں۔

(ب) اقسام:

دو ہیں: ۱-دلالت مفہوم موافق۔ ۲-دلالت مفہوم مخالف۔

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۴۱۳-۴۱۴، تفسیر ج/۱، ص/۵۹۱ تا آخر مبحث ص/۶۰۶، ۶۱۹۔

ذکر کیا جا چکا ہے کہ تقسیم پنجم کے تحت احناف کی اختیار کردہ تفصیلات اور مذکورہ تفصیلات میں مناسبت پائی جاتی ہے، چنانچہ اسی مناسبت کو مذکورہ تفصیلات کے ضمن میں واضح بھی کر دیا گیا ہے کہ حضرات شوافع کی تفصیلات کے مطابق ''دلالت منطوق' صریح کا مصداق ''عبارۃ النص''، ''دلالۃ النص'' کا مصداق ''اشارۃ النص'' دلالت اقتضاء'' کا مصداق ''اقتضاء النص'' ہے اور دلالۃ النص کے اصل مناسب کا ذکر مفہوم کے تحت آنے والا ہے، اگرچہ کسی درجہ میں ''دلالت تنبیہ وایماء'' کو بھی اس سے مناسبت حاصل ہے، چنانچہ بعض حضرات نے احناف کی چاروں اقسام کی نسبت یوں تحریر کیا ہے کہ اگر معنی کا ثبوت نفس لفظ سے ہو اور مقصود ہو کہ کلام کو اس کے لیے لایا گیا ہو تو اسے ''عبارۃ النص'' کہیں گے، اور اگر لفظ سے تعلق تو ہو مگر مقصود نہ ہو تو ''اشارۃ النص'' اور اگر لفظ سے ثبوت نہ ہو مگر سمجھا جائے تو اگر از روئے لغت سمجھا ہو تو ''دلالۃ النص'' اور اگر از روئے شرع سمجھا ہو تو ''اقتضاء النص'' کہیں گے، دلالت غیر صریح مقصود کی دوسری قسم کے تحت جو مفہوم سمجھا جاتا ہے وہ از روئے لغت ہی سمجھا جاتا ہے، اسی لیے ذکر کیا گیا ہے کہ کسی درجہ میں وہ ''دلالۃ النص'' کے تحت آتا ہے، ساتھ ہی یہ امر بھی ذہن نشین رہے جیسا کہ دلالت غیر صریح مقصود کے تحت ہماری توضیح سے ظاہر ہے کہ دونوں فریق کی مصطلحات کا مصداق من وعن ایک نہیں ہے، چنانچہ یہ بات منطوق کے تحت سامنے آ چکی ہے کہ منطوق کی جو تعریف ہے بعینہ وہی تعریف ''عبارۃ النص'' کی صاحب توضیح نے کی ہے، اور پھر منطوق کی دو قسمیں کی جاتی ہیں، ایک صریح دوم غیر صریح اور غیر صریح جس سے لازمی معنی مراد لیتے ہیں، اس کے تحت ''دلالت اقتضاء'' اور ''دلالت اشارہ'' آتی ہیں اور صریح کے تحت تمام معنی موضوع لہ یا اس کا جزء آتا ہے، اور ہم نے 'عبارۃ النص'' کا مصداق اسی کو بتایا ہے مگر ہماری ذکر کردہ تفصیل سے واضح ہے کہ ''عبارۃ النص'' ''من وعن ''منطوق صریح'' کا مصداق نہیں ہے۔

(۲) تفسیر ج/۱، ص/۵۹۲۔

۱-دلالت مفہوم موافق:

لفظ کا مسکوت عنہ کے حق میں بعینہٖ منطوق کے حکم کے ثبوت کو بتانا۔

☆احناف اسی کو ''دلالۃ النص'' کہتے ہیں، اور اسی کے لیے کچھ تفصیل کے ساتھ دیگر عناوین بھی آتے ہیں، مثلاً ''فحوی الخطاب''، ''لحن الخطاب''، ''مفہوم الخطاب'' وغیرہ۔(۱)

۲-دلالت مفہوم مخالف:

(الف) تعریف:

منطوق کے حکم کے لیے مذکور قیود میں سے کسی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے لفظ کا مسکوت عنہ کے حق میں منطوق کے حکم کی ضد کے ثبوت پر دلالت کرنا۔(۲)

☆احناف اس کے لیے ''مخصوص بالذکر'' کی تعبیر استعمال کرتے ہیں، اسی کو ''دلیل الخطاب'' بھی کہتے ہیں، اس کا حاصل جس امر و پہلو کا ذکر منطوق میں نہیں، اس کے لیے منطوق کے حکم کی ضد کا ثابت ہونا ہے۔(۳)

(ب) اقسام:

تعریف سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ مفہوم مخالف کا مدار کلام میں ذکر کردہ قیود کے نہ پائے جانے پر ہے، اور قیود مختلف قسم کی ہوتی ہیں، اس لیے 'مفہوم مخالف'' کی اقسام بھی متعدد ہیں، بلکہ ہر قید کی نسبت سے ایک قسم ذکر کی جاتی ہے، مشہور پانچ ہیں:

۱-مفہوم لقب۔ ۲-مفہوم حصر۔ ۳-مفہوم وصف۔ ۴-مفہوم شرط۔ ۵-مفہوم غایت۔(۴)

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۴۱۴، تفسیر ج/۱، ص/۶۰۷۔ (۲) فواتح ج/۱، ص/۴۱۴، التحریر ج/۱، ص/۱۱۵، تفسیر ج/۱، ص/۶۰۹۔ (۳) کشف ج/۲، ص/۳۷۵، تفسیر ج/۱، ص/۶۱۰، ۶۶۸۔ (۴) بقیہ اقسام حسب ذیل ہیں: ۶-مفہوم عدد۔ ۷-مفہوم حال۔ ۸-مفہوم زمان۔ ۹-مفہوم مکان۔ ۱۰-مفہوم علت۔ بعض نے مفہوم وصف اور ۶، ۷، ۸، ۹ رکو ایک قرار دیا ہے اور بعض نے ۴و۱۰رکو۔ (تفسیر ج/۱، ص/۶۱ ۷)۔

۱-مفہوم لقب:

(الف) تعریف:

کسی خاص نام کے ساتھ مقید کلام کا مسکوت عنہ کے حق میں حکم مذکور کی ضد پر دلالت کرنا۔

(ب) حکم:

لائق احتجاج واعتبار نہیں۔(۱)

(ج) مثال:

"زیدٌ قائمٌ" کہ زید کی طرف قیام یعنی کھڑے ہونے کی نسبت غیر زید کے کھڑے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

۲-مفہوم حصر:

(الف) تعریف:

کلام میں جن افراد کا حصر ہو ان کے غیر کے حق میں کلام کا حکم مذکور کی ضد پر دلالت کرنا۔

(ب) حکم:

لائق احتجاج واعتبار ہے، اس لیے حصر سے خارج افراد کے حق میں مذکورہ حکم کا اعتبار نہیں ہوتا۔(۲)

(ج) مثال:

"إنما الطاعة فی المعروف"(۳) (طاعت تو معروف ہی میں ہے) اس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر معروف یعنی معصیت میں اطاعت نہیں ہے۔

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۴۳۲، توضیح ص/۳۱۴، نور ص/۱۵۳۔ (۲) فواتح ج/۱، ص/۴۳۴، ابن ہمام نے اس کو از قبیل منطوق قرار دیا ہے اور صاحب مسلم نے بھی، ص/۴۳۵۔ (۳) صحیح بخاری۔

۳۔مفہوم وصف:

(الف)تعریف:

کلام میں مذکور وصف سے خالی افراد کے حق میں حکم مذکور کی ضد کے ثبوت پر دلالت کرنا۔

☆ صفت سے صفت نحوی مراد نہیں بلکہ وہ تمام چیزیں جن کا حاصل اتصاف ہے، اگرچہ نحوی اعتبار سے وہ کسی صورت میں ہوں، مثلاً موصوف وصفت ذوالحال وحال، موصول وصلہ، ممیز وتمیز اور ظرف ومظروف بھی۔(۱)

۴۔مفہوم شرط:

(الف)تعریف:

عبارت میں مذکور شرط سے خالی، افراد کے حق میں، مذکور حکم کی ضد کے ثبوت پر دلالت کرنا۔

(ب)امثلہ ہر دو اقسام:

"وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ" (۲)

تم میں سے جو کوئی قدرت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو وہ تمہاری مومن باندیوں سے جو تمہاری ملک میں ہوں نکاح کرے)۔

اس آیت میں "وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا" شرط ہے، اور "مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ" وصف، اول کا مفہوم مخالف ہے، کہ جس شخص کو آزاد عورت سے

---

(۱)عمدہ ص/۶۹۔(۲)النساء/۲۴۔

شادی کی قدرت ہو اس کے لیے باندی سے نکاح جائز نہیں اور دوم یعنی وصف کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو باندی مسلمان نہ ہو اس سے نکاح جائز نہیں۔(۱)

۵- مفہوم غایت:

(الف) تعریف:

کلام میں مذکور کسی چیز کی غایت یعنی حد کے پائے جانے کی صورت میں مذکور حکم کی ضد کے ثبوت پر دلالت کرنا۔

(ب) مثال:

"فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ."(۲)

(پھر اگر وہ (طلاق دینے والا) اس (طلاق دی ہوئی عورت) کو (تیسری) طلاق دے دے تو وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی، اس کے بعد یہاں تک کہ اس کے علاوہ دوسرے شوہر سے نکاح کر لے)۔

آیت میں جس عورت کو تین طلاق دے دی گئی ہو، شوہر اول کے حق میں اس کی حرمت کی غایت وحد دوسرے شوہر سے نکاح وصحبت کو بتایا گیا ہے، جب یہ غایت پائی جائے گی تو حرمت ختم ہو جائے گی اور حلت کا حکم ہوگا۔(۳)

(ج) احکام ایں سہ اقسام:

احکام کے حق میں ان تینوں اقسام کی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ قید کے بغیر بھی عمل ہو سکتا ہو، یعنی قید کا ذکر عمل کی غرض سے نہ ہو بلکہ کسی دوسری وجہ سے ہو، اس صورت میں بالاتفاق مفہوم کا کوئی اعتبار نہیں۔

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۴۱۴، ۴۲۱، تفسیر ج/۱، ص/۶۱۰ و ۶۱۳۔ (۲) البقرہ/۲۳۰۔ (۳) فواتح ج/۱، ص/۴۳۲، تفسیر ج/۱، ص/۶۱۵۔

(د) وجوہ عدم اعتبار مفہوم:

مفہوم مخالف کے معتبر نہ ہونے کی وجوہ حسب ذیل ہوسکتی ہیں:

۱-احسان جتلانا۔ ۲-واقعہ یا ۳-عام حالت و عادت میں سے کسی کی رعایت۔ ۴-تاکید۔ ۵-جواب۔ ۶-متکلم کا مفہوم یا منطوق کے حکم کو نہ جاننا۔ ۷-کسی غلط فہمی کا خوف واندیشہ۔ ۸-مسکوت عنہ کے حق میں دلیل کا موجود ہونا۔ ۹-کسی چیز کی رغبت دلانا۔ ۱۰-کسی چیز سے ڈرانا یا نفرت پیدا کرنا۔ ۱۱-کسی چیز کی عظمت کا اظہار کرنا۔ ۱۲-قید کا تبعاً یا اتفاقاً مذکور ہونا۔ ۱۳-مدح وذم۔(۱)

دوم یہ کہ مفہوم پر عمل کے علاوہ قید کا کوئی دوسرا فائدہ نہ ہو، یعنی قید عمل ہی کے لیے لائی گئی ہو۔

اس صورت میں احناف کے نزدیک مفہوم کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جن چیزوں کا عبارت کے الفاظ میں ذکر نہ ہو وہ اپنے حال پر باقی رہیں گی، جب تک کہ ان کے حق میں کوئی مستقل دلیل موجود نہ ہو، ان کے لیے منطوق کے خلاف کوئی حکم ثابت نہ ہوگا، اس لیے مفہوم شرط کے تحت آزاد عورت سے شادی کی قدرت رکھنے والے کے لیے باندی سے شادی کی حرمت اور مفہوم وصف کے تحت اہل کتاب باندی سے نکاح کی حرمت ثابت نہ ہوگی اور مفہوم غایت کے تحت زوج اول سے نکاح کی حرمت ختم ہونے کا ثبوت خاص آیت کے مفہوم مخالف کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسری نصوص کی وجہ سے ہے۔(۲)

(ہ) مفہوم مخالف کی بابت اتفاقی احکام:

۱-مفہوم لقب کا حکم یعنی عدم اعتبار اتفاقی ہے۔(۳)

---

(۱) فواتح ج/۱، ص/۴۱۴، توضیح ص/۳۱۶، تفسیر ج/۱، ص/۶۷۳، ۶۷۵، ۶۷۷، مذکرہ ج/۲، ص/۳۱-۳۲۔
(۲) کشف ج/۲، ص/۷۳د، التحریر ج/۱، ص/۱۱۵، مذکرہ ج/۲، ص/۳۳، تفسیر ج/۱، ص/۶۶۷-۶۶۸ و۶۷۸۔ (۳) اصول الخلاف ص/۱۵۵۔

۲-مفہوم حصر کا حکم یعنی اعتبار بالاتفاق ہے۔(۱)

۳-مفہوم وصف، مفہوم شرط، مفہوم غایت کی پہلی صورت کا حکم اتفاقی ہے۔(۲)

۴-مفہوم عدد کی بابت بھی بعض احناف اعتبار کے قائل ہیں۔(۳)

۵-عقوبات یعنی سزاؤں کے حق میں مفہوم مخالف کا اعتبار اتفاقی ہے۔(۴)

۶-قرآن وحدیث کے علاوہ ہر کلام میں خواہ خواص کا ہو یا عوام کا، اور اگرچہ صحابہ کا ہو، یا کسی کتاب کی عبارت ہو، سب کے مفہوم مخالف کا اعتبار اتفاقی ہے، یعنی اختلاف قرآن وحدیث کی بابت ہے اور سزاؤں کے علاوہ دیگر امور کے حق میں۔(۵)

---

(۱)مذکرہ۔ (۲)مذکرہ۔ (۳)فواتح ج/۱، ص/۴۳۲، جیسے طحاوی و جصاص۔ (۴)حاشیہ رسم المفتی۔
(۵)از حاشیہ حموی بر الاشباہ ص/۱۵، التحریر ج/۱، ص/۱۷۷، نور ص/۱۵۴، تفسیر ج/۱، ص/۶۸۷، رسم المفتی ص/۹۲، اصول الخلاف ص/۱۵۵۔

خاتمہ اصل اول

بیان (☆)

۱-تعریف:

(الف) لغوی: ظاہر کرنا، واضح کرنا، (۱) بیان کرنا۔

(ب) اصطلاحی: وہ امر جس کے متکلم کی مراد واضح ہو۔ (۲)

۲-ذرائع بیان:

متعدد ہیں: ۱-تحریر۔ ۲-اشارہ۔ ۳-اجتہاد و قیاس۔ ۴-قول۔ ۵-فعل وغیرہ (۳)، البتہ اکثر ذرائع آخری دو ہیں، اور ان میں بھی قول کا استعمال بکثرت رہا ہے، اسی لیے اصولیین زیادہ تر قول سے ہی بحث کرتے ہیں اور جو اقسام ذکر کرتے ہیں وہ اسی کی نسبت سے ذکر کرتے ہیں۔

۳-مثال بیان فعلی:

نماز کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "صلّوا کما رأیتمونی

(☆) بیان کی تعریف وتفصیلات اگلی سطور میں سامنے آرہی ہیں، اصول فقہ کی کتابوں میں یہ مبحث اہتمام کے ساتھ اس لیے لایا جاتا ہے کہ بات کرنے والا اپنی زبان سے جو کچھ بھی کہتا ہے اگر اس کی جانب سے مزید کوئی چیز اس گزشتہ کلام سے متعلق سامنے آتی ہے تو وہ جس صورت میں ہو اور اس کا جو اثر و نتیجہ بھی ہو اسے ''بیان'' کہتے ہیں، صورت اور بالخصوص نتائج کے اختلاف کی وجہ سے اس سے متعلق تفصیلات کا علم ضروری ہے۔

(۱) کشف ج/۳/۸۲۴، تفسیر ج/۱، ص/۲۴۔ (۲) یہ تعریف احقر نے اس لیے اختیار کی ہے کہ جیسا کہ آپ پڑھیں گے ''بیان'' صرف قول ہی کے ذریعہ نہیں ہوتا، ہاں ''قول'' اس کا اکثری واغلبی ذریعہ ضرور ہے۔ الاسعدی۔

(۳) ارشاد ص/۲/۱۷۔

أصلی" (جیسے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، ویسے ہی نماز پڑھا کرو) تو آپ کا عملی طور پر نماز کا پڑھنا، نماز سے متعلق ارشادات کا بذریعہ "فعل" بیان ہے۔(۱)

۴-اقسام بیان قولی:

پانچ (۲) ہیں: (الف) بیان تقریر۔ (ب) بیان تفسیر۔ (ج) بیان تغیر۔ (د) بیان ضرورت۔ (ہ) بیان تبدیل۔

(الف) بیان تقریر:

۱-تعریف:

سابق کلام کو ایسے الفاظ سے مؤکد کرنا کہ ارادۂ مجاز اور تخصیص کا احتمال ختم ہو جائے۔

۲-تعبیر دیگر:

اسی کو "بیان تاکید" بھی کہتے ہیں۔(۳)

۳-حکم:

ہر حال میں اعتبار خواہ کلام سابق سے متصل ہو یا منفصل۔(۴)

۴-امثلہ:

(الف) مجاز کا احتمال ختم کرنے کی، ارشاد باری تعالیٰ "ولا طائر یطیر بجناحیه" (۵) (اور نہ دو پروں سے اڑنے والا پرندہ) کہ طائر میں مجاز کا احتمال تھا، جسے "یطیر بجناحیه" کی قید سے ختم کردیا، اس لیے کہ اس نے متعین کردیا کہ اس سے طائر (پرندہ) ہی مراد ہے۔

(ب) خصوص کا احتمال ختم کرنے کی مثال "فسجد الملائکة کلهم

---

(۱) نوامح ج/۲، ص/۴۵، نظامی ص/۸۲، عمدہ ص/۲/۷۔(۲) مشہور پانچ ہیں، بعض نے سات بھی ذکر کی ہیں۔ اصول ص/۶۷۔(۳) ارشاد ص/۲/۷۔(۴) حسامی ص/۸۲۔(۵) الانعام/۳۸

اجمعون" (۱) احتمال تھا کہ سجدہ جماعت ملائکہ کے کچھ افراد نے ہی کیا ہو نیز یہ کہ متفرق طور پر کیا ہو "کلھم" کے اضافہ نے بعض کے احتمال کو اور "اجمعون" کے اضافہ نے متفرق طور پر سجدہ کے احتمال کو ختم کر دیا۔ (۲)

(ب) بیان تفسیر:

۱-تعریف:

سابق غیر واضح المراد کلام کی مراد کو واضح کرنا۔

۲-مواقع:

مجمل جس کی مراد کو واضح کیا جائے اور مشترک جس کی مراد کو متعین کیا جائے، نیز مشکل و خفی اور کنایات وغیرہ بھی جن کی مراد کو بتایا جائے، مذکورہ امور کی مراد کی وضاحت و تعیین "بیان تفسیر" کہلاتی ہے۔ (۳)

۳-حکم:

کلام سابق سے اتصال اور انفصال دونوں حالتوں میں اعتبار ہے۔ (۴)

۴-امثلہ:

(الف) صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ امور قرآن مجید میں مجمل ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل کے ذریعہ ان کے اجمال کو ختم فرما کر مراد کو پورے طور پر واضح فرمایا ہے۔ (۵)

(ب) "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ" (۶) (مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے تئیں روکے رہیں) میں قروء کا لفظ مشترک ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد طلاق "الأمة تطليقتان وعدتها حيضتان" (۷)

---

(۱) الحجر/۳۰۔ (۲) نور ص/۲۰۱، کشف ج/۳، ص/۸۲۵-۸۲۸۔ (۳) کشف ج/۳، ص/۸۲۷، فواتح ج/۲، ص/۴۳۔ (۴) حسامی ص/۸۳۔ (۵) نور، ص/۲۰۱۔ (۶) البقرہ/۲۲۸۔ (۷) ترمذی و ابوداؤد۔

(باندی کی طلاق دو طلاق ہے، اور اس کی عدت دو حیض ہے) سے اس کی مراد کو متعین فرمایا کہ اس سے یہاں ''حیض'' مراد ہے، ''طہر'' نہیں۔(۱)

(ج) بیان تغییر:

۱-تعریف:

سابق کلام کے حکم میں تبدیلی کرنا۔(۲)

۲-حکم:

اتصال کے ساتھ معتبر ہے، انفصال کے ساتھ نہیں۔(۳)

۳-امثلہ:

کسی کلام کے بعد شرط یا استثناء یا غایت (یعنی کلام میں مذکور حکم کی حد) کو ذکر کرنا۔(۴)

شرط جیسے غلام سے "أنت حر" کہنے کے بعد "إن دخلت الدار" (تو آزاد ہے اگر گھر میں داخل ہوا) کہنا۔

استثناء جیسے "لفلان علیّ ألف درهم" کہنے کے بعد "إلا مائة" (مگر سو) کہنا۔

اگر "إن دخلت الدار" اور "إلا مائة" کو متصلا کہا تو شرط و استثناء کا اعتبار ہوگا اور غلام کے گھر میں داخل ہونے کی صورت میں وہ آزاد اور ایک ہزار کی رقم سے سو خارج قرار پائیں گے، ورنہ نہیں۔(۵)

---

(۱) نور ص/۲۰۱، تفسیر ج/۱، ص/۴۶۔ (۲) نظامی ص/۸۳۔ (۳) حسامی ص/۸۳، نور ص/۲۰۲۔ (۴) توضیح ص/۴۹۴، قمر، ص/۲۰۲، تفسیر ج/۱، ص/۳۵، ۷۰۔ (۵) (الف) شرط کی صورت میں اگرچہ کلام کا وقوع جس وقت بھی ہو، جب شرط پائی جاتی ہے حکما کلام کا وجود اسی وقت مانا جاتا ہے، یعنی شرط کے سامنے آنے پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ متکلم نے اب اسی وقت بات کہی ہے، اس لیے حکم شرط کے وجود کے وقت پایا جاتا ہے اور اس کے وجود سے پہلے کلام کو کہنے کے بعد خواہ کتنا ہی عرصہ گزر جائے اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا، اور یہ سمجھا جاتا ہے، گویا کہ کہنے والے نے کوئی بات نہیں کہی ہے، مثلاً مثال مذکور میں جس وقت دخول دار پایا جائے گا، کلام کا وجود اسی وقت مانا جائے گا اور غلام کی آزادی کا فیصلہ کیا جائے گا، اس سے پہلے دخول کے پائے جانے تک خواہ کتنی ہی =

غایت (۱) جیسے ارشاد باری "وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ" (۲) (اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو) کہ "لا تقربوهن" (عورتوں کے قریب مت جاؤ) کے ساتھ جب "حتی یطهرن" کی قید لگا دی تو سابق حکم یعنی عورتوں کے قریب نہ جانا، ان کی طہارت کی صورت کے لیے باقی نہیں رہ گیا اور طہارت کی حالت میں ان کے قریب (۳) جانا جائز قرار پایا۔

(د) بیان ضرورت:

۱۔ تعریف:

ضرورت کی بناء پر غیر کلام کو کلام مذکور کی وضاحت کا ذریعہ بنایا۔

۲۔ حکم:

چونکہ یہ قسم کلام کے قبیل سے نہیں ہے، اس لیے اس کی بابت اتصال یا انفصال کی تفصیل کے بغیر اعتبار و عمل ہوگا۔

= طویل مدت گزر جائے، یہ کلام عدم کلام کے حکم میں ہوگا، حتی کہ شرط کے پائے جانے سے پہلے اگر مالک چاہے تو شرط کے بغیر غلام کو آزاد کر سکتا ہے اور اس سے کہہ سکتا ہے کہ تم آزاد ہو، اس کے اس قول پر مشروط کلام کوئی اثر نہیں کرے گا (حسامی ص/۲۴-۲۵، فواتح ج/۱، ص/۴۲۳-۴۲۴)۔ (ب) استثناء کی صورت میں استثناء کے بعد مستثنیٰ منہ یعنی جس لفظ سے استثناء کیا گیا ہے، اس کی جو مقدار بچتی ہے حکماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ متکلم نے صرف اسی مقدار کا ذکر کیا ہے، مثلاً مثال مذکور میں اصل عدد "الف" (ایک ہزار) ہے، جب اس سے استثناء کے ذریعہ "مئة" یعنی سو نکال دیے گئے تو نو سو کی مقدار رہ گئی، حکماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ کہنے والے نے زبان سے "نو سو" کے الفاظ ہی کہے ہیں، ایک ہزار کہہ کر سو کو نکالا نہیں ہے (حسامی ص/۸۴، نور ص/۲۰۴)۔ (ج) تخصیص کا تعلق بیان تغییر سے ہے، اسی لیے آپ پڑھ چکے ہیں کہ مخصِّص کا مخصَّص سے متصل ہونا ضروری ہے (تفسیر ج/۱، ص/۴۸، نور ص/۲۰۲)۔

(۱) بیان تغییر کے لیے انھیں تینوں کے ذکر کی قید نہیں بلکہ ہر وہ چیز اس کے تحت آتی ہے، جس کے سابق حکم میں قید لگتی ہو اور وہ بدلتا ہو، اس سلسلہ میں صفت کا ذکر توضیح و قمر میں بھی ہے، مزید بدل بعض اور عطف کو بھی اس کے تحت ذکر کیا گیا ہے (تفسیر ج/۱، ص/۳۵ و مرقاۃ الوصول شرح ماۃ اصول ج/۲، ص/۱۲۶-۱۲۷) بدل بعض کی مثال "ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا" (آل عمران) اس میں "علی الناس" کے بعد "من استطاع إليه سبيلا" نے سابق کے حکم کو بدل دیا اور اس کو اہل استطاعت کے ساتھ خاص کر دیا۔

(۲) البقرہ/۲۲۱۔ (۳) قریب جانے سے یہاں صحبت کرنا مراد ہے۔

۳-مثال:

ایسا شخص جو شرعی احکام کے بیان کے حق میں حجت و سند کی حیثیت رکھتا ہے، اور کسی نامناسب قول وفعل کے سامنے یا علم میں آنے پر اس کے لیے زبان کا کھولنا ضروری ہوتا ہے، ایسے شخص کا کسی قول وفعل کے سامنے یا علم میں آنے پر خاموش رہنا کہ اس کی شرعی حیثیت کی بناء پر اس کی یہ خاموشی اس کی جانب سے ''تائید'' شمار ہوتی ہے، اور زبان سے بیان کے حکم میں قرار پاتی ہے، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کے کسی قول وفعل کے علم میں آنے پر خاموش رہنا، جسے اصطلاح میں ''تقریر'' کہتے ہیں۔ (☆)

(☆) ۴-اقسام: بیان ضرورت کی چار ہیں: (الف) متکلم کا حال۔ (ب) سکوت بہ منزلہ نطق۔ (ج) دھوکہ کا دفعیہ۔ (د) کثرت کلام سے احتراز۔ (الف) متکلم کا حال: اوپر مثال کے تحت جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، اس کا تعلق اسی قسم سے ہے (حسامی ص/۸۶)۔ (ب) سکوت بہ منزلہ نطق: ۱-تعریف: کلام میں کسی چیز کی بابت ایک صورت کے ذکر کرنے کے بعد کسی دوسری صورت کو بیان کرنا جس سے کہ تیسری صورت سامنے آئے، جس کا عبارت میں کوئی ذکر نہ ہو۔ ۲-مثال: "ورثہ ابواہ فلامہ الثلث" (النساء/۱۱) (اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ایک تہائی اس کی ماں کا حصہ ہے) اس کے پہلے ٹکڑے "ورثہ ابواہ" میں وراثت کی ایک صورت کا ذکر ہے، جس سے بظاہر لڑکے کی میراث میں والدین کی شرکت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن جب "فلامہ الثلث" (ایک تہائی ماں کا ہے) کے ذریعہ دوسری صورت بیان کی گئی اور تہائی مال کو ماں کے لیے خاص کر دیا گیا تو اس سے ایک تیسری صورت یہ سامنے آئی کہ جو کچھ بچے گا، اس کا وارث باپ ہوگا، حالانکہ اس کا عبارت میں ذکر نہیں ہے، مگر عبارت سے ظاہر ہونے کی بناء پر اسے ''سکوت بہ منزلہ نطق'' قرار دیا گیا ہے (حسامی ص/۸۶)۔ (ج) دھوکہ کا دفعیہ: ۱-تعریف: اپنی ذات سے متعلق کسی معاملہ میں سامنے آنے پر سکوت کو دوسروں کو نقصان سے بچانے کے لیے بیان قرار دینا۔ ۲-مثال: ایک آدمی کو پڑوس کے گھر کے متعلق بیچے جانے کا علم ہوتا ہے تو اسے شرعاً حق ہے کہ وہ اس معاملہ کو ختم کرا کے خود خرید لے، لیکن اگر علم ہونے پر وہ خاموش رہتا ہے اور پڑوس کا مالک مکان اپنا گھر بیچ دیتا ہے تو بعد میں وہ کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ وقت گزرنے کے بعد کچھ کہنا خریدنے والے کو دھوکہ دینا اور نقصان پہنچانا ہے (حسامی ص/۸۶)۔ (د) کثرت کلام سے احتراز: ۱-تعریف: کثرت کلام سے بچنے کے خیال سے اختیار کیے گئے اختصار میں، چھوڑے ہوئے حصے کو مذکور قرار دینا۔ ۲-مثال: کسی شخص کا یوں کہنا "لزید علیّ مائة و درهم" (یعنی زید کے مجھ پر ایک سو اور ایک درہم ہے) کہ اس کلام میں کہنے والے نے کثرت کلام سے بچنے کے لیے اختصار کو اختیار کیا ہے اور وہ یوں کہ ''مائۃ'' عدد کی تمیز یعنی معدود (وہ شے جس سے عدد کا تعلق ہوتا ہے) اس کا ذکر نہیں کیا ہے، حالانکہ عدد کے ساتھ معدود کا ذکر ضروری ہے، ورنہ عدد کا ذکر =

(ہ) بیان تبدیل:

بیان کی اسی قسم کا دوسرا عنوان ''نسخ'' ہے جو زیادہ معروف ومشہور ہے، حتی کہ بعض حضرات اس کو بیان کی اقسام کے تحت نہیں قرار دیتے، قرآن مجید میں اس کے لیے دونوں عناوین مستعمل ہیں، "نسخ" سورۂ بقرہ، رکوع ۱۳، آیت "مَا نَنسَخْ" الآیۃ میں اور تبدیل سورۂ نحل، رکوع ۱۴، آیت "وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً" الآیۃ (۱) میں اس قسم سے متعلق تفصیلات شہرت وطول کی بنا پر نسخ کے تحت ذکر کی جارہی ہے۔

= مہمل وبے سود ہوگا، مگر جب اس نے اس کے ساتھ واؤ عطف کے ذریعہ ''درہم'' کا ذکر کیا تو یہ سمجھا دیا گیا کہ ''مائۃ'' (سو کے عدد) کا تعلق درہم سے ہی ہے، اس نے اختصار کی خاطر ''مائۃ'' کے ساتھ اس کو نہیں ذکر کیا ہے (کشف ج/۳، ص/۸۶۷-۸۷۳، نور ص/۲۰۷، تفسیر ج/۱، ص/۳۹-۴۰) بعض حضرات نے قسم اول کو ''بیان حال'' اور قسم چہارم کو ''بیان عطف'' کے عناوین دے کر ''بیان ضرورت'' سے الگ بیان کی مستقل اقسام شمار کیا ہے (اصول ص/۶۷، ۷۱-۷۲)۔

(۱) فواتح ج/۲، ص/۵۳، نور ص/۲۸، نظامی ص/۸۷، تفسیر ج/۱، ص/۳۶۔ بعض حضرات اس کو اقسام بیان میں سے نہیں قرار دیتے جیسے شمس الائمہ سرخسی (توضیح ص/۵۱۱)۔

نسخ

۱-تعریف:

(الف) لغوی: ایک شے کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری کو بنانا و لانا (۱)، یعنی لفظ ''نسخ'' کے لغوی معنی کے دو جز ہیں:

۱- ہٹانا و مٹانا اور ۲- بنانا و لانا، کبھی دونوں مفہوم ادا کرتا ہے اور کبھی کوئی ایک یعنی صرف مٹانا و ختم کرنا، یا صرف بنانا۔

(ب) اصطلاحی: سابق حکم شرعی کو بعد کی کسی شرعی دلیل کے ذریعہ ختم کر دینا۔ (۲)

۲-نسخ کی حقیقت:

نسخ کے تحت حکم کی تبدیلی صرف بندوں کے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمیشہ سے یہ بات ہے کہ کون سا حکم کس وقت تک کے لیے ہے، اس وقت کے آنے پر اس حکم کو ختم کر دیا جاتا ہے، جیسے کہ طبیب مریض کے مرض کی تشخیص کے ساتھ اس کے آخری حالات تک کی دوائیں تجویز کر لیتا ہے، مگر مریض کو بتدریج دوائیں بتاتا جاتا ہے، تو مریض یہ سمجھتا ہے کہ دوائیں بدل رہا ہے، حالانکہ وہ ہر ایک کے استعمال کا وقت ختم ہونے پر اس کے استعمال سے روکتا ہے۔

۳-حکمت نسخ:

زمانہ کے ساتھ ساتھ بندوں کے مصالح و تقاضے بدلتے رہتے ہیں، اور تمام

---

(۱) توضیح ص/ ۵۱۱، نظامی ص/ ۸۷۔ (۲) توضیح ص/ ۵۱۱، فواتح ج/ ۲، ص/ ۵۳، تفسیر ج/ ۱، ص/ ۳۶۔

احکام شرع کی بنیاد بندوں کے مصالح پر ہے، یہ ایک اہم وجہ ہے۔ (۱)

۴- وقت نسخ:

نزول وحی کا زمانہ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی۔ (۲)

۵- محل نسخ:

فروعی احکام ہیں، یعنی اصول دین وعقائد وغیرہ میں نسخ نہیں ہوتا۔

۶- ارکان نسخ:

دو ہیں: (الف) ناسخ۔ (ب) منسوخ۔

(الف) ناسخ:

بعد کا حکم یا دلیل جس سے سابق حکم کو ختم کیا جائے۔

(ب) منسوخ:

سابق حکم جسے ختم کیا جائے، ناسخ ومنسوخ کا قول ہونا ضروری نہیں ہے، فعل بھی ناسخ ومنسوخ ہوتا ہے۔ (۳)

۷- شرائط نسخ:

۱- منسوخ حکم شرعی ہو۔ ۲- فروعات میں سے ہو۔ ۳- منسوخ مشروعیت و عدم مشروعیت دونوں کو محتمل ہو، کوئی ایک اس کے حق میں متعین نہ ہو، جیسے کہ ایمان کے لیے مشروعیت اور کفر کے لیے عدم مشروعیت متعین ہے۔ ۴- نسخ کی کوئی دلیل موجود ہو، قولی یا فعلی۔ ۵- ناسخ منسوخ سے علاحدہ و مؤخر ہو۔ ۶- ناسخ ومنسوخ دونوں قوت میں ہم پلہ ہوں یا ناسخ اقویٰ ہو۔ ۷- ہر ایک مقتضیٰ مختلف ہو۔ ۸- منسوخ مکلف کے علم میں آچکا ہو، خواہ عمل کی نوبت آئی ہو یا نہیں اور عمل خواہ کسی فرد نے کیا ہو یا

---

(۱) فواتح ج ۲، ص ۵۵، توضیح ص ۵۱۱-۵۱۲، نور ص ۲۰۸۔ (۲) فواتح ج ۲، ص ۸۱، توضیح ص ۵۱۳۔
(۳) ارشاد ص ۱۸۴، ۱۹۲، فواتح ج ۲، ص ۵۳۔

جماعت نے۔(۹) منسوخ مقید بالوقت نہ ہو، یعنی اس کے ساتھ کسی وقت کی قید نہ لگی ہو۔(۱۰) مؤبد یعنی ہمیشہ کے لیے نہ ہو، خواہ صراحۃً کہ ہمیشگی پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ عبارت میں موجود ہو یا دلالۃً جیسے وہ تمام احکام جن کو کسی حال پر چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمائی ہے۔(۱)

۸-حکم نسخ: (☆)

سابق حکم کا ختم ہو جانا (۲) اور اس کی جگہ بعد کے حکم پر عمل کرنا۔

۹-منسوخ کا بدل:

ضروری نہیں کہ حکم منسوخ کی جگہ کوئی دوسرا حکم ضرور تجویز کیا جائے، عام طور سے جو حکم منسوخ ہوتا ہے، اس کی جگہ کوئی دوسرا حکم لیتا ہے۔(۳)

(☆) نسخ و تخصیص میں فرق: کئی وجوہ سے ہے حتی کہ بعض نے بیس وجوہ ذکر کی ہیں، چند حسب ذیل ہیں: اول نسخ کی حقیقت ہے، لفظ کی مراد سے متعلق سابق حکم کو ختم کرنا، اور تخصیص نام ہے اس تصریح کا کہ "فرد مخصوص" عام لفظ سے مراد نہیں یعنی عام کے تحت داخل نہیں۔ دوم نسخ کا تعلق عام و خاص دونوں سے ہوتا ہے اور تخصیص عام ہی کے ساتھ خاص ہے۔ سوم دلیل نسخ منسوخ سے مؤخر ہوتی ہے اور دلیل تخصیص کا عام مخصوص سے متصل ہونا ضروری ہے۔ چہارم دلیل نسخ کا نقلی ہونا ضروری ہے یعنی ناسخ قرآن یا حدیث کی ہی کوئی دلیل ہو سکتی ہے اور تخصیص کے لیے مخصص کا منقول ہونا ضروری نہیں ہے، عقل و عرف اور اجماع وغیرہ کے ذریعہ بھی تخصیص ہو سکتی ہے۔ پنجم قرآنی آیت اور حدیث متواتر کے نسخ کے لیے اسی درجہ کی دلیل ضروری ہے اور ان کی تخصیص کم درجہ کے دلائل سے بھی ہو سکتی ہے۔ ششم نسخ صرف احکام کے حق میں ہوتا ہے اور تخصیص احکام و اخبار دونوں کے حق میں ہوتی ہے (ارشاد ص/۱۴۲-۱۴۳، تفسیر ج/۲، ص/۸۴، المدخل ص/۱۹۹و۲۱۰، کشف ج/۳، ص/۱۹۸)۔

(۱) فواتح ج/۲، ص/۶۱، ۶۷، توضیح ص/۵۱۱-۵۱۳، حسامی ص/۸۷-۸۸، نور ص/۲۰۸-۲۰۹۔ (۲) سابق حکم اگر واجب رہا ہو تو نسخ کے بعد اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں: (الف) وجوب کے ساتھ نفس جواز بھی منسوخ ہو جائے جبکہ اس کے کرنے سے پورے طور پر روک دیا گیا ہو، جیسے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنا۔ (ب) وجوب منسوخ ہو مگر نفس جواز باقی رہے جبکہ اس کے کرنے سے پورے طور پر نہ روکا جائے بس اس کی جگہ دوسرا حکم آ جائے جیسے جنگ میں ایک مسلمان کا دو سے زائد کفار کے مقابلہ میں لڑنا و جمنا واجب تو نہیں رہا لیکن جائز ضرور ہے۔ (ج) نفس جواز کے ساتھ استحباب بھی باقی ہو جبکہ استحباب کی کوئی دلیل موجود ہو، جیسے عاشورہ کا روزہ فرضیت کے نسخ کے بعد دلیل کی وجہ سے جائز بھی ہے اور مستحب بھی۔ (۳) سابق حکم کی جگہ جو حکم آتا ہے اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں: (الف) سابق حکم سے ہلکا ہو جیسے ایک مسلمان کا دس کافروں کے مقابلہ میں =

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف سابق حکم کو ختم کر دیا جاتا ہے، جیسے حکم دیا گیا تھا کہ اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں بات کرنا چاہے تو پہلے کچھ صدقہ پیش کرے، مگر اس کو بغیر کسی بدل کے منسوخ کر دیا گیا۔

۱۰-صورتیں:

یعنی نسخ کی صورتیں چار ہیں:

(الف) قرآن مجید کا نسخ قرآن سے۔ (ب) قرآن کا نسخ حدیث سے۔

(ج) حدیث کا نسخ قرآن سے۔ (د) حدیث کا نسخ حدیث سے۔

(الف) قرآن مجید کا نسخ قرآن سے: جیسے وہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے، اس کی عدت کی مدت کا پہلے سال بھر ہونا، پھر چار مہینہ دس دن ہونا، دونوں سورۂ بقرہ میں مذکور ہیں۔

(ب) قرآن مجید کا نسخ حدیث سے: جیسے قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجودہ بیویوں کے علاوہ کسی دوسری عورت سے نکاح کی حرمت کا بیان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک روایت میں اس کے بعد اس کی حلت کا بتانا۔

(ج) حدیث کا نسخ قرآن مجید سے: بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے تھا، جو "سیقول" کی ابتدائی آیات سے ختم ہو گیا۔

(د) حدیث کا نسخ حدیث سے: جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبور کی زیارت سے روکنا اور بعد میں اجازت دینا۔

☆ البتہ یہ ذہن نشیں رہے کہ قرآن مجید کے کسی حکم کا حدیث سے نسخ اسی وقت جائز ہے جبکہ وہ حدیث ثبوت میں قرآن کے ہم پلہ ہو، یعنی متواتر یا مشہور ہو

= جمے رہنے کی جگہ دو کے مقابلہ میں جمے رہنے کا حکم۔ (ب) سابق حکم کے برابر ہو جیسے بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کی جانب رخ کرنے کا حکم۔ (ج) سابق حکم سے سخت ہو جیسے کافروں سے جنگ نہ کرنے کی جگہ ان سے جنگ کرنے کا حکم۔ (فواتح ج/۲، ص/۶۹-۷۱، توضیح ص/۵۱۷، نظامی ص/۸۹۔

(جن کی تعریفات ''سنت'' کے تحت آ رہی ہیں) نیز جو حدیث قرآن کریم کے ہم پلہ ہو اس کا نسخ قرآن یا اسی درجہ کی ہی حدیث سے جائز ہے، عام احادیث جن کو ''اخبار آحاد'' کہا جاتا ہے، ان سے اس کا نسخ نہیں ہوسکتا، ہاں وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے ناسخ ہوسکتی ہیں، جیسے کہ قرآن وحدیث متواتر ومشہور سے ان کا نسخ ہوسکتا ہے۔ (۱)

۱۱- اقسام منسوخ: چار ہیں:

(الف) حکم وتلاوت دونوں منسوخ ہوں:

جیسے روایات میں آیا ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی مگر اس کا اکثر حصہ اٹھالیا گیا۔

(ب) حکم منسوخ ہو، تلاوت منسوخ نہ ہو:

جیسے سال بھر کی عدت والی آیت بلکہ تمام وہ آیات منسوخہ جو قرآن مجید میں موجود ہیں کہ ان کا حکم منسوخ ہوچکا ہے، مگر تلاوت جاری ہے۔

(ج) تلاوت منسوخ ہو، حکم منسوخ نہ ہو:

جیسے مشہور قول کے مطابق زنا کی سزا رجم کو بتانے والی آیت کہ اس کی تلاوت منسوخ ہے مگر حکم برقرار ہے۔

(د) حکم کا کوئی وصف منسوخ ہو: (☆)

جیسے پیروں میں خفین پہننے کی حالت میں پیروں کو دھلنے کی جگہ خفین پر مسح کا حکم۔ (۲)

(☆) اس صورت کو ''نص کے معنی ومفہوم پر زیادتی'' کے عنوان سے بھی تعبیر کرتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ نص قرآنی کے حکم پر کسی قید یا شرط کا اضافہ کردیا جائے، احناف کے نزدیک یہ اس وقت جائز ہے جبکہ کوئی حدیث متواتر یا مشہور اس قید وشرط کے اضافہ پر دلالت کرے جیسے کہ مثال مذکور میں مسح کا حکم حدیث متواتر کی وجہ سے ہے۔ (نور ص ۲۱۲، فواتح ج ۲، ص ۷۲ وحسامی ص ۹۰)۔ (۱) فواتح ج ۲، ص ۷۶-۷۸، توضیح ص ۵۱۷۔
(۲) فواتح ج ۲، ص ۷۳-۷۴، توضیح ص ۵۱۷، نور ص ۲۱۱-۲۱۲، قمر ص ۲۰۹۔

۱۲-ناسخ کو جاننے کے ذرائع: چھ ہیں:

(الف) ایسے الفاظ جو ایک حکم سے متعلق دو آیات میں سے ایک کے دوسرے پر تقدم کو بتائیں۔ جیسے "اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ" (۱) (اب خدا نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا) کے بعد فرمانا کہ اب دو کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان کا جمنا ضروری ہے، دس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری نہیں ہے۔

(ب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد۔ مثلاً "میں نے تم کو زیارت قبور سے روکا تھا، سنو کہ قبروں کی زیارت کیا کرو۔"

(ج) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ماعز کو رجم کرنے کے ساتھ کوڑے نہ لگانا، یہ فرمانے کے بعد کہ رجم کے ساتھ کوڑے بھی لگیں گے۔

(د) کسی حدیث کے خلاف صحابہ کا قولی یا عملی اجماع و اتفاق کہ یہ چیز ان کے حق میں دوسری ناسخ روایت کے علم کی دلیل ہوتی ہے۔

(ہ) صحابی کا بیان کہ فلاں روایت و حکم پہلے کا اور فلاں بعد کا ہے۔

(و) دو حکموں میں سے ایک حکم کا عادت کے مطابق اور ایک کا شرعی ہونا، تو شرعی ناسخ قرار پائے گا۔ (۲)

۱۳-آیات منسوخہ:

اہل توسع نے تو بہت بڑی تعداد ذکر کی ہے، بعض اکابر محققین مثلاً قاضی ابن عربی مالکی و جلال الدین سیوطی نے بیس اکیس آیات منسوخ بتائی ہیں، اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے صرف پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ (۳)

---

(۱) الانفال/۶۶۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۹۵، ارشاد ص/۱۹۲ و ۱۹۷۔ (۳) الاتقان ج/۲، ص/۲۲-۲۳، الفوز الکبیر ص/۱۹-۲۲۔

اصل دوم

سنت

۱-تعریف:

(الف) لغوی: طریقہ وعادت (۱) وبیان۔(۲)

(ب) اصطلاحی: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور سکوتی تائیدات۔یعنی کسی چیز کے سامنے یا علم میں آنے پر خاموشی اختیار فرما کر اس کی تائید جسے اصطلاح میں ''تقریر'' کہتے ہیں۔

☆ سنت کے لیے دوسری معروف تعبیر ''حدیث'' ہے، نیز خبر، اثر اور روایت کے الفاظ سے بھی اس کو ذکر کرتے ہیں، لیکن اصطلاحی طور پر فقہاء کے لفظ ''سنت'' ہی استعمال ہوتا ہے۔(۳)

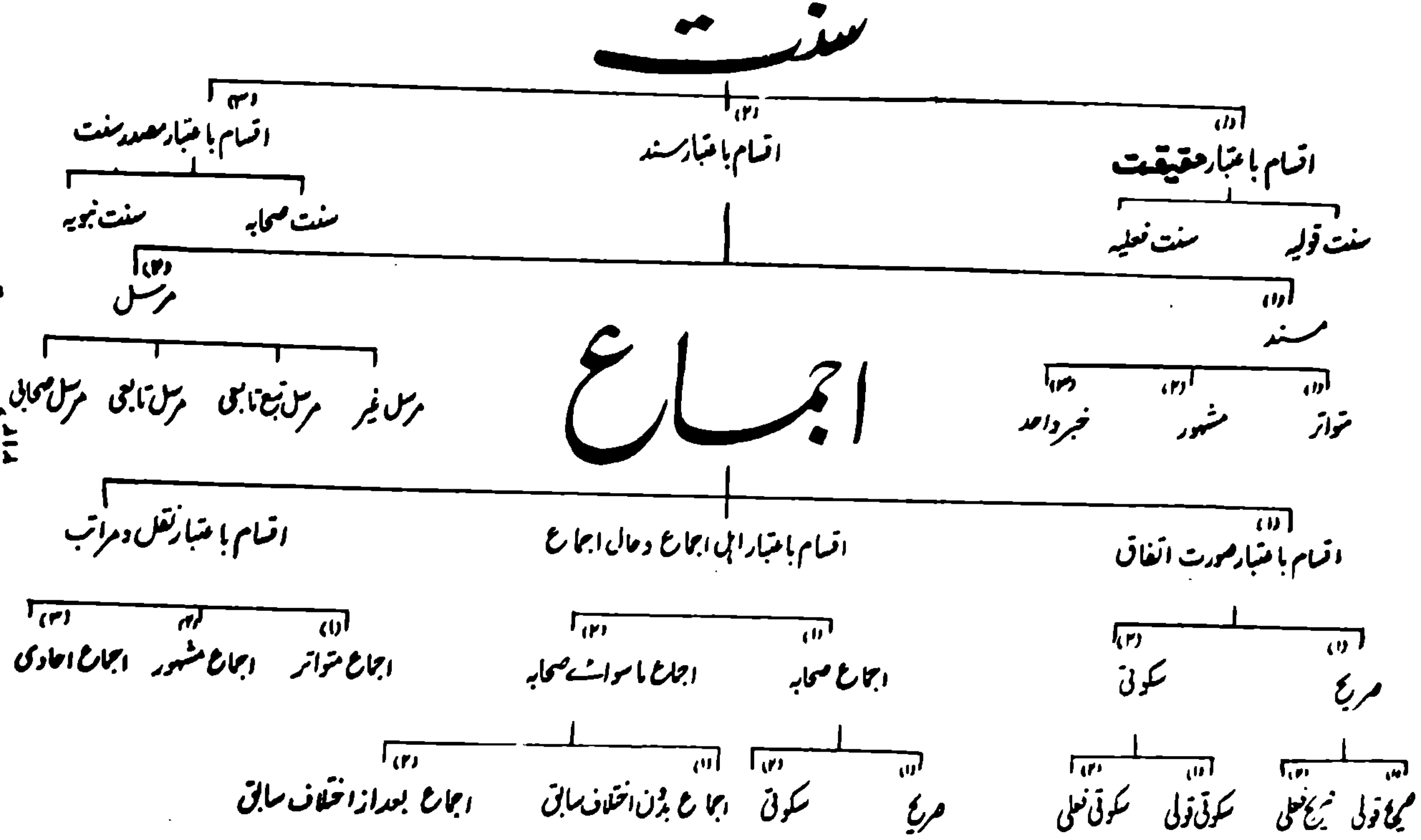
۲-سنت کی حیثیت واہمیت:

سنت حقیقتاً قرآن مجید کا بیان وتوضیح ہے، جیسا کہ خود قرآن مجید میں متعدد

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۹۶، توضیح ص/۴۶۱۔ (۲) المدخل ص/۳۲۔ (۳) فواتح ج/۲، ص/۹۷، نظامی ص/۶۶، نور وقمر ص/۱۷۵، توضیح ص/۴۶۱، شرح نزہۃ القاری ص/۱۶، تدریب ج/۱، ص/۴۲-۴۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب منقول امور کے لیے کیا کیا تعبیرات ہو سکتی ہیں ان کی بابت کچھ اختلاف بھی ہے، نیز یہ کہ مذکورہ تین امور کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ''جسمانی احوال واخلاق'' بھی حدیث کے تحت نقل کیے جاتے ہیں، جبکہ فقہاء کے یہاں مذکورہ تین امور ہی زیر بحث آتے ہیں، اس لیے کہ ''تشریع'' یعنی حلت وحرمت کے بیان کا ثبوت انھیں تینوں سے متعلق ہے، اور لغوی وشرعی معنی کی رو سے بالخصوص ان تین امور کے لیے لفظ ''سنت'' کا اطلاق جیسا کہ فقہاء کا استعمال بھی ہے، زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ الاسعدی۔

نقشہ مک



ضمیمہ ص ۱۹۹/۲۱۲

مواقع پر فرمایا گیا ہے، مثلاً ارشاد ہے: "وَ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" (۱) (اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تا کہ آپ ظاہر کر دیں لوگوں پر ان کے مضامین کو جو ان کے لیے بھیجے گئے ہیں)۔

اور یہ توضیح بھی اپنی رائے سے نہیں ہوتی تھی بلکہ اللہ کی جانب سے دل میں القاء کے ذریعہ۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے: "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ" (۲) (اپنی نفسانی خواہش سے بات نہیں کرتے، ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی گئی)۔

اور قرآن کریم کی متعدد آیات میں "الکتاب" کے ساتھ "الحکمۃ" کا جو لفظ آیا ہے، محققین نے اس کا مصداق ''سنت نبویہ'' کو ہی قرار دیا ہے۔ (۳) اور خود حدیث میں آیا ہے: '' مجھے قرآن کے ساتھ اس کی مانند ایک دوسری چیز بھی عطا کی گئی ہے۔'' (۴) ظاہر ہے وہ آپ کی سنت ہی ہے، اسی نسبت کی بناء پر آپ کا حکم اللہ کے حکم سے الگ وعلاحدہ کوئی چیز نہیں، ارشاد خداوندی ہے: "مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ" (۵) (جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کرے گا تو اس نے خدا کی فرماں برداری کی) اور ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ اشیاء بھی اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی طرح ہیں۔ (۶)

۳- سنت کی حجیت:

یعنی احکام شرع کے لیے دلیل بننے کے لائق ہونا، یہ چیز پچھلی دفعہ کے تحت ذکر کردہ تفصیلات سے ظاہر ہے، اور مزید یہ کہ قرآن کریم میں متعدد مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ہی مراد ہے۔ (۷)

---

(۱) النحل ۴۴۔ (۲) النجم ۳-۴۔ (۳) ابن تیمیہ ج ۱، ص ۱۶۳، شافعی ج ۱، ص ۷۵۔ (۴) ابوداؤد، مشکوۃ ص ۲۹۔
(۵) النساء ۸۰۔ (۶) ابوداود، مشکوۃ ص ۲۹۔ (۷) روح ج ۵، ص ۷۰، احکام القرآن ج ۳، ص ۲۱۱۔

اور ایک موقع پر صاف صاف یوں فرمایا گیا ہے: "مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" (۱) (اور رسول تم کو جو دیں اسے لے لو اور جس سے روک دیں رک جایا کرو)۔ اس کے تحت آپ کے اقوال و افعال اور تقریرات و تائیدات سب داخل ہیں، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے، اس میں آپ کا یہ ارشاد بہت مشہور ہے:

> ''میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، تم جب تک ان دونوں کو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ایک اللہ کی کتاب، دوسری چیز اس کے رسول کی سنت۔'' (۲)

۴- بذریعہ سنت توضیح قرآن کی اصولی صورتیں:

(الف) قرآن کی کسی اصل یا کلیہ پر تفریع۔ جیسے آیت "لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" (۳) (ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ) کے تحت خرید و فروخت کی بہت سی صورتوں کی آپ کی زبان سے ممانعت۔

(ب) قرآن کے کسی کلیہ یا مجمل حکم تفصیل مثلاً نماز و زکوٰۃ وغیرہ کی تفصیلات پر مشتمل احادیث۔

(ج) قرآنی قواعد اور پیش آمدہ جزئی واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی قاعدہ کی وضع و تشکیل مثلاً ارشاد نبوی "لا ضرر ولا ضرار فی الإسلام" (۴) یعنی نہ خود سے پہل کر کے کسی کو نقصان پہنچانا اسلام میں درست ہے اور نہ دوسرے کی کسی حرکت پر جوابی اقدام میں نقصان پہنچانا جائز ہے) (۵)۔ جس کی حیثیت ایک اصل و قاعدہ کی ہے، اور یہ ان بہت سی آیات پر مبنی ہے، جن میں کسی صورت میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔ (۶)

---

(۱) الحشر/ ۷۔ (۲) مؤطا مالک، مشکوٰۃ ص/ ۳۱۔ (۳) النساء/ ۲۹۔ (۴) مؤطا مالک۔ (۵) الاشباہ والنظائر ص/ ۸۵، قواعد الفقہ ص/ ۳۵۸۔ (۶) المدخل ص/ ۳۳، السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ص/ ۳۸۶-۳۹۱۔

۵-ثبوت سنت کی صورتیں:

یعنی سنت نبویہ کو بیان کرنے وجاننے کے الفاظ وصورتیں جو حضرات صحابہ سے منقول ہیں:

(الف) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات کے سننے یا آپ کے کسی عمل کو دیکھنے یا راوی سے کسی بات کے بیان کرنے کے صریح الفاظ۔

(ب) وہ الفاظ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور نہ سننے دونوں کا احتمال ہو، البتہ قرائن سے تعیین ممکن ہو۔

(ج) صحابی کا کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کے کرنے کا حکم فرمایا یا اس سے منع فرمایا۔

(د) صحابی کا یوں کہنا ''ہم کو حکم دیا'' یا ''ہم کو منع کیا'' اس تصریح کے بغیر کہ کس نے حکم دیا، اس لیے کہ بظاہر یہ عمل آپ کا ہی ہوسکتا ہے۔

(ہ) صحابی کا کہنا ''من السنة كذا'' یعنی فلاں کام سنت ہے۔

(و) صحابی کا یہ فرمانا کہ ''ہم لوگ'' یا ''یہ لوگ'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ کام کیا کرتے تھے۔(۱)

۶-مقبولیت سنت کی بعض صورتیں:

(الف) ناقل صحابی ہو خواہ فقیہ ہو یا غیر فقیہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا۔

(ب) راوی غیر معروف ہو یعنی یہ کہ اس سے ایک ہی دو روایات منقول ہوں، مگر علماء نے اس کو معتبر قرار دیا ہو، یا کوئی مذمت نہ بیان کی ہو، یا اختلاف کے باوجود معتبر لوگ اس کی روایت کو نقل کرتے ہوں۔

(ج) راوی کا حال بالکل مخفی ہو کہ اچھے برے کا کچھ پتہ نہ چلتا ہو، علماء نے نہ تو توثیق کی ہو اور نہ نکیر۔

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۱۶۱-۱۶۲۔

۷- غیر مقبول ہونے کی چند صورتیں:

(الف) بچہ، مجنون، مغلوب العقل، اور جس شخص سے اکثر غفلت کی حرکتیں سرزد ہو جاتی ہوں، جس شخص پر علماء نے باعتبار کردار نکیر کی ہو، اور فاسق و کافر اور وہ شخص جو خلاف سنت کسی کام کی دعوت دینے والا یا اس کا موجد ہو، ان لوگوں کی نقل معتبر نہیں ہے۔

(ب) اگر ایک سنت کے ناقل سے ہی قولاً یا فعلاً اس کی مخالفت منقول ہو یا فقہاء و صحابہ و ائمہ فقہ و حدیث سے کسی ایسی حدیث کی مخالفت ثابت ہو کہ اسے باعتبار مضمون معروف اور عام طور سے معمول بہ ہونا چاہیے۔

یا کوئی شیخ اپنی جانب منسوب کسی روایت کا قطعی انکار کر دے تو روایت لائق عمل نہ رہ جائے گی، اول صورت میں نسخ پر دوم میں عدم ثبوت و عدم صحت پر اور سوم میں رجوع پر محمول ہوگی۔ (۱)

۸- اجزاء سنت باعتبار نقل:

دو ہیں: (الف) سند۔ (ب) متن۔

(الف) سند:

ناقلین کے ناموں والا حصہ، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو، جمع ''اَسناد'' آتی ہے، اور ناقل کے ذکر کے ساتھ سنت کے بیان کرنے کو ''اِسناد'' اور بیان کرنے والے کو ''مُسنِد'' کہتے ہیں اور ناقلین کے نام کے ذکر کے ساتھ بیان کی جانے والی حدیث کو ''مُسنَد'' کہتے ہیں، اور محدثین عموماً حدیث مرفوع متصل کو ''مسند'' کہتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) فواتح ج/۲، بحث السنۃ ص/۱۴۰-۱۸۰، توضیح ص/۴۶۸، حسامی و نظامی ص/۷۱-۷۷، نور ص/۱۷۸-۱۸۴۔ یہ مقبولیت سنت و مردودیت کی چند صورتیں ہیں، تفصیلات اصول حدیث کی کتابوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

(۲) مرفوع: وہ حدیث جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو۔ متصل: جس کی سند پوری مذکور ہو۔

(ب) متن:

جمع متون، اصل مضمون (۱) خواہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کا تذکرہ ہو یا تقریر کا۔

(ج) سنت کے ناقل کو ''راوی'' کہتے ہیں، جس کی جمع ''رُواۃ'' آتی ہے، جیسے کہ سنت منقولہ کو ''روایت'' اور ''مروی'' کہہ دیا کرتے ہیں۔

۹-اقسام سنت باعتبار سند:

سند کے اعتبار سے سنت کی دو اقسام ہیں: (الف) مسند۔ (ب) مرسل۔

(الف) مسند:

۱-تعریف:

وہ سند جس کے سلسلۂ ناقلین میں سے کوئی غیر مذکور نہ ہو (۲)، یعنی سلسلہ وار اس کے تمام ناقلین کا نام بوقت نقل ذکر کیا جائے۔

۲-اقسام:

تین ہیں: (الف) متواتر۔ (ب) مشہور۔ (ج) خبر واحد۔

(الف) متواتر:

۱-تعریف:

(لغوی) پے در پے اور یکے بعد دیگرے ہونے والی یا آنے والی شے۔

(اصطلاحی) ایسی حدیث کہ جس کے راوی سند کے ہر طبقے میں اتنے ہوں کہ عقل و عادت اس حدیث کو سچ ماننے پر مجبور ہوں یا یوں کہیے کہ عقل و عادت جھوٹ پر ان کے اتفاق کو محال قرار دیں۔ (۳)

---

(۱) تیسیر مصطلح الحدیث ص/ ۱۵۔ (۲) توضیح ص/ ۴۷۴۔ (۳) تیسیر ص/ ۱۸، اصول ص/ ۶۷۔ عام اصولیین نے تعریف میں جن قیود کا اضافہ کیا ہے مثلاً اختلاف اوطان اور عدالت وغیرہ، محققین کے نزدیک ان کا اعتبار نہیں ہے (عمدہ ص/ ۶۷، و دیگر کتب اصول)۔

۲-شرائط:

چار ہیں: (الف) کثرت سے رُواۃ یعنی راویوں کا زائد سے زائد تعداد میں ہونا جس کے متعلق اس پر اتفاق ہے کہ تین سے زائد ہوں اور کم از کم عدد کی بابت اختلاف ہے اور بہتر یہ سمجھا گیا ہے کہ جس تعداد پر اطمینان ہو جائے۔

(ب) یہ کثرت شروع طبقہ سے لے کر اخیر تک ہر طبقہ میں ہو، یعنی کسی طبقہ میں راوی تین سے کم نہ ہوں۔

(ج) رُواۃ کی تعداد و حالات کے پیش نظر عقل و عادت جھوٹ پر ان کے اتفاق کو محال قرار دیں۔

(د) روایت کا مضمون کوئی حسی چیز ہو، یعنی دیکھا و سنا جانے والا امر ہو، عقلی و قیاسی امر نہ ہو۔(۱)

۳-حکم:

آیات قرآنیہ کی مانند ثبوت میں قطعی، اس سے ثابت ہونے والا حکم قطعی و یقینی اور بدیہی یعنی ایسا کہ ہر ایک اس کو مانتا ہے اور انکار کفر اور اس کے ذریعہ آیات قرآنیہ کے مضامین پر اضافہ جائز ہے۔(۲)

۴-امثلہ:

(الف) "من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" (جو شخص میرے حق میں قصداً جھوٹ بولے، وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے)۔ اس کو ۷۰/ سے زیادہ صحابہ نے نقل کیا ہے۔

(ب) خفین پر مسح کی روایات ۷۰/ کے قریب صحابہ سے منقول ہے۔

(ج) حوض کوثر سے متعلق حدیث پچاس سے زائد صحابہ سے منقول ہے۔(۳)

---

(۱) نزہۃ النظر ص/۲۱۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۱۱۴، حسامی و نظامی ص/ ۶۸ - ۶۹، اصول ص/۴۷۔
(۳) تدریب ج/۲، ص/۱۷۷-۱۷۹۔

(ب) مشہور:

۱۔تعریف:

وہ سنت جس کے راوی عہد صحابہ میں تواتر کی حد کو نہ پہنچیں اور اس کے بعد حد تواتر تک پہنچ جائیں۔

۲۔حکم:

قوت وقطعیت میں ''متواتر'' سے کچھ ہی کم ہوتی ہے، اس لیے اس سے حاصل ہونے والا علم لائق اطمینان ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ قرآنی احکامات و مفہومات پر زیادتی جائز ہوتی ہے اور انکار گمراہی ہے۔(۱)

۳۔مثال:

مطلقہ ثلاثہ کے لیے زوج اول کے حق میں حلال ہونے کی بابت نکاح ثانی کے ساتھ جماع وصحبت کی قید کو بتانے والی حدیث مشہور ہے(۲)، اس لیے جماع کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور نکاح ثانی کا تذکرہ آیت "فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" (۳) (پھر اگر شوہر (تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اس پر حلال نہ ہوگی) میں ہے اور بہت سے حضرات آیت ہی سے جماع کے ثبوت پر بھی استدلال کرتے ہیں۔(۴)

(ج) خبر واحد:

۱۔تعریف:

وہ سنت جس کے ناقل ایک ہی دو یا چند ہوں مگر وہ مشہور کی حد کو نہ پہنچے۔

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۱۱۱-۱۱۲، حسامی و نظامی ص/۶۹-۷۰، اصول ص/۴۷۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۱۱۳۔
(۳) البقرہ/۲۳۰۔ (۴) روح المعانی ج/۲، ص/۱۴۱۔

☆ خواہ اس وجہ سے کہ اس کے ناقلین کی تعداد ہر زمانے میں کم رہی ہو یا حضرات صحابہ وتابعین کے عہد میں ان کی تعداد کم ہو اور بعد میں زیادہ، یا عہد صحابہ میں ان کی تعداد زیادہ ہو اور بعد میں کم ہو گئی ہو۔

۲-حکم:

چند شرائط کے ساتھ اعتبار واحتجاج کے لائق، گمان غالب کی موجب اور واجب العمل ہوتی ہے۔(۱)

۳-مثال:

زیادہ تر احادیث نبویہ اسی قسم کی ہیں۔

۴-خبر واحد پر عمل کے شرائط:

حدیث کی مقبولیت ومردودیت کے تحت جو امور مذکور ہیں، وہ دراصل ''خبر واحد'' کے لیے ہی شرائط کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر چہ ان کا لحاظ دوسری اقسام کے حق میں بھی کیا جاتا ہے۔

اصولی طور پر وہ آٹھ امور ہیں: چار راوی کے حق میں، اور چار روایت کے حق میں۔

(الف) راوی کے حق میں یہ کہ: ۱-مسلمان ہو۔۲- عاقل و بالغ ہو۔ ۳-عادل ہو۔۴-ضابط ہو۔ عادل سے مراد ہے کہ پرہیز گار بھی ہو اور وضعدار و باوقار بھی، اور ضابط سے یہ کہ اچھی طرح سنا ہو، پورے طور پر متکلم کی غرض کو سمجھا ہو، اور سننے کے بعد ذہن یا تحریر میں اس کی حفاظت کا پورا اہتمام کرتے ہوئے دوسروں تک پہنچایا ہو۔

(ب) روایت کے حق میں یہ کہ: ۱-قرآن کے مخالف نہ ہو۔۲-کسی حدیث

---

(۱) فواتح ج/۲،ص/۱۳۱-۱۳۲، توضیح ص/۲۶۴، حسامی ونظامی ص/۷۰-۷۱، ۷۶، نور ص/۱۷۷-۱۷۸، ۱۸۱، اصول ص/۷۴۔

متواتر و مشہور کے مخالف نہ ہو۔ ۳- کسی ایسے مسئلہ کی بابت نہ ہو جس سے عوام و خواص سب کو سابقہ پڑتا ہو اور حالات کا تقاضا یہ ہو کہ وہ سب کے علم میں ہو۔ ۴- صحابہ نے باہمی اختلافات میں اس سے استدلال کیا ہو۔ (۱)

۵- مسند کی اقسام مذکورہ اور حضرات صحابہ:

''مسند'' کی مذکورہ اقسام و احکام غیر صحابہ کے لیے ہیں، نیز ان صحابہ کے لیے جو موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود نہ رہے ہوں، اور جن حضرات نے خود کسی امر کو دیکھا یا سنا اور موقع پر موجود رہے، ان کے حق میں ہر حدیث ''دلیل قطعی'' کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے کہ جب وہ خود موقع پر موجود رہے تو ان کے نزدیک ثبوت کی بابت کوئی شبہ و تردد نہیں رہا، دوسروں تک بالواسطہ پہنچنے کی وجہ سے اطمینان کی ضرورت ہوتی ہے اور سمجھی جاتی رہی ہے۔ (۲)

۶- اقسام مذکورہ اور شریعت کے احکام:

(الف) متواتر اور مشہور سے ہر قسم کے احکام ثابت ہوتے ہیں، جیسا کہ ان کے احکام سے ظاہر ہے۔

(ب) ''خبر واحد'' چونکہ گمان غالب کا فائدہ دیتی ہیں، اس لیے ان سے ان بنیادی اصول و اعتقادات کا ثبوت نہیں ہوتا، جن پر ایمان و کفر کا مدار ہے، البتہ ان سے متعلق و تفاصیل کہ جن کے نہ ماننے پر بدعت اور مخالفت سنت کا حکم لگتا ہے، ان کا ثبوت ہوتا ہے جیسے کہ دیگر احکام کا ثبوت ہوتا ہے، حتی کہ شرعی سزاؤں کا ثبوت بھی مانا جاتا ہے۔ (۳)

(ب) مرسل: (یعنی سند کے اعتبار سے سنت کی قسم دوم)

---

(۱) فواتح ج/۲، بحث السنۃ مثلاً ص/۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۸، ۱۴۲-۱۴۳، توضیح ص ۴۷۳-۴۷۴، ۴۸۰، نور، ص/۱۸۰-۱۸۶، حسامی و نظامی ص/۷۰-۷۱۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۱۰۰، توضیح ص ۴۹۵۔ (۳) فواتح ج/۲، ص/۱۳۶-۱۳۷، توضیح ص/۴۶۶، ۴۶۸، ۴۸۲، نور ص/۱۸۶۔

۱-تعریف:

(الف) لغوی: چھوڑا ہوا۔

(ب) اصطلاحی: وہ سنت جس کے سلسلہ ناقلین میں سے بعض کو چھوڑ دیا گیا ہو(۱)، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو اور خواہ درمیان سے چھوڑا گیا ہو یا شروع و آخر سے۔

۲-اقسام:

(الف) مرسل صحابی۔ (ب) مرسل تابعی۔ (ج) مرسل تبع تابعی۔ (د) مرسل غیر۔

(الف) مرسل صحابی:

۱-تعریف:

وہ سنت جس کے ناقل صحابی نے اپنے استاذ صحابی کا نام ذکر نہ کیا ہو۔

۲-حکم:

یہ براہ راست سننے و مشاہدہ کرنے والے صحابی کی نقل کردہ سنت کے درجہ میں معتبر و لائق عمل ہوتی ہے۔

(ب) مرسل تابعی:

۱-تعریف:

وہ سنت جس کے ناقل تابعی نے اپنے استاذ صحابی کا ذکر نہ کیا ہو۔

---

(۱) توضیح ص/۴۷۴۔ محدثین کے نزدیک ''مرسل'' وہ حدیث کہلاتی ہے جس کی سند میں تابعی کے بعد کے راوی مذکور نہ ہوں، یعنی اس کو روایت کرنے والے صحابہ کا سند میں تذکرہ نہ ہو، جیسے کہ محدثین کے نزدیک ہر وہ حدیث جو حد تواتر کو نہ پہنچے ''خبر واحد'' کہلاتی ہے، پھر اگر اس کے راوی کسی طبقہ میں بھی تین سے کم نہ ہوں تو ''مشہور'' اصطلاحی اور اگر دو سے کم نہ ہو تو ''عزیز'' کہلاتی ہے اور اگر کسی ایک طبقہ میں بھی صرف ایک راوی ہو تو اسے ''غریب و فرد'' کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: نزہۃ النظر، تیسیر مصطلح الحدیث اور احقر کی کتاب علوم الحدیث)۔

(ج) مرسل تبع تابعی:

۱۔تعریف:

وہ سنت جس کو نقل کرنے والے تبع تابعی نے اپنے استاذ تابعی یا استاذ کے استاذ صحابی کا نام نہ لیا ہو۔

۲۔حکم:

ان دونوں اقسام کا یہ ہے کہ لائق عمل و معتبر ہوتی ہیں، حتی کہ بعض نے ''مسند'' سے اوپر قرار دیا ہے۔

(د) مرسل غیر:

۱۔تعریف:

وہ سنت کہ جس کے ناقلین میں سے تبع تابعی کے بعد کے کسی ناقل نے اوپر کے افراد کا ذکر نہ کیا ہو۔

۲۔حکم:

(الف) اگر ارسال کرنے والے (یعنی ایسا عمل کرنے والے) محدثین کے نزدیک اعلیٰ درجہ کے معتمد لوگ ہوں تو معتبر و لائق عمل ہے۔

(ب) اگر کم درجہ کے لوگ ہوں تو اختلاف ہے، کسی ذریعہ سے اعتماد حاصل ہو جائے تو بہر حال اعتبار و عمل ہوگا(۱)، اور اس کی حیثیت ''خبر واحد'' کی ہوگی۔

۱۰۔سنت فعلیہ:

سنت کی تعریف میں تین چیزوں کا ذکر آیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، اور خاموش تائیدات جن کو ''تقریر'' کہتے

---

(۱) حسامی و نظامی ص/ ٦٦-٦٧، نور ص/ ۱۸۴-۱۸۵، فواتح ج/ ۲، ص/ ۱۷۴-۱۷۵۔

ہیں، ''تقریر'' بیان کے حکم میں ہونے کی بناء پر ''اقوال'' کے ساتھ ملحق ہے اور سنت کا بڑا حصہ قولی ہے، رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال جن کے تحت اشارہ سے کسی بات کا بتانا بھی داخل ہے(۱)، دو قسم کے ہیں:

اول وہ افعال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھے، مثلاً چار عورتوں سے زائد سے نکاح کرنا، ایسے افعال کا اپنانا اور ان پر عمل کرنا جائز نہیں۔

دوم وہ افعال جن کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہونے کا علم نہیں، ان میں سے جس فعل کی حیثیت کا علم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وجوبی یا استحبابی طور پر یا اباحت کے طور پر ان پر عمل پیرا تھے یا اصول کی رو سے جس حیثیت کی تعیین ہوتی ہو ہم ان افعال کے حق میں اسی حیثیت کے پابند ہوں گے۔(۲)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن افعال کی حیثیت کا علم نہ ہو، ان کے حق میں اباحت کا حکم ہوگا۔(۳)

۱۱-تعداد روایات احکام:

تقریباً تین ہزار اور بعض حضرات نے پانچ لاکھ بتائی ہے۔(۴)

۱۲-حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی معاملہ کی بابت وحی کے نہ آنے پر اجتہاد کی رو سے جو کچھ فرمایا، یا کیا، وہ بھی ''سنت'' کے تحت داخل ہے، اور اسی کے حکم میں ہے، بشرطیکہ اس پر اللہ کی جانب سے نکیر نہ منقول ہو۔(۵)

---

(۱) ارشاد، ص/۴۲۔ (۲) حتی کہ اگر کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کا عزم ہو مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خدشہ کے تحت اس کو چھوڑ دیا ہو تو اسی عزم کے مطابق اس کا حکم ہوگا جیسے کہ تراویح کی نماز کہ عملاً باجماعت اس کی ادائیگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہی دن تک منقول ہے مگر ساتھ ہی فرضیت کے خدشے کے اظہار کے ساتھ ترک منقول ہے، اس لیے بالاتفاق سنت مؤکدہ ہے۔ (فتح القدیر ج ۱، ص ۴۰۷)۔ (۳) حسامی و نظامی ص/ ۹۱-۹۲، نور ص/ ۲۱۳-۲۱۴، فواتح ج/۲، ص/ ۱۸۰-۱۸۳، توضیح ص ۴۸۱۔ (۴) فواتح ج ۲، ص ۹۳ ۳، نور ص/ ۶، عمدہ ص/ د۔ (۵) حسامی ص/ ۹۲، نور ص/ ۲۱۴-۲۱۵، توضیح ص/ ۴۹۱۔

۱۳- گزشتہ شرائع:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی شریعتوں کے جو احکام کتاب وسنت میں منقول ہیں اور ان کے نسخ کا ذکر کتاب وسنت میں نہیں ہے وہ بھی انھیں دونوں کے حکم میں ہیں، جو چیز قرآن میں مذکور ہے وہ اس کے حکم میں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے وہ ''سنت'' کے حکم میں ہے۔(۱)

۱۴- تنبیہ:

''سنت'' سے متعلق مذکورہ ابحاث اسی کے ساتھ خاص ہیں، اور اس سے متعلق ابحاث کا دوسرا حصہ وہ ہے جو اصل اول کے تحت آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، یعنی اصل اول کے تحت آنے والے مباحث عموماً کتاب وسنت دونوں میں مشترک ہیں (۲) اور چند مباحث اصل اول کے ساتھ خاص ہیں، جیسے کہ اصل دوم یعنی سنت سے متعلق مذکورہ ابحاث سنت ہی کے ساتھ خاص ہیں۔

---

(۱) حسامی ص ۱۹۲، نور ص/۲۱۶، توضیح ص/۴۹۳، فواتح ج ۲، ص/۱۸۳-۱۸۵۔

(۲) اصول وعمدہ ص/۷۳-۷۴۔

سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

۱-تعریف:

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وافعال وتقریرات۔

جن کو اصطلاح میں ''اثر'' و ''آثار'' سے بھی تعبیر کرتے ہیں نیز تابعین کے اقوال وافعال کو بھی ''اثر'' کہتے ہیں اور صحابہ وتابعین سے منقول امور کے درمیان فرق کے لیے، سنت صحابہ کو ''حدیث موقوف'' اور تابعین سے منقول امور کو ''مقطوع'' کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ''حدیث مرفوع'' کہتے ہیں۔(۱)

۲-سنت صحابہ کی اہمیت وحجیت:

سنت صحابہ کی اہمیت وحجیت یعنی شرعی دلیل ہونا، ان کی اس عظمت وشرف سے ظاہر ہے جس سے اللہ نے ان کو نوازا تھا، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے جن کا تعلق خاص طور سے اسی موضوع سے ہے۔

حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مستفید ہونے اور نزول وحی کے زمانہ کو پانے کی وجہ سے شریعت کے احکام اور اللہ ورسول کی منشا ومراد سے سب سے زیادہ واقف اور اس کو سمجھنے والے تھے، اس لیے ان کے اقوال وافعال و تقریرات لائق اقتداء ہیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ صحابہ کے اختلاف کے باوجود جو آدمی ان کی کسی چیز کو اپنائے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔

اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ میرے تمام صحابہ بمنزلہ

---

(۱) ملاحظہ ہوں کتب اصول حدیث۔

ستاروں کے ہیں، ان میں سے جس کی راہ پر بھی چلو گے ہدایت پر ہی چلو گے، خاص طور سے چاروں خلفاء کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت وطریقہ کا اپنانا لازم ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ نے صحابہ کو اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی نشر واشاعت کے لیے انتخاب کیا تھا، لہٰذا ان کے فضل کو مانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ممکن ہو ان کے اخلاق وکردار کو اپناؤ، اس لیے کہ وہ صحیح راستہ پر تھے۔(۱)

انھیں وجوہ کی بنا پر ائمہ اربعہ اور تمام معتبر ومعتمد علماء وفقہاء اور ان کے اقوال وفتاویٰ کو حجت بنانے وماننے پر متفق ہیں۔(۲)

۳-احکام:

صحابہ کے اقوال وافعال کے اصولاً دو حصے ہیں:

(الف) جن میں عقل ورائے کا دخل نہ ہوسکتا ہو، یعنی یہ کہ عقل کی رو سے ان کو جاننا سمجھنا ممکن نہ ہو۔

(ب) جن میں عقل ورائے کا دخل ہوسکتا ہو، یعنی عقل ورائے سے ان کو جانا وسمجھا جاسکتا ہو۔

(الف) ان کے وہ اقوال وافعال جن میں عقل ورائے کا دخل ممکن نہیں، وہ ''سنت نبویہ'' کے حکم میں ہیں، بایں معنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ودیکھ کر ہی ان حضرات کا ان کو بیان کرنا وعمل میں لانا مانا جائے گا۔

(ب) وہ اقوال وافعال جن میں عقل کا دخل ممکن ہے، وہ قیاس کے ساتھ ملحق ہیں، مگر ان کے خصوصی احکام حسب ذیل ہیں:

۱-اگر ان کا ثبوت سب کے اتفاق کے ساتھ ہو، خواہ یوں ہو کہ باہمی مشورہ سے بالاتفاق سب نے ان کو طے کیا ہو یا مجمع کے سامنے کسی نے کہا یا کیا ہو اور کسی نے

---

(۱) مشکوٰۃ ص/۳۰، ۳۲، ۵۵۴۔(۲) المدخل ص/۲۷۶-۲۷۸، تاریخ المذاہب الاسلامیہ ج/۲، ص/۷۵۔

انکار نہ کیا ہو، تو ان کے لیے ''اجماع'' کا حکم ہے، جیسے نماز تراویح، اذان جمعہ۔

۲- جن مسائل کے حق میں سب کا اتفاق منقول نہیں مگر کسی کا انکار بھی منقول نہ ہو تو وہ بھی حجت ہیں۔

۳- جو مسائل باہمی اختلاف کے ساتھ منقول ہیں، وہ ان میں سے ایک دوسرے کے لیے تو حجت نہیں مگر بعد والوں کے لیے سب کو چھوڑ کر کسی رائے کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے، دل کے رجحان کے مطابق کسی ایک پر عمل کریں گے یا دونوں کو اپنائیں گے۔

۴- جو مسائل دو ہی ایک صحابہ سے منقول ہیں، وہ بھی حجت ہیں، بشرطیکہ ان کا تعلق ایسے امور سے نہ ہو جو عام طور سے پیش آنے والے ہوں۔ (۱)

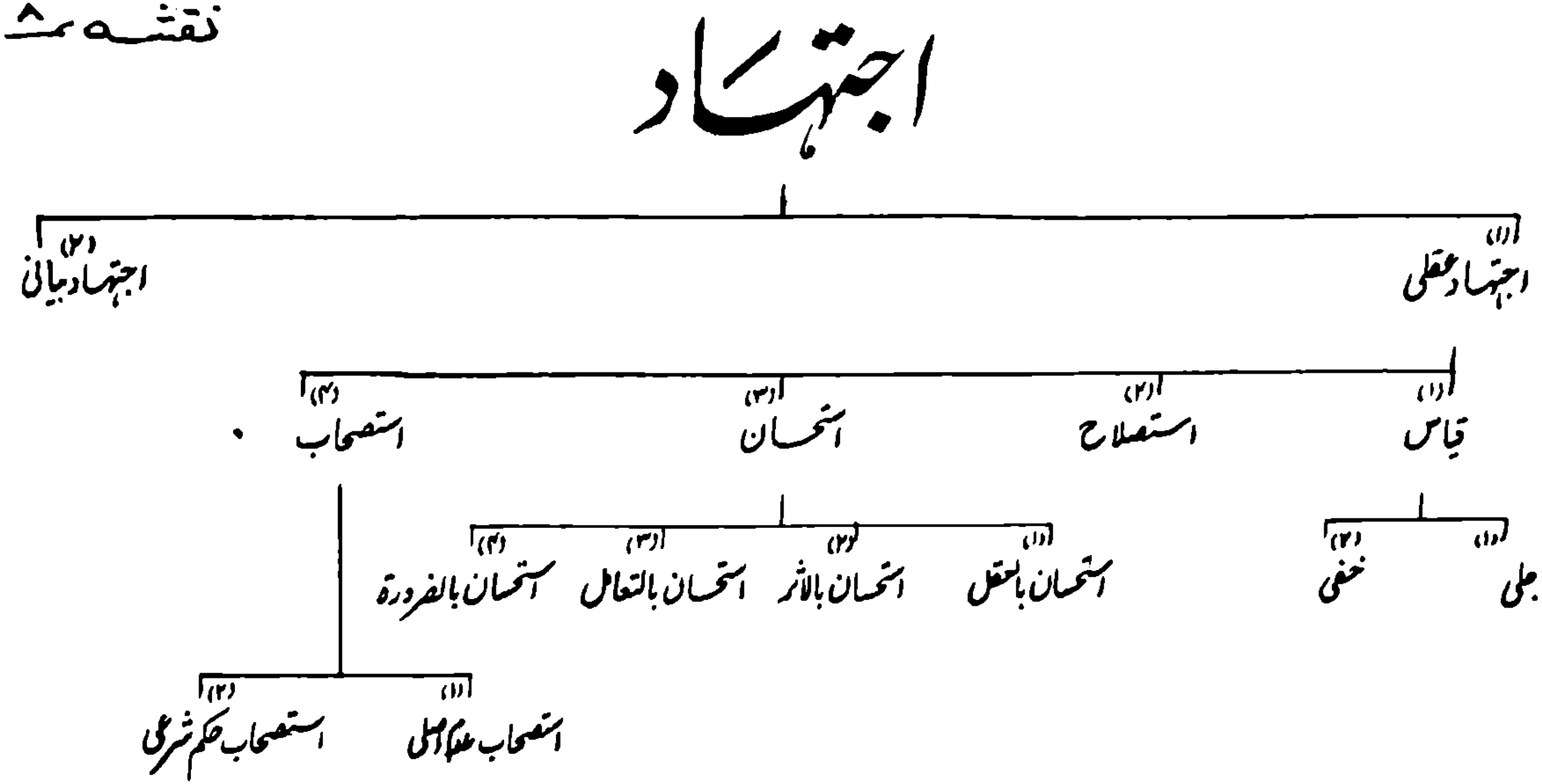
۴- اقوال وافعال تابعین:

(الف) تابعین کے وہ اقوال وافعال جن میں عقل کا دخل ممکن نہ ہو، وہ بھی ''سنت نبویہ'' کے حکم میں ہیں۔ (۲)

(ب) جن اقوال وافعال میں عقل ورائے کا دخل ہو سکتا ہے، ان کے سلسلہ میں ان تابعین کے اقوال وافعال حجت ہیں، جنھوں نے عہد صحابہ میں افتاء کا کام کیا ہو، اور اس کام میں صحابہ کے نزدیک معتمد رہے ہوں، حتی کہ فقہی آراء میں انھوں نے صحابہ سے اگر اختلاف بھی کیا ہو تو صحابہ نے اس اختلاف کو بھی گوارا کیا ہو، بلکہ ان کی رائے کی طرف رجوع کر لیا ہو، جیسے خلفاء راشدین کے عہد میں مشہور قاضی شریح اور حضرت مسروق وغیرہ۔ (۳)

(۱) فواتح ج ۲، ص/ ۱۸۶- ۱۸۷، حسامی ونظامی ص/ ۹۳، نور ص/ ۲۱۸- ۲۱۹، توضیح ص ۲۹۳- ۲۹۴، اصول شاشی ص ۱۰۵۔ (۲) فواتح ج ۲، ص/ ۱۸۸۔ (۳) توضیح ص ۲۹۴، حسامی ونظامی ص ۹۴۔ یہ فخر الاسلام بزدوی و صاحب المنار وغیرہ کا قول ہے، اور امام صاحب سے نوادر کی روایات میں منقول ہے، اور شمس الائمہ سرخسی وغیرہ ظاہر روایت کی بنا پر ان کی تقلید کو لازم نہیں قرار دیتے۔ (فواتح ج ۲، ص/ ۱۸۸)۔

نقشه ۸



ضمیمه ص ۲۲۱

اصل سوم

اجماع

۱-تعریف:

(الف) لغوی: پختہ ارادہ کرنا، کسی چیز پر متفق ہونا۔(۱)

(ب) اصطلاحی: کسی زمانہ کے تمام معتمد علماء مجتہدین کا کسی امر پر اتفاق ہونا۔(۲)

۲-حقیقت اجماع:

''اجماع'' اصل میں محض رائے ہے، جیسے کہ ''قیاس'' رائے ہے، البتہ اجماع وقیاس کے درمیان فرق یہ ہے کہ قیاس کے تحت جو رائے ہوتی ہے، وہ انفرادی یا زیادہ سے زیادہ چند افراد کی ہوتی ہے، اور ''اجماع'' ایک زمانہ کے تمام مجتہدین کی متفقہ رائے کا نام ہے، اسی اجتماعیت کی وجہ سے اس کو قیاس پر فوقیت حاصل ہے۔(۳)

۳-اہمیت:

اس کی اہمیت اوپر ذکر کردہ حقیقت سے ظاہر ہے کہ ''اجماع'' امت کے منتخب اہل علم کے اتفاقی فیصلہ کا نام ہے، اس لیے اس میں خطا کا احتمال نہیں رہ جاتا، ارشاد نبوی ہے: ''میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔'' اور ''اللہ میری امت کو کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔'' بلکہ اتفاق و اجتماعیت کی وجہ سے اللہ کی نصرت و

(۱) نظامی ص/۹۴، فواتح ج/۲، ص/۲۱۱۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۲۱۱، توضیح ص/۵۲۲، نظامی ص/۹۴، نور ص/۲۱۹۔
(۳) فواتح ج/۲، ص/۲۴۶، نور ص/۷، المدخل ص/۳۳۴۔

تائید آتی ہے، ارشاد ہے: ''جماعت پر اللہ کا ہاتھ یعنی اس کی نصرت ہوتی ہے۔'' اور جماعت سے علاحدگی کو اسلام سے بےتعلقی اور آخرت کے اعتبار سے تباہی و بربادی قرار دیا گیا ہے۔(۱)

۴- حجیت:

یعنی شرعاً حجت و دلیل ہونا۔ قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے، متعدد آیات و روایات میں اس کا ذکر و اشارہ موجود ہے، یہاں اس سلسلہ کی مشہور آیت اور ایک نہایت واضح حدیث ذکر کی جا رہی ہے، ارشاد خداوندی ہے: ''وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ'' (۲) (اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے، بعد اس کے کہ امر حق اس کے لیے ظاہر ہو گیا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے پر ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے، کرنے دیں گے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے)۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں ''مسلمانوں کے راستے'' سے ''اجماع'' ہی مراد ہے۔(۳)

اور حدیث حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر کوئی امر ایسا در پیش ہو کہ قرآن میں اور آپ کی سنت میں اس کی بابت ہم کو کوئی حکم نہ مل سکے تو ہم کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے اہل علم مؤمنین کو جمع کرو اور پھر آپس کے مشورے سے طے کرو، محض کسی ایک کی رائے سے حل نہ کرو۔(۴)

اجماع کی بابت مزید روایات اتنی ہیں کہ علماء نے ان کی بابت تواتر کی

---

(۱) مشکوٰۃ ص/۳۰-۳۱۔ (۲) النساء/۱۱۵، اس کے علاوہ متعدد آیات علماء اصول نے ذکر کی ہیں۔ (۳) ابن کثیر ج/۱، ص/۵۵۵، احکام القرآن ج/۲، ص/۲۸۱۔ (۴) طبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد باب فی الاجماع۔

تصریح کی ہے۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ عہد صحابہ میں جبکہ کم از کم اکابر اہل علم صحابہ مدینہ میں ہی تھے، اس اصل سے بہت کام لیا گیا، بلکہ حضرات خلفاء راشدین اور بالخصوص حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا عام معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہ ملتا تو صحابہ کو جمع کر کے اس کو حل کرتے۔(۲)

۵-ضرورت:

کتاب وسنت میں سارے پیش آمدہ مسائل مذکور نہیں ہیں اور جب ان کے ظاہری الفاظ میں کسی مسئلہ کا حکم موجود نہ ہو تو کتاب وسنت میں مذکور احکام میں غور وفکر کے ذریعہ اس مسئلہ کا حکم نکالا جاتا ہے، اجماع اسی غور وفکر کی اجتماعی واتفاقی صورت ہے، اسی لیے اُسے ''قیاس'' پر فوقیت حاصل ہے۔(۳)

۶-وقت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا زمانہ، اس لیے کہ آپ کی حیات میں اس قسم کے کسی عمل کی نہ ضرورت تھی نہ اس کا موقع آیا۔(۴)

۷-مواقع:

اجماع کا محل اصلاً شریعت کے فروعی یعنی عملی احکام ہیں، نیز ان اعتقادیات کا بھی اس سے ثبوت ہوتا ہے، جو ایمان وکفر کا مدار نہیں، البتہ سنت و بدعت کا مدار ضرور ہیں، جیسے تمام صحابہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اتفاق کہ اس کے خلاف رائے بدعت ہے۔(۵)

---

(۱) التقریر والتحبیر ج/۳، ص/۸۵، ابن کثیر ج/۱، ص/۵۵۵۔ (۲) المدخل ص/۸۶-۸۷۔ (۳) المدخل ص/۵۰، ۳۳۴، علم اصول الفقہ ص/۴۵، فواتح ج/۲، ص/۳، ۲۳۶، نور ص/۷۔ (۴) نور ص/۲۲۲، اصول الخلاف ص/۴۵۔ (۵) فواتح ج/۲، ص/۲۳۳، توضیح ص/۵۳۸۔

۸-رکن:

اتفاق۔ خواہ سب بالاتفاق اختیار کریں یا بعض کے اختیار کرنے پر باقی حضرات علم ہونے کے بعد غور وفکر کا موقع ملنے کے باوجود انکار نہ کریں۔(۱)

۹-شرط:

وقت کے مجتہدین کا اتفاق۔(۲)

۱۰-اہل:

دین وعلم کی رو سے معتمد علماء مجتہدین، البتہ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو کہ اس میں محض اہل علم کی رائے ضروری نہ ہو تو غیر عالم بھی شامل ہو سکتا ہے، اور ہوگا جیسے قرآن مجید کی نقل پر اتفاق۔(۳)

۱۱-سند:

یعنی وہ امور جن پر اجماع کی بنیاد ہونی چاہیے، ورنہ اجماع معتبر نہیں ہوتا، اس لیے کہ اجماع اور قیاس دونوں خود مستقل کوئی دلیل نہیں ہیں، اجماع کی سند تین امور ہوتے ہیں: ۱-کتاب۔ ۲-سنت۔ اور ۳-قیاس جو ان دونوں میں سے کسی ایک سے حاصل کردہ ہو۔(۴)

۱۲-تقسیمات:

اجماع میں تین تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) باعتبار صورت اتفاق۔ (ب) باعتبار اہل اجماع و حال اجماع۔
(ج) باعتبار نقل اور مراتب و احکام اجماع۔

---

(۱) توضیح ص/۵۳۳د، نظامی ص/۹۳۔ پہلی صورت میں اتفاق عزیمت اور دوسری میں رخصت کہلاتا ہے۔
(۲) نظامی ص/۹۳، نور ص/۲۱۹-۲۲۱۔ (۳) نظامی و حاشیہ ص/۹۴-۹۵، نور ص/۲۱۹-۲۲۰، توضیح ص/۵۱۳۔
(۴) فواتح ج/۲، ص/۲۳۸-۲۳۹، نظامی ص/۹۳، توضیح ص/۵۳۴، نور ص/۲۲۲۔

(الف) اجماع کی تقسیم اول۔صورت اتفاق کے اعتبار سے:

اس رو سے اجماع کی دو اقسام ہیں: ۱۔صریح۔۲۔سکوتی۔

۱۔صریح:

بالاتفاق سب کا کسی قول یا فعل کو اختیار کرنا۔

۲۔سکوتی:

(الف) تعریف:

اختیار نہ کرنے والوں کی جانب سے انکار کا نہ ہونا بلکہ سکوت و خاموشی کو اپنانا۔

☆خیال رہے کہ ان میں سے ہر ایک کا تعلق قول و فعل دونوں سے ہوسکتا ہے۔(۱)

(ب) سکوتی کی صورتیں:

دو ہیں: ۱۔سکوت کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا ہو کہ جس سے یہ سمجھا جائے کہ یہ سکوت محض موافقت کے لیے ہے، جیسے ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کے ساتھ جہاد پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی صحابہ کا سکوت، کہ حسب تجویز و حکم یہ حضرات ان لوگوں سے جہاد کے لیے گئے، اگرچہ زبان سے سب نے بالاتفاق یہ بات نہیں کہی، یہ صورت ''اجماع صریح'' کے درجہ میں ہے۔

۲۔سکوت کے ساتھ مذکورہ قرینہ موجود نہ ہو۔(۲)

---

(۱) اسی لیے ہر ایک کی دو دو اقسام ذکر کی جاتی ہیں: اجماع صریح قولی جو بالاتفاق سب کے بیان سے ثابت ہو۔ اجماع صریح عملی جو بالاتفاق سب کے عمل سے ثابت ہو۔ اجماع سکوتی قولی وہ جو بعض کے بیان اور بعض کے علم کے باوجود سکوت کے ساتھ ہو۔ اجماع سکوتی عملی جو بعض کے عمل اور بعض کے علم و مشاہدہ پر سکوت کے ساتھ ہو۔ (المدخل ۵۱، ۳۴۱، کشف ج/۳، ص/ ۳۲۶-۳۲۸۔(۲) فواتح ج/۲، ص/۲۴۴۔

(ج) سکوتی کے ثبوت واعتبار کی شروط:

چار ہیں:

۱- سکوت کرنے والوں میں سے کسی کی جانب سے موافقت یا مخالفت کسی پہلو میں کوئی چیز منقول نہ ہو، نہ صراحتاً اور نہ اشارۃً ودلالۃً۔

۲- علم ومشاہدہ کے بعد غور وفکر و بحث کے لیے مناسب وکافی موقع ملنے کے باوجود سکوت پایا جائے۔

۳- مسئلہ مجتہد فیہ یعنی اجتہاد کی گنجائش رکھنے والا ہو۔

۴- سکوت کرنے والے علماء مجتہدین ہوں۔(۱)

(ب) تقسیم دوم باعتبار اہل اجماع وحال اجماع:

اہل اجماع اور اجماع کے حال کے اعتبار سے اجماع کی دو اقسام ہیں:

۱- اجماع صحابہ۔ ۲- اجماع علماء مابعد۔

۱- اجماع صحابہ:

اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) صحابہ کا اجماع صریح۔ (ب) صحابہ کا اجماع سکوتی۔

اور اجماع سکوتی کے تحت وہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں جو ''سکوتی'' کے تحت ذکر کی گئی ہیں، یعنی سکوت مع قرینہ اور سکوت بغیر قرینہ۔

۲- اجماع علماء مابعد:

یعنی صحابہ کے بعد کے علماء کا اجماع۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

(الف) بعد کے علماء کا کسی ایسے مسئلہ پر اتفاق جس کی بابت صحابہ کے درمیان کوئی اختلاف منقول نہ ہو۔

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۲۳۲، مذکرہ ص/۹۷۔

(ب) بعد کے علماء کا صحابہ کے درمیان مختلف فیہ کسی مسئلہ کی بابت کسی ایک رائے پر اتفاق۔(۱)

(ج) تقسیم سوم باعتبار نقل اور مراتب واحکام اجماع:

نقل کے اعتبار سے اجماع کی تین اقسام ہیں:

۱-متواتر۔ ۲-مشہور۔ ۳-آحادی۔

۱-اجماع متواتر:

(الف) تعریف:

وہ اجماع جو عہد صحابہ سے کسی اختلاف کے بغیر تواتر کے ساتھ منقول چلا آرہا ہو۔

(ب) مصداق:

صحابہ کا اجماع صریح، اور ان کا اجماع سکوتی، جس کے ساتھ موافقت کا قرینہ موجود ہو۔

(ج) امثلہ:

اجماع صریح کی مثال صحابہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق ہے اور سکوتی مع قرینہ جیسے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد پر سکوت۔

(د) حکم:

بمنزلہ نص قرآنی اور حدیث متواتر کے دلیل قطعی ہے، اس کا یقین اور اس پر عمل دونوں ضروری ہیں، انکار کفر ہے۔

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۲۴۴-۲۴۵، توضیح ص/۵۳۴، حسامی ص/۹۵-۹۶، نور ص/۲۲۲-۲۲۳۔

۲-اجماع مشہور:

(الف)تعریف:

وہ اجماع جو قرن اول کے بعد کا ہو، اور تواتر کے ساتھ منقول ہو۔

(ب)مصداق:

قرن اول یعنی عہد صحابہ کے بعد کے علماء کا کسی ایسے مسئلہ پر اتفاق جس کی بابت قرن اول میں کوئی اختلاف منقول نہ ہو۔

(د)حکم:

بمنزلہ حدیث مشہور، قطعی اور اس پر اطمینان وعمل ضروری ہے۔

۳-اجماع آحادی:

(الف)تعریف:

وہ اجماع جو بذریعہ اخبار آحاد منقول ہو، یعنی کسی عہد وزمانے میں تواتر کے ساتھ اس کی نقل نہ ہو۔

(ب)مصداق:

۱-وہ اجماع جو خبر واحد کے طور پر منقول ہو۔
۲-قرن اول کے کسی مختلف فیہ مسئلہ کی بابت بعد کا اجماع۔
۳-صحابہ کا وہ اجماع سکوتی جو قرینہ سے خالی ہو۔

(ج)امثلہ:

۱-ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنتوں کے لیے صحابہ کا بالاتفاق اہتمام و پابندی۔

۲-ام ولد یعنی وہ باندی جس کے پیٹ سے اس کے آقا کے نطفہ سے بچہ پیدا ہو، عہد صحابہ میں اس کے بیچنے کے حق میں اختلاف تھا، بعد میں عدم جواز پر اتفاق ہو گیا۔

(د) حکم: (☆)

بمنزلہ صحیح و معتبر خبر واحد، گمان غالب کے ساتھ عمل ضروری ہے۔ (۱)

☆ اقسام مذکورہ کے احکام سے اجماع کے مراتب ظاہر ہیں، اور یہ بھی کہ وہ کم از کم "صحیح خبر واحد" کے درجہ میں ہوتا ہے، اس لیے کسی حال میں قیاس کو اس پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ (۲)

(☆) ضابطہ تکفیر بوجہ انکار بر حکم شرعی: کسی حکم شرعی کے انکار پر کفر کے سلسلہ میں علامہ شامی بطور ضابطہ تحریر فرماتے ہیں: اگر حکم پر مشتمل آیت یا خبر متواتر قطعی الدلالہ (یعنی متعین المراد) نہ ہو یا متعین المراد ہو، مگر کسی وجہ سے مشتبہ ہو یا ساری امت کے اجماع سے نہ ثابت ہو یا یہ کہ سب کا اجماع ہو مگر صحابہ کا نہ ہو یا ان میں سب کا نہ ہو یا ان میں بھی سب کا ہو مگر تواتر کے ساتھ منقول نہ ہو یا تواتر کے ساتھ منقول ہو مگر سکوتی ہو تو انکار پر کفر کا حکم نہیں لگے گا (شامی ج/۳، ص/۲۸۴) اور اس سلسلہ میں مزید یہ بھی قید ہے کہ اگر ثبوت قطعی ہو اور انکار کرنے والا عام آدمی ہو جسے علم نہ ہو تو بھی انکار کفر نہیں البتہ صاحب علم اگر ایسی کسی چیز کا انکار کرے یا عوام و خواص میں سے کوئی ایسے حکم کا انکار کرے جسے "ضروریات دین" کے عنوان کے تحت شامل کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دین کے لازمی احکام میں سے ہونا معروف و مشہور ہو تو اس کا انکار بھی کفر ہے۔ (جواہر الفقہ ج/۱، ص/۲۷-۲۸)۔

(۱) فواتح ج/۲، ص/۲۴۲-۲۴۶، نور ص/۲۲۲-۲۲۳، حسامی ص/۹۵-۹۶۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۲۴۶۔

اصل چہارم
اجتہاد عقلی

۱-تعریف:

جس صورت حال کا کتاب وسنت اور اجماعیات میں حکم منقول نہ ہو، شریعت کے متعین کردہ اصول وضوابط کی مدد سے غور وفکر کر کے اس کے حکم کو بیان کرنا۔(۱)

۲-اقسام:

معروف ومعتمد چار ہیں:

(الف) قیاس۔(ب) استحسان۔(ج) استصلاح۔(د) استصحاب۔(۲)

ان میں سے اہم ترین ومفید ترین اور امت کے بہت تھوڑے افراد کو چھوڑ کر ساری امت کے نزدیک متفق علیہ ومعتمد قسم ''قیاس'' ہے، جس سے ہر عہد میں سب سے زیادہ کام لیا گیا ہے، حتی کہ یہ قسم اتنی معروف ورائج رہی ہے کہ ''اصل چہارم'' کی حیثیت وعنوان سے عموماً اسی کو ذکر کیا جاتا رہا ہے، اور یہ اقسام دراصل ''اجتہاد عقلی'' سے کام لینے کے وسائل وذرائع ہیں۔

۳-تعبیر دیگر:

''اجتہاد عقلی'' کو ہی ''اجتہار بالرائے'' اور صرف ''رائے وقیاس'' بھی کہہ دیا کرتے ہیں، اگرچہ جیسا کہ ذکر کیا گیا ''قیاس'' اس کی ایک ذیلی مگر کشادہ دامن قسم ہے۔(۳)

---

(۱) المصادر ص/ ۸۱۷-۸۱۹۔(۲) المصادر ص/ ۱۵۵۔(۳) المدخل ص/ ۵۳-۵۴، ۳۳۶۔

باب اول

قیاس

۱-تعریف:

(الف) لغوی: ناپنا، پیمائش کرنا، اندازہ لگانا، برابر کرنا۔(۱)

(ب) اصطلاحی: علت کے اشتراک واتحاد کی بناء پر غیر منصوص کے لیے منصوص کا حکم بیان کرنا۔(۲)

حقیقت:

قیاس کی حقیقت یہ نہیں کہ محض اپنی فکر ورائے سے کوئی حکم بیان کر دیا جائے بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس درپیش صورت حال کا حکم منصوص نہ ہو، یعنی کتاب و سنت اور اقوال صحابہ واجماعیات میں منقول نہ ہو تو کسی منصوص صورت حال کو مناسبت کی بنا پر اس کے حکم کے لیے مدار و بنیاد قرار دیا جائے (۳) اور مناسبت سے مراد یہ ہے کہ حکم منصوص کی کوئی ایسی علت ہو جو غیر منصوص صورت حال میں بھی موجود ہو، اور قیاس کی صحت کے تمام شرائط موجود ہوں۔

۳- حجیت:

اس کی حقیقت سے ظاہر ہے کہ یہ بھی کتاب وسنت پر ہی عمل کی ایک صورت ہے، مزید یہ کہ اس کی حجیت کے مستقل نقلی وعقلی دلائل موجود ہیں۔

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۲۴۶، المصادر ص/۱۹،۔ (۲) نظامی ص/۹۷، توضیح ص/۵۳۵، المدخل ص/۲۸۸۔
(۳) المدخل ص/۱۵۵، ۲۸۷۔

(الف) ارشادِ ربانی ہے: "فَاعْتَبِرُوْا يَآ أُولِي الْأَبْصَارِ" (۱) (اے دانشمندو! عبرت حاصل کرو)۔ اور عبرت کی حقیقت ہے: کسی شے کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا، اور قیاس یہی ہوتا ہے۔

نیز ارشاد ہے: "فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" (۲) (پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کی طرف حوالہ کیا کرو)۔

(ب) حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں جس اجتہاد کا ذکر ہے، اس سے یہی قیاس ہی مراد ہے۔

(ج) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عملاً منقول ہے۔

(د) اور صحابہ کے اقوال وافعال تو اس کے حق میں تواتر کی حد کو پہنچے ہوئے ہیں، یہ نقلی دلائل ہیں اور.....

(ہ) عقلاً یہ کہ ساری دنیا کے نزدیک قیاس ایک معتبر ومعتمد ذریعہ علم ہے، اسی لیے شریعت میں بھی اس کا اعتبار ضروری ہے کہ شریعت ایسے فطری امور کی مخالفت نہیں کیا کرتی، البتہ اس کے اصول وضوابط ضرور متعین کرتی ہے اور یہ قیاس کے حق میں بھی کیا ہے۔ (۳)

اور جیسے جس قیاس کی علت منصوص ہو یعنی خود شارع سے منقول ہو یا اجماعی ہو وہ حجت ہے، اسی طرح جس کی علت مستنبط ہو، جیسا کہ علت کے بیان میں آپ کی علت کی دو اقسام پڑھیں گے، عام علماء اس کو بھی حجت مانتے ہیں۔ (۴)

۴- ارکان قیاس: چار ہیں:

(الف) مقیس علیہ۔ (ب) مقیس۔ (ج) علت جامعہ۔ (د) حکم جامع۔

---

(۱) الحشر/۲۔ (۲) النساء/۵۹۔ (۳) فواتح ج/۲، ص/۳۱۲-۳۱۴، المصادر ص/۳۱-۳۵، اصول الخلاف ۵۴-۵۸۔
(۴) المدخل ص/۲۸۸، المصادر ص/۸۔

(الف) مقیس علیہ:

وہ صورت جس کا حکم منصوص یعنی کتاب وسنت یا اجماعیات میں منقول ہو، جس کو "اصل" بھی کہتے ہیں۔

(ب) مقیس:

وہ صورت جس کا حکم منصوص نہ ہو، اس کو فرع بھی کہتے ہیں۔

(ج) علت جامعہ:

وہ وصف جو مقیس علیہ کے حکم کی بنیاد ہو اور مقیس میں بھی موجود ہو۔

(د) حکم جامع:

وہ حکم جو علت جامعہ کی وجہ سے مقیس علیہ کے لیے ثابت ہو، اور مقیس کے لیے ثابت کیا جائے۔(۱)

۵- شرائط قیاس:

چاروں ارکان میں سے ہر ایک کے لیے مستقل شرائط ہیں:

(الف) برائے مقیس علیہ:

۱- ثبوت مقیس پر مقدم ہو۔ ۲- ثبوت سمعی و شرعی ہو، یعنی کسی شرعی دلیل (کتاب وسنت واجماع) سے ثابت ہو اور سن کر۔ ۳- اصل ہی ہو، فرع نہ ہو، یعنی مقیس علیہ ہی ہو، خود مقیس نہ ہو، اور اگر "مقیس" ہو تو علت وہی ہو جس کا اعتبار اس کو مقیس بنانے میں کیا گیا ہو۔ ۴- خلاف قیاس نہ ہو۔ ۵- اس کا حکم فرع کو شامل نہ ہو، یعنی بصورت کلیات نہ ہو۔

(ب) برائے مقیس:

۱- مقیس علیہ کی علت پورے طور پر اس میں پائی جاتی ہو۔

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/ ۲۴۸-۲۴۹، المصادر ص/ ۲۵۔

۲-اس کا ثبوت مقیس علیہ سے مقدم نہ ہو۔

۳-اثبات یا نفی کسی صورت میں پہلے سے کوئی حکم ثابت نہ ہو۔(۱)

(ج) برائے حکم:

۱-علت مدرک بالعقل ہو، یعنی عقلاً سمجھ میں آتی ہو۔

۲-مرکب نہ ہو، کہ دو مجتہدین نے کسی حکم کی دو الگ الگ علتیں تجویز کی ہوں اور ان کو ایک قرار دے کر مدار قیاس بنایا جائے۔

۳-مقیس علیہ اور مقیس دونوں میں اس کا وجود بالاتفاق ہو۔

۴-علت ہونے کی صلاحیت یعنی علت کے خواص موجود ہوں جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

(د) برائے حکم:

۱-شرعی ہو۔ ۲-اصل کے ساتھ خاص نہ ہو۔ ۳-غیر منسوخ نہ ہو۔ ۴-مقیس علیہ ومقیس دونوں میں یکساں حال میں پایا جائے یعنی مقیس علیہ کی نسبت سے مقیس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ ہو۔(۲)

۶-مواقع:

فروعی یعنی عملی احکام ہیں۔ اصولی یعنی کلامی مسائل نہیں، نیز فروعات میں بھی حدود و کفارات یعنی وہ شرعی سزائیں جن کی تعداد و شکل متعین ہو اور احکام وضعیہ یعنی اسباب اور علل و شروط کے متعلق اختلاف ہے۔(۳)

---

(۱) اگر دونوں کی علت ایک نہ ہو تو قیاس کو قیاس مع الفارق کہتے ہیں جیسے تیسری شرط مفقود ہو تو قیاس کہا جاتا ہے تو اس کو قیاس فاسد الاعتبار کہتے ہیں (مذکورہ بحث قیاس)۔ (۲) فواتح ج ۲، ص ۲۵۱-۲۶۰ وما بعد، توضیح ص ۵۳۳، نامی الفقہ ص ۹۰-۹۱، نور ص ۲۲۹۔ یہ تمام [illegible] مذکورہ اولہ بحث کی ترتیب بالا سے مطابق نہیں ہیں [illegible] مذکورہ کتب میں موجود ہیں ان شرائط سے [illegible] سے متعلق [illegible] کو دخل ہے۔ (۳) فواتح ج ۲، ص ۳۱۰-۳۱۹۔

۷-حکم:

مقیس کو مقیس علیہ کا حکم دینا صحت کے گمان غالب اور خطا کے احتمال کے ساتھ اس لیے کہ حق ایک ہے اور دلیل ظنی ہے، لہٰذا قطعیت کے ساتھ صحت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔(۱)

۸-مثال:

نشہ آور کسی شے کا شراب پر قیاس کرتے ہوئے نشہ میں اتحاد کی وجہ سے حرام ہونا۔

اس مثال میں شراب مقیس علیہ، دوسری نشہ آور شے مقیس، نشہ علت جامعہ اور حرمت حکم جامع ہے۔(۲)

۹-قیاس و دلالۃ النص:

ان کے درمیان فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ''قیاس'' کی بنیاد عقل و فکر ہے اور ''دلالۃ النص'' کی بنیاد لغت۔ اسی لیے قیاس کا اہل مجتہد ہوتا ہے، اور دلالۃ النص کا علم ہر صاحب لغت کو ہوتا ہے، اور قیاس ظنی چیز ہے، اور دلالۃ النص قطعی، قیاس عمومی طور پر مختلف فیہ امر ہے اور دلالۃ النص کا اعتبار متفق علیہ ہے۔(۳)

۱۰-اقسام:

دو ہیں: (الف) قیاس جلی۔ (ب) قیاس خفی۔

(الف) قیاس جلی:

وہ قیاس جس کی طرف ذہن فکر کے اول وہلہ میں منتقل ہو۔

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۲۴۹، ۳۸۰، حسامی ص/۱۰۷۔ (۲) اصول الخلاف ص/۶۰، فواتح ج ۲، ص ۲۴۸۔
(۳) المصادر ص/۲۷-۲۸۔ نیز کتاب میں دلالۃ النص کی بحث ملاحظہ ہو۔

(ب) قیاس خفی:

وہ قیاس جس کی طرف ذہن جلدی منتقل نہ ہو۔

اول کو ''قیاس'' کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں اور دوم کو ''استحسان'' کے عنوان سے، اگرچہ قیاس خفی عین استحسان اصطلاحی نہیں بلکہ اس کی ایک قسم ہے، اور اس کی اقسام میں زیادہ استعمال ہونے والی۔ استحسان اصطلاحی کا حقیقی مصداق ہر وہ دلیل ہے جس سے قیاس کے بالمقابل استدلال کیا جائے (۱) جیسا کہ تفصیل کے ساتھ آ رہا ہے۔

علت

۱- تعریف:

(الف) باعتبار حکم وضعی:

وہ وصف خارجی جو کسی حکم کے وجود میں مؤثر ہو۔ (۲)

(ب) باعتبار رکن قیاس:

مقیس اور مقیس علیہ دونوں میں پایا جانے والا وہ وصف مشترک جو مقیس علیہ کے حکم کی بنیاد ہو اور مقیس کے حکم کی بنیاد بنایا جائے۔ (۳)

۲- دیگر تعبیرات:

علت کے لیے دوسری بہت سی تعبیرات استعمال ہوتی ہیں، باعث، مناط،

---

(۱) فواتح ج ۲، ص ۳۲۰، توضیح ص ۵۱۷۔ (۲) فواتح ج ۱، ص ۳۰۴۔ (۳) اصول الخلاف ص ۹۰۔ علت کی حقیقی تعریف تو وہی ہے جو اوپر گزری، مناسبت سے بطور توضیح علت قیاس کے لیے یہ تعریف کردی جاتی ہے۔ ۱۱ سعدی۔

دلیل، موجب، مؤثر، سبب، حامل، مستدعی، مقتضی وغیرہ۔(۱)

۳-شرائط علت:

پانچ ہیں: (الف) تاثیر۔ (ب) ظہور۔ (ج) انضباط۔ (د) مناسبت۔ (ہ) عدم مخالفت۔

(الف) تاثیر:

وصف مذکور کے پائے جانے پر حکم مذکور کا پایا جانا۔(۲)

(ب) ظہور:

وصف مذکورہ کا حسی ہونا، یعنی ایسا کرنا کہ کوئی حاسہ اس کا ادراک کر سکے، جیسے نشہ اور قتل وغیرہ کہ ان کا ادراک حواس ظاہرہ سے ہوتا ہے۔

(ج) انضباط:

وصف مذکور کا افراد و حالات کے اختلاف کی وجہ سے مختلف نہ ہونا، مثلاً مشقت سفر رخصت کی علت ہے، اگر چہ نہ تو ہر مسافر کے حق میں مشقت کا پایا جانا ضروری ہے اور نہ ہی سمجھا سکتا ہے اور مشقت ہی اصلاً رخصت کا مدار ہے، لیکن سفر ایک متعین وصف ہے، اس لیے اس کو علت قرار دیا گیا ہو۔

---

(۱) ارشاد ص/۲۰۷۔ (۲) تاثیر کی چار صورتیں ذکر کی جاتی ہیں: ۱-ایک قسم کے وصف کا کسی خاص حکم کے حق میں مؤثر ہونا جیسے بے ہوشی کی وجہ سے زائد نمازوں کا اسقاط، اس لیے کہ اتنی نمازوں کو قضا کے طور پر ادا کرنا بے انتہا مشقت کو مستلزم ہے، اس لیے حائض پر نمازوں کی قضا نہیں ہے، دونوں جگہ وصف مؤثر کی جنس ایک ہے اور حکم خاص ہے۔ ۲-ایک قسم کے وصف کا کسی خاص قسم کے حق میں مؤثر ہونا جیسے حیض کی وجہ سے ایام حیض میں نمازوں کی قضا مشقت کی بنا پر ساقط ہے اور مشقت ہی کی وجہ سے مسافر کی چار رکعت کے بجائے دو رکعت قرار دی گئی ہے۔ ۳-کسی خاص وصف کا حکم کے حق مؤثر ہونا جیسے بلی کے جھوٹے کے حق میں اس کی کثرت آمد و رفت کا اثر۔ ۴-خاص وصف کا کسی خاص قسم کے حکم میں مؤثر ہونا جیسے بچپن ایک خاص وصف ہے، اس کی وجہ سے باپ کو بچے کے مال کے حق میں ولایت حاصل ہوتی ہے اور نکاح بھی مالی معاملات کے درجہ میں ہے، لہٰذا نکاح کے حق میں بھی ولایت حاصل ہوگی۔ (فواتح ج/۲، ص/۲۶۸، نظامی ص/۱۰۲)۔

(د) مناسبت: (جس کو "ملائمت" (☆) بھی کہتے ہیں)

گمان غالب کی حد تک حکم مذکور کی مشروعیت کی حکمت و مصلحت کے پورا کرنے کا ذریعہ ہونا۔

(ہ) عدم مخالفت:

کسی شرعی دلیل کے مخالف نہ ہونا۔(۱) (شرعی دلیل خواہ کتاب وسنت کی ہو یا قول صحابی و اجماع ہو)۔

۴-علت اور مصلحت و حکمت میں فرق:

علت وہ وصف کہلاتا ہے جو کسی حکم کا مدار و بنیاد ہو۔

مصلحت و حکمت کسی حکم سے وابستہ یعنی کسی حکم پر عمل کے ذریعہ حاصل ہونے

(☆) مناسبت کی پانچ اقسام ذکر کی جاتی ہیں: ۱-مناسبت مؤثرہ۔ ۲-مناسبت ملائمہ۔ ۳-مناسبت غریبہ۔ ۴-مناسبت ملغاۃ۔ ۵-مناسبت مرسلہ۔ ۱-مناسبت مؤثرہ: جس کا اعتبار کسی حکم کے حق میں نقل سے ثابت ہو، مثلاً تاثیر کے تحت ذکر کردہ حاشیہ میں مذکور تیسری قسم کہ طواف (کثرت آمد و رفت) کا علت ہونا، نص میں منقول ہے۔ ۲-مناسبت ملائمہ: جس کا تذکرہ حکم مذکور کے حق میں خاص اسی نص و عبارت میں نہ ہو، جس میں کہ حکم مذکور ہے لیکن دوسری نصوص سے اعتبار ثابت ہو جیسے سابق حاشیہ کی پہلی و دوسری و تیسری صورت کہ جن نصوص میں یہ احکام مذکور ہیں یعنی بے ہوش و حائض کی قضا نمازوں کا سقوط وغیرہ، ان میں ان کی علت مذکور نہیں ہے، مگر علت مذکورہ کا معتبر ہونا دوسری نصوص سے ثابت ہے۔ ۳-مناسبت غریبہ: وہ علت ہے جس کا کسی نص سے استنباط کیا جائے اور اس کے متعلق مؤثرہ یا ملائمہ نہ ہونا ظاہر نہ ہو، مگر حکم مذکور سے مناسبت رکھتی ہو، مثلاً کسی وارث کا اپنے مورث کو قتل کرنے کی وجہ سے میراث سے محروم رہنا، اس کی علت یہ قرار دی گئی ہے کہ اس نے عجلت کر کے ایک حق کو وقت سے پہلے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، لہٰذا محروم قرار دیا جائے گا، یہ علت سمجھ میں تو آتی ہے مگر اس کا پہلی دونوں قسموں میں سے کسی کے تحت آنا ثابت نہیں۔ ۴-مناسبت ملغاۃ: جس کا لغو ہونا کسی دلیل سے ثابت ہو، جیسے روزہ توڑ دینے کے کفارہ میں بادشاہ کو روزوں کا ہی حکم دینا تا کہ اسے مشقت کی وجہ سے تنبیہ ہو، حالانکہ شرعاً اس پر یہ لازم نہیں، یہ شریعت کے دلائل کی بنا پر لغو و مردود ہے، اس لیے کہ شرعاً کسی فرد کے لیے کوئی صورت لازم نہیں۔ ۵-مناسبت مرسلہ: جس کے حق میں نہ تو اعتبار کا ثبوت ہو اور نہ الغاء کا، ایسی مناسبت پر مشتمل علتیں "مصالح مرسلہ" کہلاتی ہیں، جو استصلاح کی بنیاد قرار دی جاتی ہیں۔ (فواتح ج/۲، ص/۲۶۵-۲۶۶، المدخل ص/۴۳۹-۴۴۱، المصادر ص/۵۳-۵۶)۔

(۱) اصول الخلاف ص/۶۸-۷۰، فواتح ج/۲، ص/۲۷۳-۲۸۰، ۲۸۹۔

والی غایت اور پوری ہونے والی غرض کو کہتے ہیں، خواہ وہ غرض کسی منفعت کا حصول ہو یا کسی مفسدہ وتنگی کا ازالہ ہو۔(۱)

یعنی حکمت و مصلحت سے کسی فعل پر مرتب ہونے والا نتیجہ مراد ہوتا ہے، علت پہلے پائی جاتی ہے کہ اس کے پائے جانے پر کوئی حکم دیا جاتا ہے، اور مصلحت و حکمت کا وجود بعد میں ہوتا ہے کہ وہ حکم پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

۵- مآخذ علت:

یعنی علت کے مواقع اور اس کے جاننے کے ذرائع اصولاً تین ہیں:

(الف) نص۔ (ب) اجماع۔ (ج) استنباط۔

(الف) نص:

کتاب وسنت کے الفاظ میں کسی صورت میں علت مذکور ہو، اس کی اصولی دوصورتیں ذکر کی جاتی ہے: ۱- صریح۔ ۲- ایماء وتنبیہ۔

۱- صریح:

(الف) تعریف:

وہ الفاظ جو ازروئے لغت ووضع علت ہونے پر دلالت کریں۔

(ب) امثلہ:

لأجل، كي، إذن ، لام تعلیلیہ، لام عاقبت، باء مسببہ، إن مثقلہ ومخففہ، فاء تعقیبیہ۔

یہ تمام الفاظ ایک ہی درجہ میں اس مفہوم کو نہیں ادا کرتے بلکہ فرق مراتب ہے، درمیان میں اعداد کو ذکر کر کے ان کے باہمی مراتب کو واضح کیا گیا ہے، نیز اس اعتبار سے بھی فرق مراتب ہوتا ہے، کہ یہ کلمات اگر کسی آیت یا حدیث نبوی

---

(۱) اصول الخلاف ص/۵۶، فواتح ج/۲/ص/۲۶۰، المدخل ص/۲۳۷۔

میں ہوں تو ان ارشادات صحابہ سے جو ان کلمات پر مشتمل ہوں، ان سے فائق سمجھے جاتے ہیں۔(۱)

۲-ایماء و تنبیہ:

(الف) تعریف:

وہ الفاظ جو قرائن کی بناء پر علت ہونے پر دلالت کریں۔

(ب) امثلہ:

قرائن مختلف ہوتے ہیں مثلاً: ۱-کسی سوال کے جواب میں واقع ہونا۔ ۲-کسی حکم کے ساتھ کسی وصف کا ذکر کرنا۔ ۳-دو حکموں کے درمیان فرق کرنا، خواہ دونوں کے لیے الگ الگ صفات ذکر کی جائیں یا یہ کہ دونوں کے درمیان حرف استثناء یا "حتی" و اس کے ہم معنی، "لکن" اور اس کے ہم معنی الفاظ یا کلمات شرط استعمال کیے جائیں۔(۲)

---

(۱) امثلہ: "إنما جعل الإستئذان لأجل البصر" (اجازت کا طلب کرنا دیکھنے کی وجہ سے ہے۔ ابن ابی شیبہ)۔ "کی تقر عینها" (تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ القصص/۱۳)۔ "إذن تکفی همك" (تب تو غموں کے حق میں تمہاری کفایت کی جائے گی۔ مسند احمد)۔ "کتاب أنزلناه إلیك لتخرج الناس" (یہ کتاب ہے اس کو ہم نے تم پر اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کو نکالو۔ ابراہیم)۔ "فبما رحمة من الله لنت لهم" (خدا کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے۔ آل عمران/۱۵۹)۔ "وما أبرئ نفسی إن النفس لأمارة بالسوء" (اور میں اپنے کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس امارہ تو برائی پر اکساتا ہی ہے۔ یوسف/۵۳) "السارق والسارقة فاقطعوا أیدیهما" (جو چوری کرے مرد ہو یا عورت، ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ المائدہ/۳۸)۔ (۲) امثلہ: ۱-رمضان کے روزے کی حالت میں جماع کے صدور کا ذکر کرنے والے کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب "ایک غلام آزاد کرو"۔ ۲-"لا یقضی القاضی وهو غضبان" (کوئی قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کیا کرے۔ بخاری)۔ ۳-فرق کے لیے صفات کا ذکر "للرجل سهم وللفارس سهمان" (پیادہ کے لیے ایک حصہ ہے اور سوار کے لیے دو حصے ہیں)۔ درمیان میں دوسرے کلمات کا ذکر "لا تقربوهن حتی یطهرن" (جب تک وہ پاک نہ ہوں ان سے مقاربت نہ کرو۔ البقرہ/۲۲۲)۔ "فنصف ما فرضتم إلا أن یعفون" (تو آدھا مہر دینا ہوگا ہاں اگر عورتیں معاف کردیں۔ البقرہ/۲۳۷)۔ "لا یؤاخذکم الله باللغو فی أیمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الأیمان" (خدا تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہ کرے گا۔ المائدہ/۸۹)۔ توضیح و افادہ کی زیادتی کے پیش نظر یہ کچھ مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔

(ب)اجماع:

کسی وصف کی علیت پر مجتہدین کا اتفاق جیسے نابالغ بچے کے مال کی ولایت کے حق میں اس کا نابالغ ہونا، اس حکم کی اتفاقی علت ہے۔

(ج)استنباط:

(الف)تعریف:

عقل سے غور وفکر کے ذریعہ کسی وصف کو کسی حکم کے لیے علت قرار دینا۔

(ب)صورتیں:

اس کی دو ہیں:ا-سبر و تقسیم۔۲-اظہار مناسبت۔

ا-سبر و تقسیم:

غور وفکر کے ذریعہ جو جو امور حکم مذکور کی علت بننے کی صلاحیت رکھتے ہو، ان کو نکالنا اور پھر ایک ایک پر غور کر کے جو نامناسب ہو، اس کو چھانٹنا اور جو مناسب ہو، اس کو متعین کرنا۔

۲-اظہار مناسبت:

کسی حکم کے لیے علیت کا احتمال رکھنے والے وصف کے متعلق شریعت کے اعتبار کی صورت و کیفیت کو بیان کرنا۔(ا)

ان دونوں صورتوں کے علاوہ دوسری بھی صورتیں ذکر کی جاتی ہیں، جن کا اعتبار نہیں ہے۔(۲)

۶-اقسام:

دو ہیں:(الف)منصوصہ۔(ب)مستنبطہ۔

(ا)فواتح ج/۲،ص/۲۹۵--۳۰۰،توضیح ص/۵۵۴-۵۵۵،المدخل ص/۴۳۹،اصول الخلاف ص/۷۵-۷۷۔

(۲)فواتح ج/۲،ص/۳۰۰،اوراس کے بعد۔

(الف) منصوصہ:

۱-تعریف:

وہ علت جو کسی صورت میں کسی نص میں منقول ہو۔ (اس کو موضوعہ اور وضعیہ بھی کہتے ہیں)۔

۲-مثال:

حالت حیض میں صحبت کی ممانعت کی علت جسے قرآن میں اس حکم کے ساتھ ساتھ آیت ذیل میں ذکر کیا گیا ہے: "یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡمَحِيۡضِ قُلۡ هُوَ اَذًى فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الۡمَحِيۡضِ" (۱) (وہ لوگ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ وہ تو نجاست ہے، سو حالت حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو)۔

(ب) مستنبطہ:

۱-تعریف:

وہ علت جس کو اصول وضوابط کے مطابق بذریعہ استنباط کسی نص سے نکالا جائے۔

۲-امثلہ:

احکام شرع کے لیے ذکر کی جانے والی علتیں عموماً اسی قبیل کی ہیں۔ (۲)

علت کو کام میں لانے کے مراحل:

''مقیس'' کو ''مقیس علیہ'' کا حکم دینے کے لیے علت کو ترتیب وار تین مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، یا یوں کہیے کہ اس کے لیے تین قسم کے عمل کرنے پڑتے ہیں: ۱-تخریج۔ ۲-تنقیح۔ ۳-تحقیق۔ اور چونکہ علت کو ''مناط'' بھی کہتے ہیں، اس لیے ان مراحل کے ساتھ ''مناط'' کی قید لگاتے ہیں۔

---

(۱) البقرہ/۲۲۲۔ (۲) نور س: ۳،۲۷۳،المدخل س/۲۸۸۔

۱-تخریج مناط:

کتاب وسنت میں مذکور معاملہ کے حکم کی علت کو تلاش کرنا کہ اس کے اندر پائے جانے والے کون کون سے اوصاف علت بن سکتے ہیں۔

مثلاً ایک اعرابی نے روزے کی حالت میں صحبت کرلی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ ٹوٹ گیا، قضاء وکفارہ دونوں واجب ہیں، اس میں غور کیا گیا کہ کیا کیا اوصاف ہیں، معلوم ہوا کہ بہت سے اوصاف ہیں، جیسے جماع کرنے والے کا اعرابی ہونا، اپنی بیوی سے صحبت کرنا، روزہ کی حالت میں جن چیزوں کی ممانعت ہوتی ہے، ان میں سے ایک کا پایا جانا۔

۲-تنقیح مناط:

مقیس علیہ کے جو اوصاف علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، ان کی کاٹ چھانٹ کرکے، جو وصف علت ہوسکتا ہے، اس کو متعین کرنا، جیسے مثال مذکور میں تین ممنوع امور یعنی کھانے پینے وصحبت کے علاوہ باقی کو چھانٹنا اور ممنوع تین امور میں سے کسی ایک کے ارتکاب کو علت قرار دینا۔

۳-تحقیق مناط:

متعین کردہ علت کو ''مقیس'' میں تلاش کرنا اور پائے جانے پر ''مقیس علیہ'' کا حکم اس پر جاری کرنا، جیسے روزہ کی حالت میں کھانا کھالینے و پانی پی لینے کی صورت کا حکم جاننے کے لیے مذکورہ بالا واقعہ کی علت یعنی مفطرات ثلاثہ (روزہ کو توڑنے والی تین چیزوں) میں سے کسی کے ترک کی ان صورتوں میں تحقیق کے بعد قضا وکفارہ کا حکم دینا۔(۱)

---

(۱) المصادر ص/ ۶۵-۶۶، فواتح ج/۲، ص/ ۲۹۸۔ بعض حضرات نے ان تینوں عناوین کی دوسری توضیحات کی ہیں، جن میں ان کا دو باہمی ربط جو مذکورہ توضیحات سے ظاہر ہے باقی نہیں رہتا۔ (المصادر ص/ ۶۵-۶۶، فواتح ج/۲، ص/ ۲۹۸)۔

باب دوم

استحسان

۱-تعریف:

(الف)لغوی: اچھا سمجھنا۔(۱)

(ب)اصطلاحی: کسی صورت کے لیے اس کے نظائر کے حکم کے بجائے کوئی دوسرا حکم تجویز کرنا، کسی ایسی دلیل کی بناء پر جو قوت کے ساتھ اس کا تقاضا کرتی ہو۔(۲)

۲-قیاس واستحسان میں فرق:

یہ ہے کہ "قیاس" میں غیر مذکور صورت کو اس کے نظائر یعنی اتحاد علت کی رو سے اس کی جیسی صورتوں پر محمول کرتے ہیں، اور "استحسان" میں نظائر سے صرف نظر کر کے ان کے حکم کے بجائے دوسرا حکم اختیار کرتے ہیں۔(۳)

۳-حجیت:

قرآن وحدیث اور امت کے تعامل وشریعت کے احکام نیز عقل سب سے ثابت ہے۔

(الف)ارشاد ربانی ہے:"اِتَّبِعُوْا أَحْسَنَ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ" (۴)

(اور تم اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو)۔

---

(۱)المصادر ص/۶۷، المدخل ص/۲۹۵۔ (۲) کشف ج/۴، ص/۳، توضیح ص/۵۶۵، المصادر ص/۷۰-۷۱، المدخل ص/۲۹۵-۲۹۶۔ یہ تعریف احناف میں ابوالحسن کرخیؒ سے منقول ہے اور استحسان کی اقسام وتفصیلات کے مناسب قرار دی گئی ہے۔(۳) المدخل ص/۳۰۴-۳۰۵۔(۴) الزمر/۳۵۔

(ب) ارشادِ نبوی ہے: "ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسنٌ" (۱) (جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے)۔

(ج) مختلف معاملات میں قیاس اور عام اصول کے خلاف مسلّمہ احکام موجود ہیں، مثلاً مضطر کے لیے مردار کی اباحت۔ ''بیع سَلَم'' جس میں خریدا جانے والا سامان معاملہ کے وقت بیچنے والے کے قبضے میں نہیں ہوتا اور ضابطہ یہ ہے کہ جو سامان کسی کے قبضے میں نہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں، مگر شریعت نے یہ صورت جائز قرار دی ہے۔

(د) عقلی دلیل (۲) یہ ہے کہ بسا اوقات عام حکم یا متعین اصول و قاعدے پر عمل یا قیاس ظاہر کو اپنانا شرعی مصلحت کے ضیاع بلکہ کسی فساد و بگاڑ کا باعث ہوتا ہے، تو شریعت کے ہی حدود میں رہ کر دوسرے حکم کو اختیار کیا جاتا ہے۔ (۳)

۴- اقسام:

استحسان کی بنیاد متعدد امور بنتے ہیں، ان کے پیش نظر ''استحسان'' کی چار اقسام ہیں: (۴)

---

(۱) احمد و بیہقی۔ (۲) جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے کہ استحسان کی متعدد بنیادیں ہوتی ہیں، اور وہ صرف عقل و رائے پر ہی نہیں مبنی ہوتا، مگر بالخصوص اس کی تعریف کے سلسلہ میں اسی پہلو کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے، اور عموماً اسی انداز پر تعریف کی گئی ہے، اور حتی کہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر لفظ ''استحسان'' بغیر کسی قید کے ذکر کیا جائے تو اس سے ''استحسان بالعقل'' ہی مراد ہوتا ہے (قمر، ص/۲۴۳، توضیح ص/۵۶۷)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ استحسان کی چار معروف اقسام میں سے یہ قسم ہی زیادہ مفید و اہم ہے، اس لیے کہ بقیہ اقسام متعدی نہیں ہوتیں، یعنی ان پر دوسری صورتوں کو قیاس نہیں کر سکتے اور ''استحسان بالعقل'' پر دوسری صورتیں قیاس کی جا سکتی ہیں اور اسے قیاس کی ایک قسم ہونے کی حیثیت حاصل ہے، جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ (۳) المصادر ص/۷۷-۷۸، توضیح ص/۵۶۷۔

(۴) یہ اقسام جیسا کہ ذکر کیا گیا استحسان کی بنیاد و سند کے اعتبار سے ہیں، اور جس قسم کے حکم کو چھوڑ کر دوسری قسم کے حکم کو اپنایا جاتا ہے، اس کے اعتبار سے تین اقسام و صورتیں ہیں: ۱- قیاس ظاہر کے بجائے خفی کو اپنانا جیسے زمین کے وقف میں راستے کا شامل ہونا قیاس ظاہر تقاضا نہیں کرتا مگر استحساناً مانا گیا ہے کہ ورنہ زمین سے کیونکر فائدہ اٹھایا جائے گا۔ ۲- حکم عام کا ترک جیسے قحط کے دنوں میں چوری کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹنا۔ ۳- حکم کلی کا ترک مثلاً شریعت کا ضابطہ ہے کہ جو چیز کسی انسان کے ہاتھ و قبضہ میں موجود نہیں اس کے بیچنے کا معاملہ نہیں کر سکتا، مگر اس ضابطہ کے خلاف بیع کی ایک خاص قسم جس کو ''سلم'' کہتے ہیں وہ جائز ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ =

(الف) استحسان بالاثر۔ (ب) استحسان بالاجماع۔ (ج) استحسان بالعقل۔
(د) استحسان بالضرورة۔ (۱)

(الف) استحسان بالاثر: (جس کو "استحسان بالنص" بھی کہتے ہیں)

۱-تعریف:

کسی آیت وحدیث کی وجہ سے نظائر کے حکم کے بجائے دوسرے حکم کو اختیار کرنا۔

۲-مثال:

"معدوم" یعنی جو چیز فی الحال بیچنے والے کے پاس موجود نہیں ہے، اس کا بیچنا نقلاً بھی منع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اور عقلاً بھی کہ جو چیز موجود نہیں وہ اس لائق نہیں کہ اس کا کوئی معاملہ کیا جائے، لیکن بیع سلم جو معدوم (غیر موجود) کی بیع کی ہی ایک صورت ہے، اس لیے کہ بوقت معاملہ خریداری والا سامان بیچنے والے کے پاس موجود نہیں ہوتا، یہ ان احادیث کی بناء پر جائز ہے، جن میں "بیع سلم" کا جواز منقول ہے۔

(ب) استحسان بالاجماع: (جس کو "استحسان بالعرف یا بالتعامل" بھی کہتے ہیں)

۱-تعریف:

کسی متفق علیہ معاملہ وبرتاؤ کی وجہ سے نظائر کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو اختیار کرنا۔

۲-مصداق اجماع:

اس موقع پر اجماع سے "اجماع اصطلاحی" مراد نہیں، بلکہ اجماع لغوی یعنی

= بوقت معاملہ بیچنے والے کے پاس مال نہیں موجود ہوتا بلکہ معاملہ میں مقرر کیے ہوئے وقت پر فراہم کر کے خریدنے والے کو پیش کرتا ہے۔ (المصادر، ص/۷۲-۷۳، اصول الخلاف ص/۸۰-۸۱)۔

(۱) توضیح ص/۵۶۷، نور ص/۲۴۳، المصادر ص/۷۴۔

کسی امر پر اتفاق مراد ہے، خواہ یہ مجتہدین کا اتفاق ہو، جسے اصطلاح میں ''اجماع'' کہتے ہیں یا عوام وخواص سب کا جسے ''عرف'' و''عادت'' اور ''تعامل'' سے تعبیر کرتے ہیں(۱)، اس تفصیل سے دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہے کہ ''اجماع'' نام ہے علماء مجتہدین کے اتفاق کا اور عرف وعادت کا ثبوت کسی علاقے کے عوام وخواص سب کے اتفاق پر موقوف ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ''اجماع'' میں وقت کے ہر مجتہد کا اتفاق ضروری ہے، اور عرف وعادت کے ثبوت میں دو ایک یا چند کا اختلاف اثر انداز نہیں ہوتا، اس کا ثبوت اکثریت سے بھی ہوتا ہے۔(۲)

۳-مثال:

''استصناع'' یعنی آڈر دے کر کسی چیز کا بنوانا، مثلاً جوتا بنانے والوں سے جوتا بنوانا، یہ بھی معدوم یعنی غیر موجود کی بیع کی ایک صورت ہے، اس لیے کہ اس

---

(۱) استحسان کی اس قسم کے حق میں یہ تفصیل احقر نے نور وقمر کی بعض عبارات اور الاشباہ و رسم المفتی میں عرف وعادت سے متعلق تصریحات کی بنا پر ذکر کی ہے اور اس قسم کے لیے مذکورہ عناوین سے بھی یہ بات ظاہر ہے: ۱-عرف وعادت: وہ امر جس پر کسی علاقہ کے عام لوگوں کا عمل ہو، اور شاذ ونادر ہی افراد اس کے خلاف کرتے ہوں (اس لیے کہ عام معمول ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا دشوار ہوتا ہے)۔۲-عرف وعادت کی حیثیت: دراصل مصالح کی ہے، اس لیے کہ عرف وعادت نظام زندگی کی ایک اہم ضرورت کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور شریعت مصالح کی رعایت کرتی ہے، اس لیے اس کی رعایت ایک شرعی ضرورت ہے۔۳-تقسیمات واقسام: (الف) عرف کی باعتبار ذات دو اقسام ہیں: ۱-عرف قولی۔۲-عرف عملی۔عرف قولی: لفظ کا وہ مفہوم جس کسی قوم میں رائج ہو اور عرف عملی: وہ عمل جس کے کسی علاقہ کے لوگ عادی ہوں۔(ب) باعتبار وصف عرف کی دو اقسام ہیں: عام اور خاص۔۱-عام: جو کسی علاقے کے ساتھ خاص نہ ہو، اس سے عام حکم ثابت ہوتا ہے حتی کہ اس سے تخصیص بھی صحیح ہے جیسا کہ آپ تخصیص کی بحث میں پڑھ چکے ہیں، قیاس کی بھی اور کتاب وسنت کی بھی۔ ۲-خاص: جو کسی ایک علاقہ کے ساتھ خاص ہو، اس سے خاص حکم ثابت ہوتا ہے، اور اس سے تخصیص جائز نہیں ہے۔(ج) باعتبار حکم عرف کی دو اقسام ہیں: حسن اور فاسد۔۱-حسن: وہ عرف جو نہ تو کسی نص کے مخالف ہو اور نہ کسی مفسدہ کو مستلزم ہو۔۲-فاسد: وہ عرف جو کسی نص کے مخالف ہو یا کسی مصلحت کے ضیاع اور مفسدہ کو مستلزم ہو، ان دونوں اقسام میں سے صرف عرف حسن وصحیح کا شریعت اعتبار کرتی ہے، فاسد کا نہیں۔۴-عرف پر مبنی احکام: زمانہ وعلاقہ کے بدلنے کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں۔(نور وقمر ص/۸، ۲۴۳، رسم المفتی ص/۹۲-۹۹، المصادر ص/۲۴۵-۲۴۶، تاریخ المذاہب ج/۲، ص/۱۶۳، الاشباہ ص/۹۳ تا ۱۰۴)۔(۲) المصادر ص/۱۴۵۔

صورت میں مطلوبہ چیز کے بننے اور وجود میں آنے سے پہلے اس کی خرید وفروخت اور قیمت کا معاملہ ہوتا ہے، مگر ہر زمانے میں بغیر کسی نکیر کے سب کا اس معاملہ کو جاری رکھنا خلاف قیاس اس کے جواز کی دلیل ہے۔

(ج) استحسان بالعقل: (جس کو ''استحسان بالقیاس'' بھی کہتے ہیں)

۱-تعریف:

کسی غیر ظاہر عقلی دلیل کی وجہ سے نظائر کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو اختیار کرنا۔

۲-دیگر تعبیر:

اس کی تعبیر ''قیاس خفی'' ہے، اسی کے اعتبار سے قیاس کی دو اقسام ذکر کی جاتی ہیں:

۱-قیاس جلی:

جس سے ''قیاس معروف'' مراد لیتے ہیں۔

۲-قیاس خفی:

جس کا مصداق یہ قسم ہے اور عموماً کتب اصول میں ''استحسان'' سے یہی قسم مراد لی جاتی ہے۔(۱)

۳-مثال:

زمین کو وقف کرنے کی صورت میں سینچائی کے لیے پانی کے آنے اور کھیتی کی ضرورت کو انجام دینے والوں کے لیے آنے جانے کا راستہ قیاساً وقف میں نہیں داخل ہوتا۔

---

(۱) بلکہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی قید نہ لگی ہو تو یہی قسم مراد ہوگی۔ (قمر ص/۲۴۳، توضیح ص/۵۶۷)۔

اس لیے کہ وقف کرنے والا تو صرف زمین وقف کرتا ہے، مگر چونکہ زمین تک پہنچے بغیر اور پانی کے بغیر اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، اس لیے استحساناً یہ دونوں راستے بھی وقف میں داخل مانے جاتے ہیں۔

۳۔حکم:

اس قسم کا خصوصی حکم یہ ہے کہ چونکہ اس کی بنیاد عقل و قیاس ہوتی ہے، اس لیے یہ قسم متعدی ہوتی ہے، یعنی اس قسم کے احکام کو دوسرے کے لیے مقیس علیہ بنا سکتے ہیں۔(۱)

اسی لیے اس کو ''قیاس خفی'' کا عنوان دے کر ''قیاس مطلق'' کی دوسری قسم قرار دیتے ہیں، اور پہلی جس سے ''قیاس معروف'' کو مراد لیتے ہیں، اس کو ''قیاس جلی'' کہتے ہیں اور چونکہ یہ قسم قیاس معروف کی معارض ہوتی ہے، اس لیے اگر قوت یا اصول کی رو سے ''قیاس جلی'' پر راجح قرار پائے، تو اس پر عمل ہوتا ہے، ورنہ ''قیاس جلی'' پر عمل ہوتا ہے۔(۲)

---

(۱) فواتح ج/۲،ص/۳۲۱، حسامی ص/۱۰۴، نورص/ ۲۴۵۔(۲) قیاس و استحسان کے باہمی تقابل اور ایک دوسرے پر رجحان کے سلسلہ کی تفصیلات کے تحت مذکور ہے، اگر دونوں قوی یا ضعیف ہوں تو اصول ترجیح کے مطابق کسی ایک کو راجح قرار دیا جائے گا اور اگر ایک قوی اور ایک ضعیف ہے تو قوی ضعیف پر راجح ہوگا اور قوت و ضعف کی نسبت سے ان دونوں کی دو دو اقسام قرار دی گئی ہیں: (الف) استحسان قوی الاثر اور ظاہر الصحۃ خفی الفساد۔ (ب) قیاس ضعیف الاثر اور ظاہر الفساد خفی الصحۃ۔ استحسان کی قسم اول قیاس کی قسم اول پر راجح ہوتی ہے اور قیاس کی قسم دوم استحسان کی قسم دوم پر۔ پہلی صورت کی مثال مردہ خور پرندوں کا جھوٹا قیاساً نجس ہونا چاہیے کہ ان کا گوشت حرام ہے، مگر استحساناً ان کا جھوٹا پاک ہے، اس لیے کہ پانی پینے میں برتن وغیرہ کے اندر ان کا لعاب نہیں گرتا، وہ چونچ کے ذریعہ پانی پیتے ہیں اور درندے منہ ڈال کر پیتے ہیں تو لعاب برتن میں چلا جاتا ہے۔ دوسری صورت کی مثال سجدہ تلاوت کو اگر رکوع کے ذریعہ ادا کیا جائے تو استحسان کا تقاضا ہے کہ درست نہیں جیسے کہ نماز کے سجدہ کی جگہ رکوع درست نہیں ہے، مگر قیاس کا تقاضا ہے کہ رکوع و سجود دونوں اعمال تعظیم کے لیے کیے جاتے ہیں، اس لیے یہ درست ہے اور نماز میں ایسا اس لیے درست نہیں کہ نماز میں رکوع و سجود دونوں عمل مستقلاً مطلوب و مقصود ہیں اور سجدۂ تلاوت میں غرض صرف اظہار تعظیم ہے، جس کا حصول دونوں سے ہو جاتا ہے، اس لیے سجدہ کی جگہ رکوع بھی کافی ہے۔(فواتح ج/۲،ص/۳۲۲-۳۲۳، نورص/۲۴۴-۲۴۵، حسامی ص/۱۰۳-۱۰۴)۔

(د) استحسان بالضرورۃ:

۱-تعریف:

ضرورت یعنی مجبوری کے حالات کی وجہ سے نظائر کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو اختیار کرنا۔

۲-تعریف ضرورت:

وہ حالت جس میں عام حالات کے احکام پر عمل کی صورت میں ضیاع جان کا یقین ہو، یا جلد اس کی نوبت آ جانے کا گمان غالب ہو۔(۱)

۳-امثلہ:

مجبور کے لیے مردار کا کھانا، علاج کی غرض سے ستر کا دیکھنا و دکھانا۔(۲)

---

(۱) فقہاء نے اس قسم کے حالات کے دو مراحل تجویز کیے ہیں: ایک کو "ضرورت" اور دوسرے کو "حاجت" کا عنوان دیتے ہیں، ضروریات کا مبنیٰ موجودہ حالات ہوتے ہیں اور حاجت کا موجودہ حالات کے پیش نظر متوقع حالات جبکہ موجودہ حالات کے حق میں یہ گمان غالب ہو کہ یہ مستقبل میں ضرورت کے مرحلہ میں داخل کر دیں گے، شریعت جیسے ضرورت کے مرحلہ میں رخصت دیتی ہے ویسے ہی حاجت کے مرحلہ میں بھی۔(تفصیل کے لیے الاشباہ کا قاعدہ "الضرر یزال" ملاحظہ کیا جائے، احقر نے ضرورت کی تعریف میں ان دونوں مراحل رخصت کو جمع کر لیا ہے اور پہلی مثال ضرورت پر اور دوسری حاجت پر مبنی ذکر کی ہے)۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۳۲۰-۳۲۱، حسامی و نظامی ص/۱۰۴، نور ص/۲۴۳-۲۴۵۔

باب سوم

استصلاح

۱-تعریف:

(الف) لغوی: کسی چیز کو صلاح والا یعنی مصلحت پر مبنی سمجھنا۔

(ب) اصطلاحی: مصالح مرسلہ کی بنیاد پر کسی چیز کا حکم بیان کرنا۔(۱)

۲- حجیت:

کی سب سے بڑی دلیل حضرات خلفاء راشدین وصحابہ کا عمل ہے، ان حضرات کے فیصلوں وفتاویٰ کی بنیاد زیادہ تر انھیں مصالح پر ہوتی تھی۔(۲)

۳-اہمیت:

یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام کی بنیاد مصالح پر ہے، اور حالات و ضروریات کی ایک ہی صورت نہیں ہوتی، بلکہ بدلتی رہتی ہے، اور اس کے تقاضے بھی بدلتے رہتے ہیں، مصلحت ہی حکم و مطالبہ کا مدار ہے، جس کام میں مصلحت ہے وہ مطلوب اور جو مصلحت سے خالی ہو، وہ مذموم ہوتا ہے، خواہ مصلحت دنیا کی ہو یا آخرت

---

(۱) المدخل ص/۳۰۷، المصادر ص/۸۶، اصول الخلاف ص/۸۴۔ (۲) البتہ صحابہ کے بعد اس کا دائرہ عمل محدود ہوتا گیا اور اس کے بجائے قیاس کو زیادہ پسند کیا گیا اور رواج دیا گیا، اس لیے کہ قیاس کی بنیاد کسی نہ کسی اصل شرعی پر ہوتی ہے، لہٰذا اس میں احتیاط کا پہلو غالب ہوتا ہے، بمقابلہ استصلاح کے کہ اس کی بنیاد محض مصلحت ہوتی ہے، جس کی طرف عقل رہنمائی کرتی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ قرآن وسنت میں اس کا رد منقول نہیں ہوتا، اس لیے محض مصلحت کی رعایت مین بہت سی احادیث صریحہ وصحیحہ کے ترک کی نوبت آسکتی ہے اور صحابہ کے بعد یہ خوف وخطرہ برابر بڑھتا ہی رہا ہے۔(تاریخ التشریع الاسلامی ص/۲۳)۔

کی اور خواہ بندے اسے سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔(۱)

۴۔مصلحت کی تعریف:

کسی منفعت کی تحصیل یا تکمیل یا کسی مضرت وتنگی کے ازالہ یا تخفیف کی وہ صورت جو شارع کے مقصود کی رعایت وحفاظت پر مبنی ہو۔(۲)

۵۔اقسام مصلحت:

تین ہیں:(الف)ضرورات۔(ب)حاجات۔(ج)تحسینات۔

(الف)ضرورات:

۱۔تعریف:وہ امور کہ جن سے انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ کے بقاء کی خاطر کسی طرح صرف نظر ممکن نہ ہو۔

۲۔اصولاً اس کے تحت پانچ چیزوں کی حفاظت آتی ہے:

۱۔دین۔۲۔جان۔۳۔نسل۔۴۔عقل۔۵۔مال۔

۳۔مثلاً:۱۔جہاد ''دین'' کی حفاظت کے لیے۔۲۔قصاص ''جان'' کی حفاظت کے لیے۔۳۔زنا کی سزا ''نسل'' کی حفاظت کے لیے۔۴۔شراب کی حد ''عقل'' کی حفاظت کے لیے۔۵۔چوری کی حد ''مال'' کی حفاظت کے لیے ہے۔

(ب)حاجات:

۱۔تعریف:وہ امور جن سے ایک درجہ مشقت کے ساتھ صرف نظر ممکن ہو۔

۲۔اس کے تحت وہ امور آتے ہیں کہ جن سے مالی تنگی دور ہوتی ہے، فرائض کی ادائیگی میں مشقت کی کمی اور معاملات میں سہولت وآسانی پیدا ہوتی ہے۔

۳۔مثلاً خرید وفروخت ونکاح وطلاق اور اس جیسے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں وضروریات سے متعلق معاملات۔

---

(۱) فواتح ج/۲،ص/۲۶۰،توضیح ص/۵۴۸،المدخل ص/۳۰۸-۳۰۹،الصادر ص/۹۰-۹۱۔(۲) المستصفی ج/۱، ص/۲۸۶،المدخل ص/۳۰۹۔

(ج) تحسینات:

۱-تعریف: وہ امور جو انسانی زندگی میں ظاہر و باطن دونوں کے اعتبار سے حسن وخوبصورتی کا ذریعہ بنیں۔

۲-اصولاً اس کے تحت وہ چیزیں آتی ہیں جو عمدہ اخلاق اور اچھی عادات و فضائل کے قبیل سے ہوں۔

۳-مثلاً طہارت، ستر کا ڈھانکنا، نماز کے لیے مناسب لباس کا پہننا۔

(د) تتمات:

ان تینوں اقسام کے تتمات بھی ہیں، یعنی ایسے امور جن سے ان کو تقویت ہوتی ہے، مثلاً:

''ضرورات'' کا تتمہ دو ایک قطرے شراب پینا ہے، جس سے نشہ نہیں آتا۔ ''حاجات'' کا تتمہ نکاح میں مہر مثل اور کفو کا اعتبار ہے۔ ''تحسینات'' کا تتمہ طہارت کے مستحبات و آداب۔

۶-مراتب و باہمی ربط:

ان اقسام کے مراتب اسی ترتیب کے اعتبار سے ہیں، جس ترتیب سے ان کو ذکر کیا گیا ہے، یعنی اعلیٰ ضرورات اس سے کمتر حاجات اور ادنیٰ تحسینات اور ان کے تتمات کی بھی یہی ترتیب ہے، اگر ادنیٰ کی رعایت میں اعلیٰ کا نقصان ہو تو ادنیٰ کو چھوڑ دیں گے، جیسے علاج کے لیے کشف ستر، کہ علاج کے قبیل سے ہے، اور ستر کا چھپانا تحسینات کے باب سے، علاج کے لیے اس کے ترک کو گوارا کرلیا گیا ہے، ایسے ہی ضروریات کے تحت مذکور پانچوں امور میں جو پہلے مذکور ہے، اس کی خاطر بعد والے کے نقصان و ضرر کو گوارا کیا جائے گا، اور یہ باہم یوں مرتبط ہیں کہ حاجات، ضرورات کے لیے بہ منزلہ تتمہ ہیں کہ ''حاجات'' سے ضرورات کی پیش بندی ہوتی

ہے، اور "تحسینات" "حاجات" کے لیے یہی حیثیت رکھتی ہیں کہ "تحسینات" سے حاجات کا انتظام وسد باب ہوتا ہے۔(۱)

۷-بنیاد مصلحت:

مصلحت خواہ جس قسم کی ہو، اس کی بنیاد دو امر میں سے کوئی ایک ہوتا ہے:

(الف) جلب منفعت، یعنی کسی فائدہ و نفع کا حصول۔

(ب) دفع مضرت وحرج، یعنی کسی نقصان و تنگی کا ازالہ و دوری۔(۲)

۸-مصلحت مرسلہ:

کسی چیز کا وہ حال جس کی رعایت کرنے میں مجتہد کو عامۃ الناس کا نفع سمجھ میں آئے اور کسی خاص نص میں نہ اس کا اعتبار منقول ہو اور نہ ردّ۔(۳)

۹-شرائط اعتبار:

مصلحت مرسلہ کی بنیاد پر کسی حکم کو اختیار کرنے کے حسب ذیل شرائط ہیں:

(الف) اس کی بابت کوئی نص منقول نہ ہو۔

(ب) شریعت میں اس کی کوئی نظیر منقول نہ ہو کہ جس پر اس کو قیاس کرلیا جائے۔

(ج) کسی نص و اجماع کے معارض نہ ہو۔

(د) مصلحت شخصی نہ ہو، بلکہ اجتماعی ہو، خواہ عالمی یا ملکی و علاقائی، بعض استصلاحی مسائل سے جزئی مصالح کی رعایت کی بھی گنجائش نکلتی ہے۔

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۲۶۲-۲۶۳، المدخل ص/۳۱۳۔ (۲) فواتح ج/۲، ص/۲۶۳، المصادر ص/۱۸۸۔ ہر مصلحت کا مبنی ان میں سے کوئی ایک امر ہوتا ہے، نیز یہ کہ جلب منفعت کی صورت میں کبھی کسی منفعت کی تکمیل ہوتی ہے اور کبھی شروع سے اس کا حصول جیسے کہ دفع مضرت کی صورت میں کبھی ضرر کی تقلیل وتخفیف ہوتی ہے اور کبھی اس کا مکمل ازالہ جیسا کہ مصلحت کی تعریف میں واضح بھی کردیا گیا ہے۔ (۳) فواتح ج/۲، ص/۲۶۶، المصادر ص/۸۸، المدخل ص/۳۱۱۔

(ہ) شرعی دلائل سے اس کا مصلحت ہونا ثابت ہو، یعنی اگرچہ کسی نص سے اثبات یا نفی کے ساتھ اس مصلحت کا ثبوت نہ ہو، مگر شرعی اصول وقواعد سے یہ سمجھا جاتا ہو کہ شریعت اس کو گوارہ کرتی ہے اور مصلحت کے درجہ میں رکھتی ہے۔ (۱)

۱۰- امثلہ:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قرآن مجید کو کتابی صورت میں جمع کرانا، حضرت عثمان کا اسی مجموعہ کی نقول کو تمام عالم اسلام میں بھیجنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ پانے والوں کے لیے رجسٹر کو جاری کرنا، اسلامی سکے ڈھلوانا اور اس طرح کے بہت سے انتظامی امور جن کو مصالح کے پیش نظر اپنایا گیا، حالانکہ ان مصالح کا تذکرہ کسی نص میں نہیں ہے۔ (۲)

۱۱- قواعد استصلاح:

سابقہ تفصیلات سے ظاہر ہے کہ "استصلاح" کی بنیاد "مصلحت" ہوتی ہے، جیسے کہ قیاس کی بنیاد "علت" ہوتی ہے۔ (۳)

اور وہ مصلحت بھی ایسی کہ شریعت کے کسی جزئیہ سے اس کا رد یا قبول ثابت نہ ہو، ظاہر ہے کہ کسی ایسی "مصلحت" کی تجویز کہ جس کا شریعت کی رو سے قبول ثابت نہ ہو تو رد بھی ثابت نہ ہو، اور اس تجویز کردہ مصلحت کو کسی حکم شرعی کی بنیاد بنانا نہایت ذمہ داری کا کام ہے، اور دین کی گہری واقفیت وبصیرت کا محتاج ہے، اس لیے عہد صحابہ وتابعین میں تو اس سے بہت کام لیا گیا، بلکہ زیادہ تر اسی سے کام لیا گیا، مگر بعد میں "قیاس" وغیرہ کی طرح اس کے اصول وضوابط کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے حق میں احتیاط برتی گئی۔

اور علت کی بنیاد پر احکام کے بیان کو زیادہ پسند کیا گیا اور ترویج دی گئی اور

---

(۱) المدخل ص ۳۰۱-۳۰۲، المصادر ص ۹۹-۱۰۰۔ (۲) المصادر ص ۹۸۔ (۳) مصلحت وعلت کے درمیان فرق علت کے بیان کے تحت واضح کیا جا چکا ہے۔

بہت سے ایسے قواعد بھی اپنائے گئے، جو''استصلاح'' کے باب میں رہنمائی کا کام کرسکیں اوراس کی بنیاد بن سکیں، چنانچہ ''مصالح'' سے متعلق جو تفصیلات ذکر کی گئی ہیں، ان کی تجدید کا منشا یہی ہے، نیز وہ قواعد جن کے ظاہر الفاظ ہی مصالح کی رعایت کو بتاتے ہیں، اسی قبیل سے ہیں، مثلاً "الضرر يزال" (ضرر کو دور کیا جاتا ہے)، "دفع المضرة أولى من جلب المنفعة" (منفعت کی تحصیل کے مقابلہ میں دفع مضرت اولیٰ ہے)، "الضرورات تبيح المحظورات" (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں)، "المشقة تجلب التيسير" (مشقت سہولت پیدا کردیتی ہے)، اس قسم کے بہت سے قواعد (۱) جن کا خصوصی مخزن علامہ ابن نجیم مصری کی کتاب "الأشباه والنظائر" اور مفتی عمیم الاحسان صاحب کی کتاب "قواعد الفقه" ہے۔

---

(۱) المصادر ص/۸٦-۸۷، تاریخ التشریع الاسلامی ص/۲۰۰، المدخل ص/۴۴۲-۴۴۹۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ استصلاح قواعد مصلحت سے استدلال کا نام ہے، اور قیاس علل احکام سے استدلال کو کہتے ہیں، یعنی اگر کسی غیر منصوص صورت کا حکم بیان کرنے میں قواعد مصلحت کو بنیاد بنایا جائے تو اسے استصلاح کہیں گے اور اگر علل کو بنیاد بنایا جائے تو قیاس کہیں گے، مگر جیسا کہ شرائط کے ذیل میں ذکر کیا گیا استصلاح کے لیے شرط ہے کہ کوئی مناسب مقیس علیہ موجود نہ ہو، ورنہ محض مصلحت کی بنیاد پر فیصلہ جائز نہ ہوگا۔ الاسعدی۔

باب چہارم

استصحاب

۱-تعریف:

(الف) لغوی: ساتھ میں لینا ور کھنا۔

(ب) اصطلاحی: کسی چیز کے سابق حال وحکم کو حجت بنانا۔(۱)

یعنی کسی شے کو اس کے سابق حال وحکم پر باقی رکھنا، کسی ایسی مستقل دلیل کے بغیر جس سے اس حال وحکم کا بقاء ثابت ہو۔

۲- حجیت واہمیت:

''استصحاب'' فطری دلیل ہے، دستور چلا آرہا ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود و ثبوت کا کسی ذریعہ سے علم ہو تو جب تک کوئی دلیل اس کے خلاف نہ پائی جائے، اس کو موجود ہی مانا جاتا ہے، ایسے ہی اگر کسی چیز کا عدم وجود طے ہو تو جب تک اس کے وجود پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل سامنے نہ آئے، اسے معدوم قرار دیا جاتا ہے، اس کی اسی حیثیت کی بناء پر فقہاء بھی اسے استعمال کرتے ہیں، جبکہ انھیں کسی چیز کا حکم کسی دوسری دلیل سے معلوم نہ ہو سکے، اسی لیے اصولیین نے اسے افتاء کا آخری مدار وسہارا قرار دیا ہے، جیسا کہ آپ تعارض دلائل کے تحت ملاحظہ فرمائیں گے۔

اور فقہ کے بعض کلی قواعد کی بنیاد اسی ''استصحاب'' پر ہے، مثلاً:

---

(۱) الاشباہ ص/۷۳۔

(الف) "الأصل بقاء ما كان على ما كان."

(ب) "الأصل براءة الذمة" (اصل یہ ہے کہ ہر انسان دوسروں کے حقوق ومطالبات سے بری الذمہ وخالی ہو)۔

(ج) "الأصل فی الأشیاء الإباحة."

(د) "الیقین لا یزول بالشك" وغیرہ۔

۳-اقسام:

دو ہیں: (الف) استصحاب عدم اصلی۔ (ب) استصحاب حکم شرعی۔

(الف) استصحاب عدم اصلی:

۱-تعریف:

کسی چیز کے حق میں اصلاً نہ ہونے کو حجت بنانا۔

۲-مثال:

کسی انسان پر دوسرے کے حقوق کا نہ ہونا، اس لیے کہ اصل یہی ہے کہ ہر آدمی بریٔ الذمہ ہو، اور اس پر کسی کا کچھ نہ ہو، اسی لیے اگر کوئی شخص کسی پر کوئی دعویٰ کرتا ہے، تو اسے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے گواہ پیش کرنے پڑتے ہیں۔

(ب) استصحاب حکم شرعی:

۱-تعریف:

شریعت کے سابق حکم کو حجت بنانا، خواہ حکم اثبات کا ہو یا نفی کا۔

۲-مثال:

نکاح کے بعد زوجیت کا باقی رہنا۔

۳-حکم:

اس کے ذریعہ دوسرے کے دعویٰ کو رد کیا جاسکتا ہے، مگر اس کی بنیاد پر کوئی حق نہیں ثابت کیا جاسکتا۔(۱)

۴-مثال برائے توضیح:

ایک چیز مدتوں سے بکر کے پاس ہے، زید دعویٰ کرے کہ یہ چیز میری ہے تو اس کا دعویٰ مقبول نہ ہوگا، جب تک کہ گواہ نہ پیش کرے اور وہ چیز بکر کی ہی قرار دی جائے گی۔ اور اگر یہی چیز کسی طرح بکر کے پاس سے زید کے پاس چلی آئے اور بکر دعویٰ کرے کہ یہ میری ہے، اس لیے کہ مدتوں سے میرے پاس تھی، تو بکر کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، پہلی صورت میں استصحاب کو زید کا دعویٰ رد کرنے کے لیے حجت بنایا گیا اور دوسری صورت میں بکر کا حق ثابت کرنے کے لیے اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

''مفقود'' یعنی وہ شخص جو لاپتہ ہوجائے اور اس کی زندگی وموت کی خبر معلوم نہ ہو، تو ایک خاص عرصہ تک اس کو زندہ ہی قرار دیا جاتا ہے، اس لیے کہ موت کا کسی دلیل سے علم نہیں ہوتا، اور یہی استصحاب ہے، ایسے شخص کے احکام میں سے یہ ہے کہ نہ تو اس کی بیوی دوسرا نکاح کرسکتی ہے(۲) اور نہ ہی اس کا مال تقسیم کیا جاسکتا ہے، استصحاب کی بناء پر دوسروں کے دعویٰ ومطالبوں کو رڈ کیا جاتا ہے، اور اگر اس کا کوئی قریبی عزیز مرجائے تو میراث میں اس کا حصہ نہیں لگایا جاتا، یعنی استصحاب کو اس کے لیے استحقاق میراث کے حق میں دلیل نہیں بنایا جاتا۔(۳)

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۳۵۹، توضیح ص/۵۸۷، نور ص/۲۳۸، المصادر ص/۱۵۱-۱۵۳، اصول الخلاف ص/۹۱-۹۲، استصحاب کا حکم مذکور بعض اکابر متقدمین احناف کا مذہب ہے مثلاً ابومنصور، ابوزید دبوسی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الدین بزدوی، متاخرین اس کی حجیت کے قطعاً منکر ہیں۔ (۲) یہ بہت سے علماء شرعی پنچایت کے ذریعہ طلاق حاصل کرکے نکاح کی اجازت دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو الحیلۃ الناجزہ۔ الاسعدی)۔

(۳) الاشباہ ص/۴۷، اصول وعمدہ ص/۱۰۷۔

خاتمہ

باب اول : تعارض دلائل۔

باب دوم : اجتہاد وتقلید۔

باب اول

تعارض دلائل

کبھی ایک ہی معاملہ و مسئلہ سے متعلق دلائل ہمارے علم کی نسبت سے باہم متعارض ہوتے ہیں، اس صورت میں کیا طریق کار اپنایا جائے، یہ بحث طویل بھی ہے اور دقیق بھی، مختصراً چند اہم اصولی باتیں ذکر کی جارہی ہیں، جو اس باب کے حق میں تعارف و رہنمائی کا کام کرسکیں۔

۱-تعریف:

(الف) لغوی: باہم ٹکرانا۔

(ب) اصطلاحی: دلائل سے حاصل ہونے والے احکام کا ایک دوسرے کے خلاف اس طور پر ہونا کہ ایک پر عمل سے دوسرے کا چھوڑنا لازمی ہو۔

۲-شرائط تعارض:

تعارض کے تحقق کے لیے چار چیزوں میں اختلاف اور چار میں اتحاد ضروری ہے۔

(الف) اختلافی امور:

ایجاب و نفی میں کہ ایک ایجاب و اثبات کا تقاضا کرے اور دوسری نفی و انکار کا۔

حلت و حرمت میں کہ ایک حلت کا اور دوسری حرمت کا تقاضا کرے۔

(ب)اتفاقی امور:

۱-وقت۔۲-محل۔۳-شخص۔۴-جنس۔

جب کسی معاملہ سے متعلق دو دلیلیں چار امور کے حق میں مختلف ہوں اور آخری چار میں متحد ہوں تو اس وقت ان میں تعارض ثابت ہوتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں، ایک ہی چیز کی بابت، ایک ہی شخص کے لیے، ایک ہی قسم کے دلائل کا حلت وحرمت یا اثبات ونفی کے حق میں اس طور پر اختلاف ہو کہ کسی ایک پہلو کو اختیار کرنے پر دوسرے پہلو کا چھوٹنا ضروری ہو۔

تنبیہ:

قرآن وحدیث کے دلائل میں اس انداز کا باہمی اختلاف ہمارے علم کی نسبت سے ہوتا ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں، اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت کا بخوبی علم ہوتا۔ ہے کہ کیا حکم کس موقع ومحل وحال کے لیے ہے اور کیا کس کے لیے، ہم بندے چونکہ اپنے علم کے مطابق اس کے سمجھنے سے عاجز ہوتے ہیں، اس لیے ہمیں تعارض واختلاف سمجھ میں آتا ہے۔

۳-تعارض کو دور کرنے کا طریقہ:

اگر کسی ایسے مسئلہ کی بابت اجماع مل جائے تو وہی مدار ومعتبر ہوگا، ورنہ چونکہ دلائل مختلف قسم کے ہوتے ہیں، اس لیے دفع تعارض کے لیے مختلف صورتیں و طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔(۱)

(الف) قرآنی دلائل:

یعنی اگر دونوں دلیلیں قرآن کی آیات ہوں تو:

۱-اگر کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ کون سی آیت پہلے اور کون سی بعد

---

(۱) فواتح ج/۲، ص/۱۹۱۔

میں نازل ہوئی تو ''نسخ'' کے قول کو اختیار کیا جائے گا، بعد والی کو ناسخ اور پہلے والی کو منسوخ قرار دیا جائے گا۔

۲- اگر یہ ممکن نہ ہو ترجیح کو اپنایا جائے گا اور اصول ترجیح کی مدد سے ایک کو دوسرے پر راجح ومقدم قرار دیا جائے گا۔

ترجیح کی بنیاد دلیل کی قوت وضعف ہوتی ہے، جس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ ''اصل اول'' کے تحت بعض مواقع پر اس سلسلہ کی توضیحات ومثالیں مذکور ہیں، ترجیح کی بنیاد دلائل کی کثرت نہیں ہوتی کہ اگر ایک پہلو سے متعلق یا ایک قسم کے دلائل زیادہ ہوں تو انھیں دلائل کا اعتبار ہو اور قلت کا نہ ہو، البتہ اگر کثرت تواتر وشہرت کی حد کو پہنچ جائے تو کثرت ہی ترجیح کا مدار ہوگی، اگر چہ یہ قاعدہ سنت کے ہی دلائل میں چلے گا، دوسری جگہ نہیں کہ تواتر وشہرت کی بحث اسی کے تحت آتی ہے۔

ترجیح کے بہت سے اصول ہیں، اور کتاب وسنت اور قیاس ہر ایک کے لیے بعض مشترک ہیں، اور بعض ممتاز یعنی کسی ایک کے لیے۔

۳- اگر ترجیح ممکن نہ ہو تو بقدر امکان دونوں کو جمع کرنے کی کوئی صورت اختیار کی جائے گی۔

جمع کے بھی مستقل اصول ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(الف) اگر دونوں خاص ہوں تو ایک سے حقیقت اور دوسرے سے مجاز یا ایک سے ایک حال اور دوسرے سے دوسرا حال مراد لیا جائے گا۔

(ب) اگر دونوں مطلق ہوں تو ایک میں قید لگا دی جائے گی۔

(ج) اگر دونوں عام ہوں تو ہر ایک کو الگ الگ انواع پر محمول کریں گے، یعنی ایک سے ایک نوع اور دوسری سے دوسری نوع مراد لیں گے۔

(د) اگر ایک عام اور ایک خاص ہو تو عام کو مخصوص قرار دیں گے۔

(۵) ایک کا تعلق قرآن سے اور ایک کا سنت سے ہو اور سنت متواترہ یا مشہور ہو تو قرآن کے حکم پر سنت کے حکم کا اضافہ کر دیں گے، ورنہ فرق مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں پر عمل کریں گے، قرآنی حکم کو فرض اور سنت سے ثابت حکم کو واجب و مسنون قرار دیں گے۔

۴۔ جمع بھی ممکن نہ ہو تو احادیث کی طرف اور وہ نہ ہوں تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کریں گے، اور ان سے حل نہ ہو سکے تو قیاس کا سہارا لیں گے۔ (۱)

(ب) سنت کے دلائل:

ان کے تعارض میں بھی سابق تفصیل ہوگی۔

اولاً نسخ وہ ممکن نہ ہو تو ترجیح سنت کے اصول ترجیح کے مطابق وہ ممکن نہ ہو تو سنت کے اصول جمع کے مطابق جمع، اور جمع بھی ممکن نہ ہو تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(ج) اقوال صحابہ:

ان میں اگر تعارض ہو اور ترجیح و جمع ممکن نہ ہو تو سب کو چھوڑ دیں، ایسا نہیں کیا جائے گا بلکہ دل کے رجحان وانشراح کے مطابق کسی ایک صحابی کے قول کو اختیار کر لیا جائے گا۔ (۲)

(د) قیاس:

اگر اقوال صحابہ نہ مل سکیں تو قیاس کی طرف رجوع کریں گے اور اگر خود قیاسی دلائل میں تعارض ہو کہ ایک حکم کی جو علتیں بذریعہ قیاس نکالی جائیں وہ متعارض ہوں تو ترجیح کو اختیار کریں گے اور ترجیح ممکن نہ ہو تو دل کے انشراح ورجحان کے مطابق ایک پر عمل کریں گے۔ (۳)

---

(۱) فواتح ج ۲، ص/ ۱۲۹، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۰۴، ۲۱۱، ۲۲۴، حسامی ص/ ۷۸۔ (۲) فواتح ج ۲، ص/ ۱۹۳۔
(۳) فواتح ج/ ۲، ص/ ۱۹۳۔ قیاس کے حق میں ترجیح کے مستقل ضوابط وقواعد ہیں۔

(د) استحسان:

استحسان وقیاس میں تعارض ہو تو حسب ضابطہ کبھی قیاس کو اور کبھی استحسان کو ترجیح ہوتی ہے۔(۱)

(و) استصحاب:

اگر قیاس سے حل نہ نکلے تو اصل وسابق حال وحکم کو اختیار کیا جائے گا۔(۲)

۴-امثلہ:

(الف) جس عورت کا شوہر مر جائے، اس کی عدت کے متعلق ایک آیت ہے:

"وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً"(۳)

(اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار مہینے دس دن اپنے کو روکے رکھیں)۔

اور دوسری میں اس کی عدت کے لیے سال بھر کی مدت (۴) مذکور ہے۔

پہلی کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ پہلی بعد میں نازل ہوئی ہے۔

(ب) پہلی آیت میں مذکور ہے کہ جس عورت کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے، اور کسی حال کی قید نہیں ہے، جیسے کہ مطلقہ عورت کے لیے فرمایا گیا ہے "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ" (۵) (اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین مہینے روکے رکھیں) کہ بغیر کسی قید کے اس کے لیے تین حیض عدت متعین کی گئی ہے، اور اس کے برخلاف ایک آیت میں ایک خاص حالت کی

---

(۱) فواتح ج ۲/ ص ۳۲۰-۳۲۱، توضیح ص/ ۵۸۹۔ قیاس واستحسان کے درمیان ترجیح کا ضابطہ مختصر استحسان کی بحث کے تحت حاشیہ میں مذکور ہے۔ (۲) فواتح ج ۲/ ص ۱۹۲، رسائل ص ۷۹۔ (۳) بقرہ ۲۳۴۔ (۴) البقرہ/ ۲۴۰۔ (۵) البقرہ/ ۲۲۸۔

قیدلگا کر دوسری عدت مذکور ہے، یعنی حاملہ عورت کے لیے ارشاد ہے "وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" (۱)(اور حمل والی عورتوں کی عدت بچہ جننے تک ہے)۔

اوپر والی دونوں آیات عام ہیں، اور یہ خاص ہے، اس لیے ان دونوں سے اس خاص حالت والی عورت کو خارج قرار دیا گیا ہے، اور اس عام کو مخصوص مان لیا گیا ہے، جیسے کہ وہ مطلقہ عورتیں جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو یا آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، ان کی عدت تین مہینے بیان کی گئی ہے (۲)، وہ بھی تین حیض والی آیت وحکم سے خارج ہیں۔

---

(۱) الطلاق/۴۔ (۲) ایضا۔

باب دوم

اجتہاد

۱- تعریف:

(الف) لغوی: کسی کام کے لیے بھرپور کوشش کرنا، اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے کی حد تک کام کرنا۔ (۱)

(ب) اصطلاحی: شرعی دلائل کی روشنی میں احکام شرع کو جاننے کے لیے اپنی علمی وفکری صلاحیتوں کو پورے طور پر صرف کرنا۔ (۲)

۲- جواز:

کتاب وسنت سے ثابت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے عملاً منقول ہے، ارشاد ربانی:

"إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرَاكَ اللّٰهُ" (۳)

(ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ خدا کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کریں)۔

"وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ" (۴)

---

(۱) المدخل ص/۵۲، ارشاد ص/۲۵۰۔ (۲) تاریخ التشریع ص/۱۱۳، تاریخ المذاہب ج ۲، ص ۱۰۰، المصادر ص/۷۔ (۳) النساء/۱۰۵۔ (۴) النساء/۸۳۔

(اور اگر اس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے)۔

ان دونوں آیات کے تحت علماء نے جواز اجتہاد کا ذکر کیا ہے بلکہ "مشورہ" جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا گیا تھا "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" (۱) (اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو)، اور جس کا تذکرہ اہل ایمان کی مدح کرتے ہوئے، وجوہ مدح وتعریف کے ضمن میں آیا ہے "وَأَمْرُهُمْ شُوْرَىٰ بَيْنَهُمْ" (۲) (اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں)، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اس کا بڑا اہتمام تھا، اس کا حاصل اجتہاد اور آراء کا اظہار ہی ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث شروع کتاب میں گذر چکی ہے، اور عملی ثبوت کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ (۳)

۳- ضرورت واہمیت:

شریعت محمدیہ قیامت تک کے لیے ہے، اور اس کی کتاب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی، اور دونوں میں انسانوں کو درپیش ہونے والے ایک ایک مسئلہ کا وضاحت کے ساتھ ذکر نہیں ہے، اور نہ یہ ممکن تھا، اس لیے بھی کہ سارے حالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیش نہیں آئے، بلکہ آج تک پیش آرہے ہیں، اور قیامت تک آتے رہیں گے، اور اس لیے بھی کہ اگر ایک ایک حال کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تو قرآن جیسی مختصر کتاب اور احادیث کا وسیع ترین ذخیرہ بھی محدود ہونے کی وجہ سے اس تفصیل کا حامل کیونکر ہوتا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر ان دونوں سے استفادہ آسان کہاں رہ جاتا۔

اس لیے کتاب وسنت دونوں کو احکام شرع کے بیان کے لیے اصل الاصول

---

(۱) آل عمران/ ۱۵۹۔ (۲) شوریٰ/ ۳۸۔ (۳) المدخل ص/ ۲۸۴،۵۳، المصادر ص/ ۳۲-۳۴۔

قرار دے کر ایک خاص حکیمانہ انداز میں ان دونوں میں احکام کا تذکرہ کیا گیا ہے اور وہ یوں کہ کچھ احکام تو نہایت صاف و واضح الفاظ میں مذکور ہیں کہ ہر پڑھنے والا، سننے والا ان الفاظ کی مراد کو سمجھتا ہے اور ان سے ان احکام کو جان لیتا ہے اور کچھ احکام اس انداز میں مذکور ہیں کہ الفاظ قرآن سے ان کو سمجھنے و جاننے کے لیے غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے، خواہ اس کی کوئی صورت ہو اور خواہ یہ غور وفکر جتنے مراحل سے گذرے۔

انھیں دوسری قسم کے احکام کے پیش نظر خاص طور سے کلام نبوی کے ذریعہ قرآن مجید کی تشریح وتوضیح کی ضرورت پڑی، اگرچہ کلام نبوی میں بھی یہی دونوں انداز اپنائے گئے ہیں، مگر قرآن کے مقابلہ میں زیادہ وسعت کے ساتھ ذخیرۂ سنت میں احکام کا وضاحت کے ساتھ تذکرہ و بیان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد توضیح وتشریح کا یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا اور ضرورت برابر باقی ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر کلام اللہ سے اور احادیث نبویہ سے دوسری قسم کے احکام کو جاننے و سمجھنے کے لیے ہر دور کے فقہاء و مجتہدین نے شرعی وسائل سے کام لیا ہے، اور نئے نئے پیش آنے والے حالات و مسائل کے احکام کو بیان کیا ہے۔

یہ کام اگر اجتماعی طور پر ہوا تو ''اجماع'' کہلایا، جس کی تفصیلات گزر چکی ہیں، اور جو انفرادی طور پر ہوا یا ہوتا رہتا ہے وہ ''اجتہاد'' کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کو ''رائے، وعقل وقیاس'' کے ذریعہ احکام کے استنباط واستخراج کے عنوان سے بھی ذکر کرتے ہیں، اگرچہ جیسا کہ آئندہ آرہا ہے ''اجتہاد وقیاس'' دونوں ہر اعتبار سے ایک ہی چیز نہیں ہیں، بلکہ دونوں میں فرق ہے۔(۱)

۴- اجتہاد کی حقیقت وحیثیت:

یہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ احکام ثابت کیے جاتے ہیں، بلکہ اجتہاد کی تمام

---

(۱) المدخل ص/ ۵۰-۵۲ و ۲۸، المصادر ص/ ۹-۳۴، ۳۵- ان حوالجات سے مستفاد ہے۔

صورتوں کے ذریعہ بایں معنی احکام کا علم ہوتا ہے کہ ان کی آمدہ صورتوں کے احکام کا ظہور ہوتا ہے، اسی لیے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ "قیاس" احکام کے لیے "مُثبت" یعنی ثابت کرنے والا نہیں ہوتا، بلکہ احکام کا "مُظہر" یعنی ان کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے، اور یہی معاملہ "اجماع" کا بھی ہے، اس لیے کہ واضح کیا جاچکا ہے کہ "اجماع" بھی رائے ہی ہے، فرق یہ ہے کہ وہ اجتماعیت واتفاق کے ساتھ متصف ہوتی ہے۔(۱)

۵-اہل اجتہاد:

وہ عاقل وبالغ مومن جس کے اندر شرائط اجتہاد موجود ہوں۔

☆ مذکورہ تصریح سے ظاہر ہے کہ اجتہاد کے لیے ایمان اور شرائط اجتہاد کا وجود ضروری ہے، اسی لیے نبی بھی اجتہاد کرسکتا ہے، اور افراد امت بھی اور افراد امت کو یہ حق نبی کی زندگی میں بھی ہوتا ہے، جیسے کہ وفات کے بعد ہوتا ہے، البتہ نبی کی زندگی میں انھیں افراد کو حق ہوتا ہے کہ جو نبی سے اتنی دور ہوں کہ درپیش معاملہ میں نبی سے رجوع اور جواب کا حصول آسان نہ ہو، یا نبی کے ساتھ ہوں اور انھیں خصوصی اجازت حاصل ہو، اس لیے کہ اس اجازت کے بعد پھر غلطی کا احتمال نہیں رہ جاتا، اور اگر ہو تو اصلاح ہوجاتی ہے۔

نبی وغیر نبی کے اجتہاد میں فرق:

اگرچہ اجتہاد کا حق نبی وغیر نبی دونوں کے لیے رکھا گیا ہے مگر دونوں میں یہ اصولی فرق ہے کہ نبی چونکہ صاحب وحی اور شریعت کا مدار ہوتا ہے، اس لیے اس کا اجتہاد حق کے عین مطابق ہوتا ہے، اور اگر کسی قسم کی کوئی کمی ہو تو بذریعہ وحی اس کی تکمیل ونشاندہی کردی جاتی ہے۔

اور غیر نبی کے اجتہاد میں صحت وخطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اگرچہ حکم یہ

---

(۱) الصادر ص/۱۰ او ۲۷۔

ہے کہ ہر مجتہد اپنے اجتہاد کے حق میں اور اسی طرح اس کی پیروی کرنے والے اس کے اجتہاد کے حق میں صحت کا گمان غالب رکھ کر اس اجتہاد پر عمل کریں اور دوسرا مجتہد اس اجتہاد کی بابت خطا کا گمان رکھ کر اپنے اجتہاد پر عمل کرے، اس لیے کہ اس کے حق میں اس کے اجتہاد کی صحت گمان غالب کے درجہ میں ہوتی ہے۔(۱)

۶-شرائط اجتہاد:

حسب ذیل ہیں:(۲)

(الف) عربی زبان سے متعلق علوم سے اس درجہ واقف ہونا کہ کسی بھی عربی کلام وعبارت کے معنی ومفہوم کو بخوبی سمجھا جاسکے۔

(ب) قرآن وحدیث سے متعلق وماخوذ ان علوم سے واقف ہونا کہ جن سے واقفیت کے بغیر ان کے معنی ومفہوم کو نہیں سمجھا جاسکتا۔

(ج) ان آیات وروایات کا علم جن میں احکام کا بیان ہے۔

(د) امت کے اجماعی واجتہادی مسائل جو پہلے سے طے کیے جاچکے

---

(۱) فواتح ج/۲،ص/۳۶۳-۳۶۶و۳۷۰و۳۷۴-۳۷۶۔

(۲) شرائط اجتہاد بحث وتحقیق کا اہم ووسیع موضوع ہے، جس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، یہاں شرائط کے طور پر جو امور ذکر کیے گئے ہیں، یہ ایک اجمالی آئینہ ہیں، ان میں سے ابتدائی پانچ کسبی ہیں، جو جدوجہد سے حاصل کیے جاسکتے ہیں اور آخری حقیقتاً وہبی وعطائے خداوندی، جو ترقی کرتے ہوئے اس مرحلہ میں پہنچ جاتا ہے کہ اجتہاد وقیاس کی بنیاد پر کیا گیا فیصلہ شارع کے بیان کردہ حکم وفیصلہ کے عین مطابق ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے کچھ مہر طے کیے بغیر نکاح کیا اور صحبت سے پہلے مر گیا تو کیا حکم ہوگا؟ فرمایا: اس پر عدت ہوگی اور مہر مثل اور میراث میں حصہ ہوگا، ان کے یہ فرمانے کے بعد حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر فرمایا کہ ہمارے خاندان کی ایک عورت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ یہی فیصلہ فرمایا تھا (ابوداؤد والترمذی والنسائی، مشکوۃ ص/۲۷۷)۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ اس صلاحیت کو بروئے کار لانے اور ترقی دینے میں ان کسبی واختیاری امور کا بڑا دخل ہے، بلکہ اس کے ظہور کی بنیاد یہی امور بنتے ہیں، اسی لیے ذکر کرنے والوں نے اس شرط کو اس عنوان سے ذکر کیا ہے کہ ان امور سے اس درجہ میں ہوجائیں جیسا کہ عموماً ہر علم وفن کے کسبی شرائط کا التزام واہتمام کرنے کے نتیجہ میں ماہر علم وفن ہوتا ہے۔ (اعلام عن الخطیب قول الشافعی ج/۱،ص/۴۶، مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ص/۹)۔

ہیں، ان کا علم۔

(و) اجتہاد کے اصول و قواعد، احکام شرع کے مصالح و مقاصد اپنے ماحول و معاشرہ اور زمانہ کے حالات و ضروریات کا علم۔

(و) دلائل پر غور و فکر کر کے احکام کے استنباط کا ملکہ و صلاحیت جسے ''فقہ النفس'' کا عنوان دیا جاتا ہے۔(۱)

۷۔مواقع اجتہاد:

وہ امور و معاملات ہیں، جن کے احکام کا تذکرہ کتاب و سنت کے صریح الفاظ میں موجود نہ ہو، خواہ ان کا تذکرہ ہی نہ ہو، یا تذکرہ ہو مگر توضیح و تشریح کی ضرورت ہو، صراحت کے ساتھ منصوص قطعی مسائل نیز اتفاقی مسائل کے حق میں اجتہاد کی نہ ضرورت ہے اور نہ اجازت۔(۲)

۸۔حکم اجتہاد:

حالات کے اعتبار سے احکام مختلف ہیں:

(الف) اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے کہ اس کا حکم پہلے سے معلوم نہ ہو اور جس زمانے یا علاقے میں پیش آیا ہے، وہاں ایک ہی آدمی اجتہاد کی اہلیت رکھنے والا پایا جاتا ہو، تو اس واقعہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے اس شخص پر اجتہاد فرض عین ہے۔

(ب) اور اگر ایسی صورت میں متعدد اہل اجتہاد پائے جاتے ہوں تو اجتہاد فرض کفایہ ہے۔

(ج) اور جو حالات پیش آ سکتے ہوں ان کے حق میں اجتہاد مستحب ہے۔

(د) صریح قطعی دلیل کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنا حرام ہے۔(۳)

---

(۱) فواتح ج ۲، ص ۳۶۳-۳۶۴، توضیح ص ۱۰۲، مقدمہ ص ۱۵۱، ... ص ۹، ... اجتہاد ص ۱۲-۱۳، تاریخ التشریع الاسلامی ج ۲، ص ۱۰-۱۱۔ (۲) مصادر ص ... ۱۲، اصول خلاف ص ۲۰۹۔
(۳) فواتح ج ۲، ص ۳۶۳-۳۶۲۔

۹-اقسام اجتہاد

اجتہاد میں دو تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) تقسیم اول باعتبار طریق عمل۔ (ب) تقسیم دوم باعتبار دائرہ عمل۔

(الف) تقسیم اول باعتبار طریق عمل:

طریق عمل، یعنی اجتہاد کے لیے اپنائی جانے والی کوششوں کی صورتوں کے اعتبار سے اجتہاد کی دو اصولی اقسام ہیں: ۱-اجتہاد بیانی اور ۲-اجتہاد عقلی۔

۱-اجتہاد بیانی:

(الف) تعریف:

کسی نص پر غور وفکر کے بعد اس کے حکم کو بیان کرنا۔

(ب) صورتیں:

اصولی صورتیں کئی نکلتی ہیں:

۱- جس نص کا ثبوت قطعی نہ ہو، غور وفکر کے ذریعہ اس نص کے ثبوت کی حیثیت کو واضح کرنا کہ باعتبار ثبوت معتبر ہے یا نہیں اور اگر معتبر ہے تو اعتبار کے کس درجہ پر ہے، مثلاً کسی غیر متواتر حدیث کے ثبوت کی تحقیق۔

۲- جس نص کی مراد قطعی و متعین نہ ہو (خواہ ثبوت قطعی ہو یعنی قرآن کی آیت ہو یا متواتر حدیث، یا ثبوت بھی قطعی نہ ہو، یعنی غیر متواتر حدیث ہو) لغوی و شرعی اصول وقواعد اور احکام سے مدد لے کر اس کی مراد کو سمجھنا و متعین کرنا۔

۳- کسی نص کی مراد کو سمجھنے کے لیے اصول وقواعد کا وضع کرنا۔

اصل اول کے تحت الفاظ سے متعلق تقسیمات و اقسام کے عنوان سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اور اس کا تعلق انھیں دونوں صورتوں سے ہے مثلاً لفظ ''قرء'' کی مراد کی تعیین۔

اور سر کے مسح میں مقدار فرض کی تعین، امر سے کب کس قسم کا مطالبہ ثابت ہوتا ہے اور نہی ممانعت کے کس درجہ کو بتاتی ہے۔

۴- کسی قطعی ثبوت و مراد والی نص سے ثابت حکم کا عملی درجہ متعین کرنا کہ فرض وواجب ہے یا مستحب ومباح یا حرام ومکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی۔

۵- فقہی قواعد وکلیات کو جزئیات پر تطبیق دینا یعنی جزئیات کے ان سے تعلق اور قواعد کا جزئیات کے شمول کو واضح کرنا۔(۱)

فقہی قواعد وکلیات دو قسم کے ہیں:

اول وہ قواعد وکلیات جو خود شارع کے کلام میں منقول ہیں، خواہ قرآن مجید میں جیسے "إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ" (۲) (بیشک اللہ انصاف اور احسان یعنی ہر کام کو اچھے طریقہ پر کرنے کا حکم دیتا ہے)، یا حدیث نبوی میں جیسے: "إنما الأعمال بالنيات" (۳) (یعنی اعمال کے اللہ کے یہاں معتبر وغیر معتبر ہونے کا مدار نیتوں پر ہے)۔

دوم وہ قواعد وکلیات جن کا کسی نص یا شریعت کے اصول وفروع سے استنباط کیا گیا ہو مثلاً:

"إذا اجتمع الحلال والحرام أو المحرم والمبيح غلب الحرام والمحرم"

(جب حلال وحرام دونوں جمع ہو جائیں یا دلیل حرمت ودلیل اباحت تو حرام اور دلیل حرمت کو ترجیح ہوتی ہے)۔

"إذا اجتمع الحقان قدم العبد" (۴) جب کسی موقع پر اللہ کا حق اور بندے کا حق دونوں جمع ہوں تو بندے کا حق مقدم ہوتا ہے۔

---

(۱) اجتہاد بیانی پر کلام کرنے والوں نے اس کی اتنی صورتیں نہیں ذکر کی ہیں، لیکن ان کی ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں اصولی طور پر چونکہ یہ صورتیں سامنے آئیں، اس لیے ذکر کردی گئیں۔ (۲) النحل/۹۰۔ (۳) متفق علیہ۔
(۴) قواعد الفقہ ص/۵۵۔

(ج) اجتہاد بیانی کی حقیقت

شارع کی مراد کی تحدید وتعین ہے، اسی لیے ساری امت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔(۱)

۲-اجتہاد عقلی:

تعریف:

جس صورت حال کا کتاب وسنت و اجماعیات میں حکم منقول نہ ہو، شریعت کے متعین کردہ اصول وضوابط کی مدد سے غور وفکر کر کے اس کے حکم کو بیان کرنا۔(۲)

(ب) تقسیم دوم باعتبار دائرہ عمل:

اجتہاد کا دائرہ کار، یعنی ان امور کے اعتبار سے جن میں مجتہد اپنی صلاحیتوں سے کام لیتا ہے۔

اجتہاد کی دو اقسام ہیں: ۱-اجتہاد مطلق۔ ۲-اجتہاد مقید۔

۱-اجتہاد مطلق:

جس کو ''اجتہاد مستقل'' اور ''اجتہاد فی الشرع'' بھی کہتے ہیں:

(الف) تعریف:

اصول وفروع کسی چیز میں کسی مجتہد کا پابند ہوئے بغیر ادلہ اربعہ سے احکام شرع کو جاننے کی کوشش کرنا۔

(ب) اشخاص:

حضرات ائمہ اربعہ وغیرہ۔

---

(۱) المدخل ص/۴۳۴-۴۳۵۔ (۲) اجتہاد عقلی کی تفصیلات اصل چہارم کے تحت گزر چکی ہیں۔

۲-اجتہاد مقید:

(الف) تعریف:

کسی مجتہد کا پابند بن کر احکام کی تحقیق وتفتیش کا کام کرنا۔

(ب) اقسام:

چار ہیں: ۱-اجتہاد در مذہب۔ ۲-اجتہاد در مسائل۔ ۳-اجتہاد در تخریج۔
۴-اجتہاد در ترجیح۔

۱-اجتہاد در مذہب:

(الف) تعریف:

تمام یا اکثر اصول وفروع میں کسی امام کا پابند بن کر اصول وفروع کا استنباط وبیان۔

(ب) اشخاص:

تلامذہ ائمہ اربعہ، جیسے امام ابو یوسف وامام محمد رحمہا اللہ وغیرہ۔ (۱)

۲-اجتہاد در مسائل:

(الف) تعریف:

کسی مجتہد کے تمام اصول وفروع کا پابند بن کر نئے پیش آمدہ مسائل کے احکام کا استنباط۔

(ب) اشخاص:

شمس الائمہ حلوائی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، قاضی خاں وغیرہ۔

---

(۱) اس کے لیے اجتہاد انتسابی کا عنوان بھی ذکر کیا جاتا ہے، اس لیے کہ اس کے حاملین، اجتہاد مستقل کی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں، مگر اساتذہ کی تعظیم اور اپنی تواضع کے پیش نظر کسی امام مجتہد کی طرف خود کو منسوب کرتے ہیں اور اس کے مذہب کی تائید وتقویت کرتے ہیں۔

۳-اجتہاد در تخریج:

(الف) تعریف:

علماء مذہب یعنی امام مذہب اور اس کے تلامذہ سے منقول مجمل و محتمل اقوال کی تفصیل کرنا۔

(ب) اشخاص:

ابوبکر جصاص رازی، ابوالحسین کرخی وغیرہ۔

۴-اجتہاد در ترجیح: (☆)

(الف) تعریف:

کسی مسئلہ کی بابت علماء مذہب سے منقول ایک سے زائد روایات کے درمیان ترجیح دینا۔

(ب) اشخاص:

صاحب قدوری، ابوالحسین احمد، صاحب ہدایہ، برہان الدین مرغینانی وغیرہ۔

۱۰-تقلید:

(الف) تعریف:

۱-لغوی: گلے میں کسی چیز کا ڈالنا۔

۲-اصطلاحی: کسی کی بات کو بے دلیل مان لینا۔(۱)

(☆) آخری اقسام اجتہاد کے تحت اس لیے داخل قرار دی گئی ہیں کہ ان امور کے لیے بھی وفور علم اور انتہائی غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے اور اجتہاد کا مصداق جیسے ابتداءً کسی صورت کا حکم معلوم کرنے کے لیے کوشش کرنا، ویسے یہ بھی ہے کہ کسی صورت کے لیے بیان کردہ حکم کو تحقیق کے ساتھ جانا جائے اور اس کے سلسلہ میں غور طلب امور کی تحقیق و تفتیش کے بعد وضاحت کی جائے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے ''عقد الجید'' کی ابتدائی سطور میں نہایت وضاحت کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ الاسعدی۔(۱) فواتح ج/۲، ص/۴۰۱۔

☆ تقلید کی اصل حقیقت یہی ہے، لیکن فقہاء کے نزدیک اس کا مفہوم ہے:
''کسی مجتہد کے تمام یا اکثر اصول وقواعد یا تمام یا اکثر جزئیات کا اپنے آپ کو پابند بنالینا۔''

خواہ یہ پابندی تفصیلی وتحقیقی علم کے بغیر ہو جیسا کہ عام مقلدین کا حال ہوتا ہے یا تفصیلی وتحقیقی علم کے ساتھ، جیسا کہ اکابر اہل علم وتحقیق مقلدین کا حال رہا ہے اور ہوتا ہے، اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ:

(ب) مراحل تقلید:

دو ہیں: ۱-تقلید باتحقیق۔ ۲-تقلید محض۔

۱-تقلید باتحقیق:

کسی مجتہد کی، اس سے منقول مسائل کی بابت تحقیق علم کے ساتھ تقلید کرنا خواہ تمام اصول وفروع میں یا اکثر میں۔

☆ اسی مرحلہ کے پیش نظر اجتہاد ومقید کی چاروں اقسام کو ''تقلید'' کے تحت ذکر کیا جاتا ہے، ایک قسم کے اضافہ کے ساتھ جس کو ''تمییز'' کہتے ہیں۔

یعنی علماء مذہب کے اقوال کی قوت وضعف سے واقف ہونا کہ کون سا قول معتمد وراجح ہے اور کون مرجوح ومردود جیسے صاحب کنز ابوالبرکات احمد نسفی اور صاحب وقایہ تاج الشریعہ محمود بخاری وغیرہ یعنی مقلدین باتحقیق کے پانچ طبقات ہیں: ۱-مجتہد در مذہب۔ ۲-مجتہد در مسائل۔ ۳-اصحاب تخریج۔ ۴-اصحاب ترجیح۔ ۵-اصحاب تمییز۔

۲-تقلید محض:

کسی مجتہد سے منقول مسائل کی بابت تحقیق کے بغیر ان کو نقل کرنا اور ان پر عمل کرنا۔

عام مقلدین مذاہب حتی کہ عام علماء بھی تقلید کے اس مرحلہ میں ہوتے ہیں، البتہ عوام وعلماء کے درمیان علم وجہل کا فرق ہوتا ہے کہ علماء کو براہ راست کتابوں سے مذہب کے اقوال کا علم ہوتا ہے اور عوام کو علماء سے سن کر۔(۱)

۱۱-اجتہاد اور اصول فقہ:

اجتہاد سے متعلق تفصیلات سے ظاہر ہے کہ اجتہاد اصول فقہ کی تمام ابحاث کو شامل ہے، اس لیے کہ اصول چہارگانہ سے احکام کا علم حاصل کرنا ''اجتہاد'' پر مبنی ہے، ''اجتہاد'' کے ذریعہ ہی کسی دلیل سے کسی حکم کا استنباط ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اصولیین اجتہاد کے مباحث کو اخیر میں ذکر کیا کرتے ہیں۔

نیز یہ کہ اصول فقہ کا علم بھی شرائط اجتہاد میں سے ہے۔(۲)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين،

والصلاة والسلام على سيد المرسلين و على آله و صحبه أجمعين.

العبد

محمد عبید اللہ الاسعدی غفرلہ

---

(۱) اجتہاد وتقلید اور ان کے مراحل کی بابت مذکورہ تفصیلات رسم المفتی ص/ ۲۸-۳۴، مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص/ ۸-۹، تاریخ المذاہب الاسلامیہ ج/۲، ص/۱۱۱ و مابعد، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید سے مستفاد ہیں، اجتہاد کے مراحل کی مذکورہ ترتیب تاریخ المذاہب سے ہی ماخوذ ہے، ورنہ عام طور سے یہ طبقات فقہاء یا طبقات مقلدین کے عنوان کے ساتھ مذکور ہیں۔ (۲) تلویح ص/۶۰۳، فواتح ج/۲، ص/۳۶۳۔

اہل حق مذاہب فقہیہ کے
اہم مراجع اصول

(الف) فقہ حنفی:

۱- مؤلفات امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف وامام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۲- کتاب اثبات القیاس، الاجتہاد، خبر الواحد، مؤلفات علی بن موسیٰ قیمی (م-۳۰۵ھ)۔

۳- خبر الواحد، اثبات القیاس، اجتہاد الرائے، یہ تینوں عیسیٰ بن ابان (م-۲۲۰ھ) کی مؤلفات ہیں۔

۴- اصول الشاشی، مؤلفہ اسحاق بن ابراہیم خراسانی شاشی (م-۳۲۵ھ)۔

۵- مآخذ الشرائع، مؤلفہ امام ابو منصور بن محمد ماتریدی (م-۳۳۳ھ)۔

۶- اصول الکرخی، مؤلفہ ابوالحسن عبیداللہ کرخی (م-۳۴۰ھ)۔

۷- الاصول، مؤلفہ ابی بکر احمد جصاص رازی (م-۳۷۰ھ)۔

۸- تقویم الادلہ، وتاسیس النظر، یہ دونوں ابوزید عبیداللہ دبوسی (م-۴۳۰ھ) کی مؤلفات ہیں۔

۹- کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، وشرح تقویم الادلہ، یہ دونوں علی بن محمد بزدوی (م-۴۸۲ھ) کی مؤلفات ہیں۔

۱۰- الاصول، مؤلفہ ابوبکر محمد سرخسی (م-۴۹۰ھ)۔

۱۱- اصول الفقہ، مؤلفہ عمر بن برہان، صدر شہید (م-۵۳٦ھ)۔
۱۲- اصول السمرقندی، مؤلفہ علاء الدین احمد سمرقندی (م-۵۴۰ھ)۔
۱۳- اصول الفقہ، مؤلفہ عبدالغفار کردری (م-۵٦۲ھ)۔
۱۴- تنقیح الاصول، اور اس کی شرح "التوضیح" یہ دونوں صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود (م-۷۴۷ھ) کی مؤلفات ہیں۔
۱۵- التحریر، مؤلفہ کمال الدین بن ہمام (م-۸٦۱ھ)۔
۱٦- منتخب الحسامی، مؤلفہ حسام الدین اخسیکثی (م-٦۴۴ھ)۔
۱۷- منار الاصول، مؤلفہ ابو برکات عبداللہ بن احمد نسفی (م-۷۱۰ھ)۔
۱۸- مسلم الثبوت، مؤلفہ ملا محب اللہ محمد بن عبدالشکور بہاری (م-۱۱۱۹ھ)۔

یہ فقہ حنفی کے اصول سے متعلق اہم و معتمد متون ہیں، ان میں سے متعدد کی نہایت اہم شروح بھی ہیں، جن کو مستقلاً اہمیت حاصل ہے، بالخصوص اصول بزدوی کی شرح بنام کشف الاسرار جو عبدالعزیز بخاری کی تالیف ہے، التحریر کی شرح التقریر و التحریر، جو ابن امیر الحاج محمد بن محمد (م-۸۷۹ھ) کی تصنیف ہے، منار الاصول کی شرح کشف الاسرار مؤلفہ مصنف المنار، اور نور الانوار مؤلفہ ملا جیون احمد بن ابی سعید (م-۱۱۳۰ھ) و شرح ابن ملک عبداللطیف (م-۸۰۱ھ)، مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت مؤلفہ بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی (م-۱۱۸۰ھ) وغیرہ۔

(ب) فقہ شافعی:

۱- الرسالہ، مصنفہ امام شافعی رحمہ اللہ (م-۲۰۴ھ)۔
۲- الامر والنہی علی مذہب الشافعی، مصنفہ مزنی اسماعیل بن یحییٰ (م-۲٦۴ھ)۔
۳- کتاب اصول الفقہ، مؤلفہ حسن بن قاسم طبری (م-۳۰۵ھ)۔
۴- شرح رسالۃ الشافعی، وکتاب البیان فی دلائل الاعلام علی اصول الاحکام،

یہ دونوں ابوبکر صیرفی (م-۳۳۰ھ) کی تالیفات ہیں۔

۵-کتاب الخصوص والعموم والمفصول فی معرفۃ الاصول، مؤلفہ ابراہیم بن احمد بن اسحٰق مروزی (م-۳۴۰ھ)۔

۶-شرح رسالۃ الشافعی، مؤلفہ ابوالوحید حسان نیشاپوری (م-۳۴۹ھ)۔

۷-کتاب الفقہ وشرح الرسالہ، یہ دونوں قفال شاشی (م-۳۶۵ھ) کی مؤلفات ہیں۔

۸-کتاب الاسرار، مؤلفہ ابوحامد احمد بن بشر بصری (م-۳۶۲ھ)۔

۹-شرح رسالۃ الشافعی، مؤلفہ ابوبکر جوزقی (م-۳۸۸ھ)۔

۱۰-کفایۃ القیاس، مؤلفہ عبدالواحد بن حسین (م-۳۸۶ھ)۔

۱۱-تہذیب النظر، مؤلفہ ابی سعید جرجانی (م-۳۹۶ھ)۔

۱۲-شرح رسالۃ الشافعی، مؤلفہ ابومحمد جوینی (م-۴۳۸ھ)۔

۱۳-کتاب اللمع اور اس کی شرح جو ابواسحٰق ابراہیم شیرازی (م-۴۷۶ھ) کی مؤلفات ہیں۔

۱۴-عدۃ العالم والطریق السالم، مؤلفہ ابن الصباغ ابی نصیر (م-۴۷۷ھ)۔

۱۵-البرہان فی الاصول، الورقات، التحفہ، یہ تینوں ابوالمعالی امام الحرمین استاذ امام غزالی (م-۴۷۸ھ) کی مؤلفات ہیں۔

۱۶-کتاب الغنیہ، مؤلفہ عبدالرحمٰن متولی نیشاپوری (م-۴۷۸ھ)۔

۱۷-شفاء المسترشدین فی مباحث المجتہدین، مؤلفہ علی بن محمد کیاہراسی (م-۵۰۴ھ)۔

۱۸-المستصفی، المنخول، شفاء الغلیل، یہ تینوں امام غزالی (م-۵۰۵ھ) کی

۱۹-الوسیط، الوجیز، الوصول الی علم الاصول، مؤلفات ابن برہان احمد بن علی (م-۵۲۰ھ)۔

۲۰-کتاب اصول الفقہ، مؤلفہ علی بن زید بیہقی (م-۵۶۵ھ)۔

۲۱-المحصول، مؤلفہ امام فخر الدین رازی (م-۶۰۶ھ)۔

۲۲-الاحکام فی اصول الاحکام، مؤلفہ سیف الدین آمدی (م-۶۳۱ھ) یہ دونوں سابقہ کتب کی تحقیقات بالخصوص البرہان اور المستصفی کے مسائل کی جامع اور ملخص ہیں۔

۲۳-ابن حاجب جمال الدین عثمان (م-۶۴۶ھ) کی منتہی الوصول والامل فی علمی الاصول والجدل۔

۲۴-قاضی بیضاوی عبداللہ بن عمر (م-۶۹۱ھ) کی المنہاج اور اس کی شرح بھی فقہ شافعی کے اصول کے اہم مآخذ میں شامل ہیں۔

(ج) فقہ مالکی:

۱-کتاب اللمع، مؤلفہ ابو الفرج عمر بن احمد (م-۳۳۱ھ)۔

۲-کتاب الاصول، الابہری محمد بن عبداللہ (م-۳۷۵ھ)۔

۳-التقریب والارشاد، اس کا مختصر، الارشاد التوسط اور مختصر کا مختصر، الارشاد الصغیر، مؤلفات ابی بکر باقلانی محمد بن طیب (م-۴۰۳ھ)۔

۴-کتاب الفصول، مؤلفہ علی بن فضال قیروانی (م-۴۷۹ھ)۔

۵-کتاب الاصول، مؤلفہ عبداللہ بن محمد بابری اندلس (۵۲۳ھ)۔

۶-تنقیح الفصول فی علم الاصول، شرح تنقیح الفصول، العقد المنظوم فی الخصوص والعموم، الفروق، یہ سب قرافی ابو العباس احمد بن ادریس (م-۶۸۴ھ) کی مؤلفات ہیں۔

(د) فقہ حنبلی:

۱-کتاب الناسخ والمنسوخ والمقدم والمؤخر من القرآن، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م-۲۴۱ھ)۔

۲-کتاب العدۃ، اور الکفایہ، مؤلفہ ابو یعلی محمد بن حسن (م-۴۵۸ھ)۔

۳-کتاب التمہید، مؤلفہ ابو الخطاب محفوظ بن احمد (م-۵۱۰ھ)۔

۴-الواضح، اور الاشارۃ، مؤلفہ علی بن عقیل (م-۵۱۳ھ)۔

۵-غرر البیان، مؤلفہ ابن الزاغونی عبداللہ بن نصر۔

۶-المجرد، اور المفردات، مؤلفہ فراء محمد بن محمد (م-۵۲۶ھ)۔

۷-منہاج الوصول الی علم الاصول، مؤلفہ ابن جوزی ابوالحسن عبدالرحمٰن (م-۵۹۷ھ)۔

۸-روضۃ الناظر وجنۃ المناظر، مؤلفہ ابن قدامہ عبداللہ بن احمد مقدسی (م-۶۲۰ھ)۔

۹-القواعد فی الفقہ الاسلامی، مؤلفہ ابن رجب ابوالفرج عبدالرحمٰن (م-۷۹۵ھ)۔

۱۰-القیاس فی الشرع الاسلامی، مؤلفہ امام ابن تیمیہ (م-۷۲۸ھ)۔

(ہ) فقہ ظاہری:

۱-کتاب الاجماع، کتاب الخبر الواحد، ابطال التقلید، ابطال القیاس، کتاب الخبر الموجب العلم، کتاب الخصوص والعموم، کتاب المفسر والمجمل، سب فقہ ظاہری کے بانی داؤد بن علی اصبہانی (م-۲۷۰ھ) کی مؤلفات ہیں۔

۲-کتاب ابطال القیاس، مؤلفہ یشکری حسن بن حسین (م-۲۷۶ھ)۔

۳-کتاب الوصول الی معرفۃ الاصول، مؤلفہ صاحبزادہ امام داؤد محمد بن داؤد۔

۴-کتاب الاعتبار فی ابطال القیاس، مؤلفہ ابراہیم بن احمد (م-۳۷۰ھ)۔

۵-الاحکام فی اصول الاحکام، النبذ فی اصول الفقہ الظاہری، مؤلفہ ابن حزم علی بن احمد (م-۴۵۶ھ)۔

۶-ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مؤلفہ شوکانی محمد بن علی بن محمد (م-۱۲۵۵ھ)۔

حنفی اصول فقہ سے متعلق ہندوستانی علماء کی مؤلفات
(معروف ومتداول کتب کی شروح وحواشی)

(الف) اصول بزدوی کی شروح:

مؤلفات: ۱-علامہ شہاب الدین دولت آبادی (م-۸۴۹ھ)۔ ۲-شیخ الہ داد جونپوری (م-۹۲۳ھ)۔ ۳-شیخ سعد الدین خیرآبادی (م-۸۸۲ھ)۔ ۴-شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (۹۹۸ھ)۔ ۵-ابوبکر قریشی اکبرآبادی۔

(ب) شروح منار الاصول:

۱-سعد الدین محمود دہلوی (م-۸۹۱ھ)۔ ۲-سید یوسف بن جمال ملتانی (م-۹۰۷ھ)۔ ۳-مفتی عبدالسلام اعظمی دیوی (م-۱۰۳۹ھ)۔ ۴-احمد بن ابی سعید امیٹھوی معروف بہ ملا جیون (م-۱۱۳۰ھ) بنام ''نورالانوار''۔ ۵-شیخ نظام الدین محمد سہالوی (م-۱۱۶۱ھ) بنام ''صبح صادق''۔ ۶-شیخ عبدالعلی بحرالعلوم (م-۱۲۲۵ھ) بنام ''تنویر المنار'' بزبان فارسی۔ ۷-مولانا عبدالحلیم لکھنوی والد مولانا عبدالحی (م-۱۲۸۵ھ) بنام ''قمرالاقمار''۔ ۸-شیخ رستم علی قنوجی (م-۱۱۷۸ھ) نے بنام ''ملخص نورالانوار'' نورالانوار کا خلاصہ لکھا ہے۔

(ج) التلویح والتوضیح:

۱-شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (م-۹۹۸ھ)۔ ۲-شیخ یعقوب بن حسن

صوفی کشمیری (م-۱۰۰۳ھ)۔۳-علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (م-۱۰۶۷ھ) ان تینوں حضرات کی شروح ہیں اور متعدد حضرات کے حواشی ہیں۔۴-عبداللہ بن عبدالحکیم سیالکوٹی (م-۱۰۹۳ھ)۔۵-نورالدین محمد صالح گجراتی (م-۱۱۵۵ھ)۔۶-جمال الدین بن رکن الدین گجراتی۔۷-شیخ امان اللہ بن نوراللہ بناری (م-۱۱۳۳ھ)۔ ۸-احمد بن سلیمان گجراتی (م-۱۰۹۲ھ)۔ ۹-حاشیہ برحاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی۔ ۱۰-قاضی عبدالحق بن محمد اعظم کابلی (م-۱۳۲۱ھ)۔۱۱-سید امیر علی بن معظم علی ملیح آبادی (م-۱۳۳۷ھ)۔ ۱۲-مولوی ایوب بن یعقوب اسرائیلی علی گڑھی۔ ۱۳-مولانا قطب الدین شہید سہالوی (م-۱۱۰۳ھ)۔

(د) الحسامی:

۱-شیخ معین الدین عمران دہلوی۔۲-شیخ سعدالدین خیرآبادی (م-۸۸۲ھ)۔ ۳-شیخ یعقوب بن یوسف ملتانی لاہوری (م-۱۰۹۸ھ)۔۴-قاضی عبدالنبی احمد نگری۔ ۵-مولوی عبدالحق بن محمد دہلوی (م-۱۳۳۵ھ)۔ ۶-مفتی برکت اللہ لکھنوی۔۷-مفتی نظام الدین کیرانوی۔۸-مولانا فیض الحسن گنگوہی۔

(ہ) دائرالاصول:

۱-شیخ محمد اعلم بن محمد شاکر سندیلوی (م-۱۱۹۸ھ)۔۲-قاضی خلیل الرحمٰن رامپوری۔۳-مولانا عبدالحکیم بن عبدالرب لکھنوی (م-۱۲۸۲ھ)۔

(و) شرح تحریرالاصول لابن ہمام:

مؤلفہ شیخ نظام الدین سہالوی (م-۱۱۶۱ھ) جس کا تکملہ ان کے صاحبزادہ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم نے لکھا ہے۔

(ز) اصول الشاشی:

اس کے بھی متعدد حواشی ہیں، مثلاً: ۱-حاشیہ مولانا فیض الحسن گنگوہی۔

۲-حاشیہ مولانا برکت اللہ لکھنوی۔ ۳-مولانا محمد حسن سنبھلی۔ ۴-مولانا عبدالرشید لکھنوی۔ ۵-حکیم نجم الغنی رامپوری۔ ٦-مولانا محمد حسن سنبھلی۔

(ح) مؤلفہ متون اوران کی شروح:

بہت سے حضرات نے اصول فقہ میں مستقل متون وکتب کی تالیف کا بھی کام کیا ہے، اس سلسلہ کی کتابوں میں: ا-مولانا امان اللہ بنارسی کی کتاب ''المفسر'' جس کی خود انھوں نے شرح بھی کی ہے۔ ۲-راجہ مبارز خاں حسن پوری کی کتاب ''مبارزیہ'' ہے جس کی شیخ نظام الدین سہالوی نے شرح لکھی ہے۔ ۳-مخدوم جہانیان جہاں گشت سید اشرف سمنانی کی کتاب ''الفصول'' ہے۔ ۴-مولانا اسماعیل شہید دہلوی (م-۱۲۴۳ھ) کی کتاب ''مختصر الاصول'' ہے، جس کی شرح مولانا عبدالکریم ٹونکی نے لکھی ہے۔ ۵-مولانا عبدالدائم بن عبدالحی گوالیری کی ''اساس الاصول'' ہے اوراہم کتابوں میں سے ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب ''اصول ابراہیم شاہی'' ہے جوکہ فارسی میں ہے اوراس کی شرح شیخ عبدالنبی گجراتی نے بنام ''المواہب الالٰہی'' لکھی ہے۔

اوراہل علم کے حلقہ میں معروف ومتداول نیز عالمگیر شہرت کی حامل ملا محب اللہ بہاری کی کتاب ''مسلم الثبوت'' ہے، جس کی متعدد اہم شروح ہیں، جن میں سے ملا بحر العلوم کی ''فواتح الرحموت'' ہے، ان کے والد شیخ نظام الدین سہالوی نے بھی اس کی دو شروح لکھی ہیں: ایک ''الاطول'' اوردوسری ''الطویل''۔

(ط) دیگر اہم کتب:

اس سلسلہ کی کتابوں میں اجتہاد وتقلید کے موضوع پر لکھی جانے والی بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں ہیں، ان میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی ''عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید'' نہایت اہم ہے، ایسے ہی ''تنبیہ الضالین وہدایۃ الصالحین'' جوکہ اثبات تقلید

سے متعلق بعض علماء حرمین وعلماء ہند (جن میں سید احمد شہیدؒ کے بعض رفقاء بھی شامل ہیں) کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ ایک اہم کتاب قاضی صبغۃ اللہ بن محمد غوث شافعی مدراسی کی ''ازالۃ الغمۃ فی اختلافات الامۃ'' ہے۔

فقہ شافعی سے متعلق شیخ عبدالوہاب بن محمد غوث مدراسی کی ''کاشف الرموزات الیٰ الورقات'' ہے، ایسے ہی اصول فقہ سے متعلق نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی کی ''حصول المأمول'' ہے۔

(ی) اردو:

دھیرے دھیرے اردو میں بھی بہت سی چیزیں ہوگئی ہیں، جو زیادہ تر نصاب میں شامل کتب کے تراجم وشروح کی صورت میں بعض مستقل رسائل وکتب بھی ہیں، نیز سید عبدالرحیم کلکتہ کی انگریزی زبان میں ایک مبسوط کتاب ہے۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے ملاحظہ ہو الثقافة الإسلامیه فی الهند.

مراجع وماخذ

مراجع کے سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ:

۱-عموماً ان سے براہ راست ہی استفادہ کیا گیا ہے، البتہ چند کتابیں ایسی ہیں کہ جن کی معلومات بالواسطہ لی گئی ہیں، ان کے ماخذ کو بتانے کی غرض سے، یا معلومات کے اعتماد و استناد کو ظاہر کرنے کی غرض سے، چنانچہ کشف الاسرار، اصول سرخسی، تقویم الادلہ، التحریر کے حوالے اسی وجہ سے ذکر کیے گئے ہیں، اور بالخصوص کشف الاسرار کے حوالے اسی لیے بکثرت مذکور ہیں۔

۲-بعض کتب جن کا باہمی تعلق متن اور شرح و حاشیہ کا ہے، عموماً ان کے حوالہ جات ایک ہی نام سے ذکر کیے گئے ہیں، مثلاً مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت، کشف الاسرار اور اس کا متن اصول البزدوی، التوضیح والتلویح اور ان کا حاشیہ توشیح۔

۳-ابتدائی مواقع کے بعد حوالہ جات کے سلسلہ میں کتابوں کے پورے پورے نام نہیں ذکر کیے گئے ہیں، بلکہ اختصار سے کام لیا گیا ہے، مثلاً مسلم مع فواتح کو فواتح، کشف الاسرار کو کشف، نورالانوار کو نور، قمرالاقمار کو قمر، اصول الشاشی کو اصول، عمدۃ الحواشی کو عمدہ، مصادر التشریع الاسلامی کو المصادر، تفسیر النصوص کو تفسیر، تیسیر مصطلح الحدیث کو تیسیر اور تدریب الراوی کو تدریب کے عناوین سے ذکر کیا گیا ہے۔

۴-آیات کا ترجمہ حسب موقع بیان القرآن اور فتح المجید ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھری سے لیا گیا ہے۔

۵-حوالہ جات کے اندراج میں یہ اہتمام نہیں کہ ایک پہلو کی تمام معلومات

کے حوالے یکجا ذکر کر دیئے جائیں، یا ہر شق و جزئیہ کے الگ الگ کہیں کہیں تمام معلومات کے حوالے یکجا ہیں اور اکثر ایک ایک دو دو شقوں کے حوالے مذکور ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ کسی قاعدے کے تحت جو حوالے درج ہیں اور وہ قاعدہ من وعن میرے لفظوں میں ان سب میں مسطور نہیں ہے، بلکہ باہم اجزاء کا اختلاف ہے، لیکن حوالہ مجموعی صورت کا جو ذکر کی گئی ہے، اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱- تفسیر ابن کثیر۔ اسماعیل بن کثیر دمشقی۔ مکتبہ عیسیٰ البابی حلبی مصر۔

۲- تفسیر نسفی۔ عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی۔ دار الکتاب العربی بیروت۔

۳- روح المعانی۔ سید محمود آلوسی بغدادی۔ مکتبہ مصطفائی دیوبند۔

۴- احکام القرآن۔ ابوبکر احمد جصاص رازی۔ دار الکتاب العربی بیروت۔

۵- الاتقان فی علوم القرآن۔ جلال الدین سیوطی۔ مکتبہ ثقافیہ بیروت۔

۶- الفوز الکبیر۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مکتبہ نعمانیہ دیوبند۔

۷- مناہل العرفان فی علوم القرآن۔ محمد عظیم زرقانی۔ دار الفکر العربی قاہرہ۔

۸- مشکوٰۃ المصابیح۔ خطیب بغدادی۔ مکتبہ رشیدیہ دہلی۔

۹- نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر۔ ابن حجر عسقلانی۔ مکتبہ علمیہ مدینہ (طبع سوم)۔

۱۰- تدریب الراوی۔ سیوطی۔ دار الکتب الحدیثہ (طبع دوم)۔

۱۱- تیسیر مصطلح الحدیث۔ ڈاکٹر محمود الطحان۔ دار القرآن بیروت (طبع دوم)۔

۱۲- السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی۔ المکتب الاسلامی (طبع دوم)۔

۱۳- فتح القدیر۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام۔ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

۱۴- درمختار ورد المحتار۔ علامہ ابن عابدین شامی۔ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

۱۵- بدائع الصنائع۔ ابوبکر بن مسعود کاسانی۔ مصر ۲۸-۱۳۲۷ھ۔

۱۶- حسامی۔ حسام الدین۔ مکتبہ رحیمیہ دیوبند۔

۱۷- نظامی شرح حسامی۔ نظام الدین کیرانوی۔ مکتبہ رحیمیہ دیوبند۔

۱۸-نور الانوار شرح المنار۔ احمد بن ابوسعید امیٹھوی ملا جیون۔ مکتبہ قیومی کانپور۔
۱۹-قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار۔ مولانا عبد الحلیم لکھنوی۔ مکتبہ قیومی کانپور۔
۲۰-فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت۔ عبد العلی بحر العلوم لکھنوی۔ دار احیاء التراث العربی۔
۲۱-کشف المبہم شرح مسلم الثبوت۔ مولانا عبد الحق خیر آبادی۔ مکتبہ انتظامی کانپور۔
۲۲-اصول الشاشی۔ اسحٰق بن ابراہیم الشاشی الخراسانی۔ مکتبہ رشیدیہ دہلی۔
۲۳-عمدۃ الحواشی۔ مولانا فیض الحسن گنگوہی۔ مکتبہ رشیدیہ دہلی۔
۲۴-المستصفی من علم الاصول۔ امام ابوحامد غزالی۔ دار احیاء التراث العربی۔
۲۵-التوضیح والتلویح مع حاشیہ۔ صدر الشریعہ سعد تفتازانی، امیر علی۔ نول کشور لکھنؤ
۲۶- // // مصری بغیر حاشیہ۔
۲۷-علم اصول الفقہ۔ عبد الوہاب خلاف۔ دار القلم کویت (طبع دوازدہم-۱۲)
۲۸-مصادر التشریع الاسلامی۔ عبد الوہاب خلاف۔ // //
۲۹-المدخل الی علم اصول الفقہ۔ محمد معروف دوالیبی۔ دار العلم للملایین (طبع پنجم)۔
۳۰-تفسیر النصوص فی الفقہ الاسلامی۔ محمد ادیب صالح۔ المکتب الاسلامی۔ (دوم)۔
۳۱-ارشاد الفحول۔ محمد علی بن شوکانی۔ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۹ھ۔
۳۲-کشف الاسرار۔ عبد العزیز بخاری۔ مکتب الصنائع ۱۳۰۷ھ استنبول۔
۳۳-التحریر۔ علامہ ابن ہمام۔ مصطفی البابی الحلبی ۱۳۵۰ھ۔
۳۴-اصول السرخسی۔ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی۔ دار الکتاب العربی مصر ۱۳۷۲ھ۔
۳۵-تقویم الادلہ۔ ابوزید دبوسی۔ مخطوطہ۔
۳۶-قواعد الفقہ۔ مفتی سید عمیم الاحسان مجددی۔ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ۔
۳۷-الاشباہ والنظائر۔ علامہ ابن نجیم مصری۔
۳۸-مقدمہ عمدۃ الرعایہ۔ مولانا عبد الحی لکھنوی۔ مکتبہ قیومی کانپور۔
۳۹-شرح عقود رسم المفتی مع حاشیہ۔ علامہ ابن عابدین شامی۔ مکتبہ سعیدیہ سہارنپور۔

۴۰- مرآۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول۔ ملا خسرو۔ مکتبہ العامرہ ۱۳۰۹ھ۔
۴۱- مذکرہ جامعہ دمشق۔ ٹائپ شدہ۔
۴۲- تاریخ التشریع الاسلامی۔ محمد خضری بک۔ مکتبہ تجاریہ الکبیری مصر (طبع ہفتم)۔
۴۳- تاریخ المذاہب الاسلامیہ۔ محمد ابو زہرہ۔ دار الفکر العربی قاہرہ۔
۴۴- ابن قدامہ وآثار الاصولیہ۔ عبد العزیز بن عبد الرحمٰن۔ جامعۃ الامام محمد بن سعود۔
۴۵- اصول الفقہ۔ زکریا البردیسی۔ دار التالیف قاہرہ (طبع دوم)۔
۴۶- اعلام الموقعین۔ ابن قیم۔ مطبعۃ السعادۃ قاہرہ (طبع اول)۔
۴۷- کافیہ سعیدیہ۔ مولانا حیات سنبھلی۔ مکتبہ مجیدی کانپور۔
۴۸- طلعۃ الشمس۔ محمد عبد اللہ سالمی اباخی۔ الموسوعات مصر۔
۴۹- حاشیہ مختصر المعانی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی۔ مکتبہ رشیدیہ دہلی۔
۵۰- جواہر الفقہ۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی۔ عارف کمپنی دیوبند۔



كتاب شذا العرف في فن الصرف
مجموعة القصص الأدبية
لطلاب اللغة العربية
ديوان حسان بن ثابت
الأيام
تاريخ الأدب العربي
ماجدولين
آسان صرف
عربی کا معلم
رياض الصالحين
بہشتی ثمر